اردو میں دُنیا کے بہترین ناولوں کا سلسلہ

(۱۰)

سرد، ویران، اندھیرا گھر

دُنیا کے بہترین ناول

١، اور ڈان بہتا رہا، شولوخوف
٢، ماں، گورکی
٣، مادام بوواری، فلوبیر
٤، آخری سلام، اشروڈ
٥، بڈھا گوریو، بالزاک
٦، کنوارے کھیت، شولوخوف
٧، ایک دل، موپاساں
٨، سرخ و سیاہ، ستاں دال
٩، انسانی تماشا، ولیم سرویاں

١١، موبی ڈک، میل وِل
١٢، ہمیں چراغ ہمیں پروانے، ہنری جیمز

[redacted]
1447

سرد، ویران، اندھیرا گھر

بالزاک

ترجمہ : نسیم ہمدانی

مکتبہ جدید لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بار اول: ۱۹۵۶ء
طابع: سویرا آرٹ پریس لاہور
ناشر: رشید احمد چوہدری

بعض دیہاتی بستیوں میں کچھ مکانات ایسا وحشت ناک منظر پیش کرتے ہیں کہ اُن کے مقابلے میں تاریک ترین خانقاہیں، اجاڑ سے اجاڑ کھنڈر اور بے رنگ سے بے رنگ میدان بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ شاید اس قسم کے مکانات میں ان تینوں جگہوں کی خصوصیات کو دخل ہوتا ہے۔ خانقاہ کی سی بے پناہ خاموشی کے ساتھ ساتھ اُن میں کھنڈروں کی سی ہولناکی اور ویرانوں جیسی اُداسی پائی جاتی ہے۔ ان کے چاروں طرف زندگی کے آثار اتنے کم ہوتے ہیں کہ ایک اجنبی کو اُن کے غیر آباد ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ لیکن غیر مانوس قدموں کی چاپ سن کر کسی نہ کوئی کھڑکی میں ضرور آ کھڑا ہوتا ہے۔ اچانک ایک مُردہ سا چہرہ نیچے جھانکتا ہے اور مسافر کو نہایت بے پروائی اور بے اعتنائی کے انداز میں دیکھتا ہے —— بالکل اسی طرح جیسے کوئی راہب ایک لمحے کے لیے دنیا پر نظر ڈال لے۔

سومور میں ایک مکان کے سامنے کا حصہ خاص طور پر انہیں خصوصیات کا حامل ہے۔ شہر کے بالائی حصے میں قلعے کی طرف جانے والی ڈھلوان سڑک کے اختتام پر یہ گھر اب بھی موجود ہے۔ آج کل یہ سڑک بہت خاموش معلوم ہوتی ہے۔ گرمیوں میں گرم اور سردیوں میں ٹھنڈی رہتی ہے اور یہاں بعض بعض جگہوں پر بہت ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بے حد تنگ اور ٹیڑھی میڑھی ہے۔ اس گلی کے مکانوں کے ارد گرد ایک عجیب قسم کی باقاعدگی اور سکون پسندی کی سی فضا محسوس ہوتی ہے۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ یہاں ہر آواز کس طرح گونج اٹھتی ہے —— جڑے اکھڑے ہوئے پتھر جو ہمیشہ صاف ستھرے اور خشک رہتے ہیں، ہر گزرنے والے کے قدموں سے گونج اُٹھتے ہیں۔

یہ شہر کا سب سے پرانا حصہ ہے اور اس کے قریب ہی فصیل واقع ہے۔ اس محلے کے مکانات پچھلے تین سو سال سے یوں ہی کھڑے ہیں۔ اگرچہ یہ لکڑی کے بنے ہوئے ہیں لیکن اب بھی بہت ٹھوس اور مضبوط ہیں۔ ہر مکان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت موجود ہے اس لیے ایک فنکار اور زمانۂ قدیم کے آثاروں کے محقق کے لیے شہر کا یہ حصہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان گھروں کو سراہے بغیر گذر جائے جن کی نچلی منزلوں کے اوپر والے حصے میں ابھرے ہوئے بڑے بڑے شہتیروں پر عجیب و غریب شکلیں بنی ہیں۔ کہیں کہیں ان شہتیروں کو موسم کے اثرات سے بچانے کے لیے پتھر کی تختیاں سی لگا دی گئی ہیں۔ ایسی عمارتوں کی خستہ دیواروں کے ارد گرد مٹیالے سے نیلے رنگ کی لکیر دکھائی دیتی ہے اور پھر ان سب کے اوپر عجیب وضع کی خمدار چھتیں ہیں جو پرانی پڑ کر جھک چلی ہیں۔ چھتوں کے اوپر بچھی ہوئی لکڑی کی تختیاں سالہا سال کی دھوپ اور بارش کے باعث چٹخ سے کے رہ گئی ہیں۔ کہیں کہیں نفیس کھدائی کا کام بھی کیا ہوا ہے، گو دھندلے ہو جانے کی وجہ سے وہ کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ کھڑکیوں کی پرانی سی دہلیزوں میں سرخ پھولدان بھی رکھے نظر آتے ہیں جن میں اکثر غریب عورتیں گلاب یا دوسرے کئی قسم کے پھول لگا دیتی ہیں مگر یہ دہلیزیں ایسی خستہ ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ان گملوں کا بوجھ بھی نہ سہار سکیں گی۔

اسی سڑک پر چند نہایت خوبصورت قسم کے گھر بھی ہیں جن کے دروازوں پر بڑی بڑی کیلیں جڑی ہوئی ہیں۔ ان کی بناوٹ میں ہمارے بڑے بوڑھوں نے اپنی ہنرمندی کے کمال دکھائے تھے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب قسم کی لکیریں اور نشانات بنا رکھے ہیں جن کا اس زمانے میں ہر کوئی مطلب سمجھ لیتا تھا لیکن آج کل کوئی بھی ان کا کھوج نہیں نکال سکتا اور آئندہ بھی کبھی انسان ان کے معنی نہ سمجھ سکے گا۔ کہیں تو یہ نشان کسی پروٹسٹنٹ کے عقیدے کا اعلان

کرتے ہیں کہیں بادشاہ کو گالیاں دی گئی ہیں کہیں کسی معمولی شہری نے تھوڑے دن کے لئے کوئی عہدہ پانے کی یادگار قائم کی ہے۔ اگر ہم ان نشانات کو پڑھ سکیں تو پرانے گھروں پر فرانس کی پوری تاریخ لکھی ہوئی مل سکتی ہے۔ یہیں ایک چھوٹا سا لکڑی کا بنا ہوا ٹوٹا پھوٹا گھر ہے جس پر بڑی بھدی قسم کی کاریگری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس کی دیوار پر کاریگر نے اپنے پیشے کا نشان یعنی رندہ بھی بنا دیا ہے۔ اس کے برابر میں ہی کسی نواب کا محل واقع ہے جس کا گول محرابی دروازہ کافی بہت بڑا ہے۔ اس کے اوپر کھدا ہوا خاندانی نشان اب بھی تھوڑا بہت دکھائی دیتا ہے اگر ۱۷۸۹ء سے جو فسادات ملک میں برپا ہوتے رہے ہیں ان میں سے کسی ایک میں اس نشان کو بھی بے طرح کھسوٹ ڈالا گیا ہے۔

اس سڑک پر آپ کو کہیں دکانوں میں باہر کی طرف نکلی ہوئی کھڑکیاں نظر نہ آئیں گی در اصل وہاں دکانیں ہی نہیں ہیں کیونکہ نچلی منزلوں میں جہاں بیچنے کے لئے چیزیں رکھی جاتی ہیں وہ فی الحقیقت ہمارے بزرگوں کے وقتوں کے کارخانوں کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔ ازمنہ متوسطہ کے دلدادگان کو ان جگہوں میں پہلے وقتوں کی سی سادگی مل سکتی ہے نیچی چھتوں والے کمرے تاریک اور غاروں کی سی وضع کے ہیں اور ویسے بھی ان میں کسی قسم کی شیشے دار الماریاں اور کھڑکیاں نہیں ہوتیں۔ اندر یا باہر کسی طرف بھی سامان کو سجا کر رکھنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ عموماً دروازے پر بہت سی آہنی سلاخیں لگی ہوتی ہیں اور ان کے دو حصے ہوتے ہیں۔ اوپر کا آدھا تو دن کے وقت کھول دیا جاتا ہے تاکہ اس سیلے ہوئے تنگ غار میں تازہ ہوا اور سورج کی روشنی آسکے۔ نچلے حصے میں گھنٹی لگی ہوتی ہے۔ یہ حصہ ہمیشہ کھلتا بند ہوتا رہتا ہے۔ دکان کے اگلے حصے میں ایک چھوٹی سی گھٹنے تک اونچی دیوار فرش اور چھت کے درمیان آدھی جگہ گھیرے رکھتی ہے۔ کھڑکیوں کے بجائے لکڑی کے بھاری بھاری تختے

ہوتے ہیں جو لیے ہے کے قبضوں میں جکڑے دیوار کے اندر رکھے رہتے ہیں رات کے وقت انہیں
گرا دیا جاتا ہے اور صبح کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

یہی دیوار گاہکوں کو چیزیں دکھانے کے لیے میز کا کام دیتی ہے۔ اس بیوپار میں جھوٹ یا فریب کا کوئی دخل نہیں۔ لوگوں کے سامنے جو نمونہ پیش کیا جاتا ہے اُس کا دارومدار چیز کی نوعیت پر ہوتا ہے۔ آپ کو نمک یا نمکین مچھلی کے دو ٹین پڑے ہوئے نظر آئیں گے۔ بادبانوں کے لیے کپڑے کے دو تین گٹھے یا رسی کا ڈھیر، کچھ تانبے کے تار کڑیوں میں ٹنگے ہوئے ٹین سازوں کے لیے چند چھلے دیوار پر ٹنگے ہوئے یا الماریوں میں کپڑے کے ایک دو تھان رکھے ہوئے۔

آپ کو اندر جاتے ہی ایک صاف ستھری سی لڑکی بیٹھی ملے گی۔ بغیر آستین کے فراک میں سے اُس کے لال لال بازو دکھائی دیتے ہوں گے۔ چہرے سے جوانی کی تازگی اور خوبصورتی جھلکتی ہوگی۔ گلے میں سفید رومال پن سے بندھا ہوگا۔ یہ آپ کو دیکھتے ہی اپنی اُون سلائیاں چھوڑ کے اپنی ماں یا باپ کو بلانے چلی جائے گی جو آ کے آپ کی مرضی کی چیز سامنے لا کے رکھ دیں گے خواہ یہ چیز بیس ہزار فرانک کی ہو یا دو پیسے کی۔ بیچنے کا طریقہ ایک سا ہی ہوگا اور پھر اس لین دین کا انحصار بیچنے والے کے مزاج پر بھی ہوگا جو باتونیا مروت قسم کا ہوگا یا پھر چڑچڑا کنستروں کا تاجر اپنے گھر کے دروازے میں بیٹھا دکھائی دے گا جو انگوٹھے نچا نچا کر اپنے ہمسائے سے باتیں کر رہا ہوگا۔ یوں دیکھنے میں تو یہ ظاہر ہوگا کہ اس کے پاس ٹوٹی پھوٹی الماریوں میں رکھی ہوئی بوتلوں اور کچھ پتلی پتلی لکڑیوں کے گٹھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، لیکن گھاٹ پر اُس کا لانڈری کا بہت بڑا گودام ہے جہاں سے آس پاس کے تمام ٹین ساز اپنی ضروریات حاصل کرتے ہیں اور اسے خوب اندازہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے ٹین میں کتنی شراب سما سکتی ہے اور انگور کی فصل اچھی ہو تو وہ کتنے کنستر بیچ سکے گا۔ اگر چند روز جھلسا دینے والی دھوپ

پڑ جائے تو اُس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں لیکن گرمیوں میں بارش کا ہونا اُس کے لیے بڑا تباہ کُن ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایک ہی دن میں کنستر کی قیمت گیارہ فرانک کے بجائے صرف چھ فرانک رہ جاتی ہے۔

لوزین کی طرح اس قصبے کا بھی پورا کاروبار موسمی تغیرات پر منحصر ہے۔ جاگیردار، انگور کے کاشتکار، لکڑی کے بیوپاری، ٹین ساز، سرائے کے مالک اور اسی قسم کے دوسرے تمام لوگ دھوپ نکلنے کا انتظار کیا کرتے ہیں۔ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو رات کو یہ ڈر دل میں نہ لے کر سوتا ہو کہ صبح اُٹھ کر کہیں رات میں کہرا پڑنے کی خبر نہ ملے۔ اگر انہیں بارش کا ڈر نہیں رہتا تو ہوا کے چلنے یا خشک سالی کی فکر لگ جاتی ہے۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ گرمی پڑے تو اس کی مرضی کے مطابق اور سردی ہو تو اُس کی مرضی کے مطابق۔

غرض کہ موسم اور انگور کے کاشتکاروں میں ہمیشہ لڑائی رہتی ہے۔ مقیاس الحرارت کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ چہروں پر رونق یا پژمردگی کے آثار پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ سومور کی اس پرانی سڑک پر بعض دفعہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک یہی الفاظ گونجتے ہیں "یہ بہت ہی عمدہ موسم ہے" یا پھر یہ فقرہ دُہرایا جاتا ہے کہ "یہ بارش تو ہُن برسا رہی ہے"۔ یہ محض استعارہ نہیں۔ انہیں دھوپ اور بارش کی قیمت کا پورا پورا علم ہے۔

سومور کے لوگوں سے آپ گرمی کے زمانے میں ہفتے کے روز بارہ بجے کے بعد ایک پیسے کا لین دین نہیں کر سکتے۔ ہر ایک کے پاس تھوڑی بہت اراضی ہے اور انگوروں کا چھوٹا موٹا باغیچہ بھی۔ اس لیے وہ دیہات میں چھٹی گزارنے چلے جایا کرتے ہیں۔ سب کو اس کا پہلے سے علم ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کو دوسروں کے بارے میں ہر قسم کی تفصیلات معلوم ہیں۔ مثلاً وہ کہاں آتے جاتے ہیں، کیا خریدتے ہیں، کیا

بیٹھتے ہیں، کتنا نفع یا نقصان ہوا ہے۔ چنانچہ لوگ بارہ گھنٹوں میں سے دس گھنٹے چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بیٹھ کر اپنے ہمسایوں کے معاملات پر تبصرہ کرنے میں گزارتے ہیں۔ گھر والی تیتر خریدے تو ہمسائے اس کے شوہر سے پوچھتے ہیں کہ تیتر کیسا پکا تھا۔

کوئی دوشیزہ ذرا کھڑکی سے منہ نکالے تو بے فکرے فوراً تاڑ لیتے ہیں۔ بظاہر تو یہ مکان خاموش، تاریک اور پُراسرار معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی کوئی بات بھی لوگوں سے ڈھکی چھپی نہیں رہتی۔ اسی طرح ہر ایک یہ جانتا ہے کہ دوسرا اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی زیادہ زندگی گھروں سے باہر ہی کٹتی ہے۔ وہ اپنے دکان کی سیڑھیوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔ وہیں ناشتہ کر لیتے ہیں اور اکثر کھانا بھی وہیں بیٹھے بیٹھے کھاتے ہیں۔ چھوٹے موٹے خاندانی جھگڑوں کا فیصلہ بھی ڈیوڑھی ہی میں ہوتا ہے۔ ہر راہگیر کا جائزہ بڑی توجہ کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قصبے میں آنے والوں کو اچھی خاصی ہفت خواں طے کرنا پڑتی ہے اور ہر گھر کی دہلیز سے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ ان طریقوں کے استعمال سے بہت سے لطیفے جمع ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصبے کے رہنے والے جو ذرا عقلمند واقع ہوئے ہیں اور بہت حاضر جواب بھی ہیں ان کو "کیتی" کے لقب سے نوازا گیا ہے۔

پرانے حصے کے بڑے بڑے گھر جہاں ایک زمانے میں رئیس لوگ رہا کرتے تھے اس شہر کے پرلی طرف ہیں۔ انہیں میں سے ایک مکان میں وہ سب واقعات رونما ہوئے جن کا اس کہانی میں ذکر کیا جائے گا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے یہ ایک اداس سا مکان تھا اور پرانے زمانے کی ایک متبرک یادگار۔ یہ پہلے زمانے کے سیدھے سادے مرد، عورتوں کے لیے بنایا گیا تھا لیکن اب ان روایات سے فرانس دن بدن دور ہوتا چلا

جا رہا ہے۔ اس ٹیڑھی میڑھی خوبصورت سی سڑک پر چلتے چلتے آپ کو بہت سی چیزیں ایسی ملیں گی جن سے زمانۂ ماضی کی یادیں اُبھر آئیں گی اور آپ غیر شعوری طور پر خوابوں میں اُلجھ کر رہ جائیں گے۔ آخر کار آگے چل کر آپ ایک تاریک سے گوشے میں پہنچ جائیں گے۔ یہاں آپ کو موسیو گراں دے کے گھر کا دروازہ نظر آئے گا۔ قصباتی لوگوں کے ذہن میں یہ فقرہ فخر و مباہات کا جو تصور پیدا کرتا ہے اسے ٹھیک طرح بیان کرنا مشکل ہے۔ بس یہی ہو سکتا ہے کہ اُس گھر کے مالک موسیو گراں دے کی سوانح عمری سُنا دی جائے۔

موسیو گراں دے کو سومور میں ایک خاص قسم کی شہرت حاصل تھی اُس کے اثرات اور وجوہات کا پورے طور پر اندازہ کرنا ایسے لوگوں کے لئے ممکن نہیں جو تھوڑے بہت دن قصبات میں نہ رہے ہوں۔ دو چار بڑے بوڑھے ابھی زندہ تھے جنہیں پہلے کا زمانہ یاد تھا وہ موسیو گراں دے کو "گراں دے میاں" کہہ کر پکارا کرتے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد کم تھی اور وہ سال بہ سال تیزی سے غائب ہوتے جاتے تھے۔

۱۷۸۹ء میں گراں دے بہت بڑا ٹین ساز تھا۔ اُس کا کاروبار بڑی خوبی سے چل رہا تھا۔ وہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا اور خود ہی سارا حساب کتاب کرتا تھا۔ جب سومور شہر کے گرد و نواح میں گرجے کی پوری زمینیں فرانسیسی جمہوریہ نے اپنے قبضے میں کر لیں اور انہیں نیلام کیا تو اس وقت ٹین ساز کی عمر چالیس سال تھی اور اُسی زمانے میں اُس نے ایک دولتمند، لکڑی کے بیوپاری کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ اُس کے پاس اپنا بھی بہت سا پیسہ تھا، اُس کے علاوہ بیوی کا جہیز بھی موجود تھا۔ چنانچہ وہ زمین خریدنے پہنچا۔ جو شخص انہیں نیلام کرنے پر مامور تھا اُسے گراں دے کے خسر نے دو سو لوئی دیئے۔

اُس نے اس کے عوض ٹین ساز کو بہترین انگور کے کھیت، ایک پُرانا ساگرجا اور زمین کے چند ٹکڑے دے دیئے۔ اگرچہ انہیں حاصل کرنے کا طریقہ معیوب سا تھا لیکن بہرحال قانون کی رُو سے وہ اب ان سب کا مالک تھا۔

سومور والوں کو انقلاب سے ذرا بھی ہمدردی نہ تھی۔ گراں دے سے بڑا باہمت، محبِ وطن، جمہوری سلطنت کا طرفدار، ترقی پسند مفکر اور نہ جانے کیا کیا سمجھا جاتا تھا۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ ٹین ساز کو اپنے انگور کے کھیتوں کے سوا اور کسی چیز کی کوئی پروا نہ تھی۔ سومور کے ضلع میں اُسے حکومت کا نمائندہ نامزد کیا گیا اور سیاسی اور تجارتی حلقوں کے لیے اُس کا اثر نہایت صلح کُن ثابت ہوا۔ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے اُس نے پُرانے لوگوں سے بھی دوستی رکھی اور پوری کوشش کی کہ اُن کی جائداد بکنے سے بچی رہے۔ تجارتی سلسلے میں اُس نے جمہوری فوجوں کو دو ہزار بڑے کنستر سفید شراب کے مہیا کرنے کا ٹھیکہ لے لیا۔ اور اُن کے عوض چند بہت ہی زرخیز چراگاہیں حاصل کیں جو کسی خانقاہ کی راہباؤں کی ملکیت تھیں اور جنہیں آخری وقت تک محفوظ رکھا گیا تھا۔

جمہوریت کے زمانے میں گراں دے میئر بن گیا۔ اُس نے عوام کے ساتھ بھی اچھی نبھائی اور اپنے لیے بہت کچھ کر لیا جب حالات بدلے اور بادشاہت قائم ہوئی تو وہ موسیو گراں دے بن گیا لیکن گراں دے اب بھی جمہوریوں کا طرفدار خیال کیا جاتا تھا اور نپولین کو جمہوریت پسند لوگ بالکل پسند نہ تھے۔ اس لیے آس کی جگہ ایک اور بہت بڑے جاگیردار کو میئر بنا دیا گیا جسے نواب کا خطاب ملنے کی بھی اُمید تھی۔ موسیو گراں دے کو ان اعزازات کے چھن جانے کا ذرا بھی افسوس نہ ہوا۔ اپنی نظامت کے دوران میں اُس نے شہر کی خاصی خدمت کی تھی اور کئی عمدہ سڑکیں بنوائی تھیں جو بہر طور

اُس کی زمینوں کے پاس سے ہو کر گذرتی تھیں۔ اُس کے مکان اور زمینوں پر بڑا اوا بھی محصول لگایا گیا تھا اور اب اُس کو ٹیکس بھی زیادہ ادا نہ کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ اس فکر سے نجات مل جانے کے بعد اس نے اپنے انگوروں کی کاشت پر بہت محنت کرنا شروع کر دی تاکہ اُس کی زمین میں بہترین قسم کا انگور پیدا ہو سکے۔ "لیجن آف آنر" کے تمغے پر بھی اُس کا خاصا حق تھا اور آخر سنہ ۱۸۰۶ء میں اسے یہ اعزاز مل بھی گیا۔

اِس وقت موسیو گراں دے کی عمر ستاون سال کی تھی اور اُس کی بیوی چھتیس برس کے لگ بھگ تھی۔ اور ان کی اکلوتی اولاد ایک بیٹی، دس سال کی بچی تھی۔ قدرت نے غالباً اُس کے حاکمانہ تنزل کی تلافی کرنا چاہی کہ اسی سال وہ تین جائدادوں کا وارث بن گیا جن کی کل آمدنی کے متعلق قیاس آرائیاں ہی ہوتی رہیں کیونکہ صحیح اطلاع کہیں سے بھی نہ مل سکی۔ ان میں سے پہلی تو اسے مادام دلاگودی نیٹر کی موت پر ملی۔ یہ مادام گراں دے کی ماں تھی۔ مرحومہ برتیلیئر خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور اس کے والد موسیو دلابرتیلیئر کا بھی کچھ عرصے بعد ہی انتقال ہو گیا۔ تیسری موت مادام ژاں سنتئے کی ہوئی جو ماں کے رشتے سے موسیو گراں دے کی نانی ہوتی تھی۔ بڈھے موسیو دلابرتیلیئر کا خیال تھا کہ کسی کام میں پیسہ لگانا پھینک دینے کے برابر ہے۔ اپنے روپے کا زیادہ سے زیادہ سود لے کر بھی اسے اتنا مزا نہ آتا جتنا اپنے جمع کیے ہوئے سونے کے ڈھیر کو دیکھ کر آتا تھا۔

چنانچہ سومور کے میئر نے موسیو دلابرتیلیئر کی سالانہ آمدنی کے لحاظ سے اُس کی بچت کا اندازہ لگایا۔ ہمیں مساوات اور اخوت کی کتنی ہی دھت کیوں نہ ہو لیکن رُتبے کا فرق نہیں مٹ سکتا۔ موسیو گراں دے کو بھی ایک نیا امتیاز حاصل ہو گیا یعنی گرد و نواح میں وہ سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرتا تھا۔

اب وہ سو ایکڑ کے رقبے میں انگوروں کی کاشت کرتا تھا فصل اچھی ہو تو کوئی سات آٹھ سو کنستر ہو جاتی تھی۔ اس کے تیرہ چھوٹے کھیت تھے۔ ایک پُرانا گرجا تھا (کفایت شعاری کے پیش نظر اُس نے کھڑکیوں میں اینٹیں لگوادی تھیں تاکہ منقش شیشے اور دوسری آرائشی چیزیں محفوظ رہ سکیں)۔ اس کے علاوہ ایک ستائیس ایکڑ کی چراگاہ تھی جس میں ۱۷۹۳ء کے بوئے ہوئے پوپلر کے درخت ہر سال بڑھتے چلے جا رہے تھے اور پھر جس گھر میں اس کی رہائش تھی وہ بھی اسی کی ملکیت تھا۔

اس کی روز افزوں خوشحالی کے یہ تین ذرائع تو لوگوں کی نظر کے سامنے تھے۔ رہا اُس کا سرمایہ تو اس کے بارے میں صرف دو شخص ہی کچھ اندازہ کر سکتے تھے۔ اُن میں سے ایک تو سرکاری وکیل موسیو کروشو تھا، کیونکہ جب کبھی موسیو گراں دے کسی کام میں روپیہ لگاتا تو اُس کے لیے ضروری کارروائی کروشو ہی کرتا۔ دوسرا شخص شہر کا سب سے امیر ساہوکار موسیو دے گراسیں تھا جس نے گراں دے کے بہت سے ایسے کام انجام دیئے جن کا سومور میں کسی کو علم نہ تھا۔

اس قسم کے وسیع تجارتی لین دین کے راز عموماً چھپا کر رکھے جاتے ہیں لیکن حد سے زیادہ دُور اندیش اور محتاط ہونے کے باوجود موسیو کروشو اور موسیو دے گراسیں، گراں دے سے کچھ ایسی عزت کے ساتھ خطاب کرتے کہ تاڑنے والے تھوڑا بہت اندازہ لگا لیں۔ لہٰذا یہ تو ظاہر تھا کہ اُن کے سابقہ میئر کی دولت یقیناً بے شمار تھی جس کی وجہ سے یہ لوگ اس درجہ خوشامد میں لگے رہتے تھے۔

سومور بھر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے اس خبر پر پورا یقین نہ ہو کہ موسیو گراں دے نے ایک خفیہ جگہ پر اشرفیوں کا ذخیرہ چھپا رکھا ہے اور وہ ہر رات اس سونے کے بے پناہ ڈھیر کو

ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہتا ہے اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔ سومور میں وہی ایک شخص نہ تھا جسے روپے سے پیار ہو۔ اس لیے بہت سے ہمدرد اُس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر ہی اس خبر کی تصدیق کر لیتے تھے۔ کیونکہ اُن کا کہنا تھا کہ اُس کی آنکھوں میں سنہری سکّوں کی جھلک تھی جنہیں وہ گھنٹوں بیٹھا گھورتا رہتا تھا اور پھر صرف یہی ایک نشانی نہ تھی بلکہ اس کی بہت سی چھوٹی چھوٹی عادات، دُزدیدہ حرکات اور غیر اختیاری طور پر لالچ کا اظہار اُس کے ہم مذاق لوگوں کی تیز نظروں سے پوشیدہ نہ رہا تھا۔ دراصل جو شخص بہت اونچے نرخ پر روپیہ قرض دیتا ہو اُس کی آنکھوں میں لومڑی کی سی عیاری جھلکنے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ وہ ایک جواری، نفس پرست یا درباری کی آنکھوں کی طرح سکڑ جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ پُراسرار مذہبی فرقوں کی طرح جذبات کے بھی چند خفیہ اشارے کنائے ہوتے ہیں جنہیں واقف کار لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

چنانچہ موسیو گرانڈ وسے اپنے گردونواح میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور وہ اس کا حقدار بھی تھا کیونکہ عمر بھر اُس نے کبھی کسی سے ایک پیسہ بھی اُدھار نہ لیا تھا۔ اور پھر یہ بڈھا ٹین ساز اور انگوروں کا کاشتکار عقلمند بھی اتنا تھا کہ نجومیوں کی طرح اُسے بھی پہلے ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کونسی انگور کی فصل پر صرف پانچ سو کنستر شراب بیچنا کافی ہوگا اور کب ایک ہزار کنستر تیار کر رکھنا چاہئیں۔ اس کے تخمینے کبھی غلط نہ نکلتے تھے اور جب کنستر اس قدر مہنگے ہو جاتے کہ اُن کی قیمت اُن میں ڈالی جانے والی شراب سے بھی زیادہ ہوتی تو گرانڈ وسے کے پاس خالی پیپوں کا انبار لگا ہوتا۔ وہ اپنی انگور کی فصل کو ٹھریوں میں جمع کر کے رکھتا اور انتظار میں رہتا۔ کئی چھوٹے موٹے کاشتکار اپنی فصل آدھے پونے دام ملنے پر ہی فروخت کر ڈالتے لیکن اُس کی شراب سینکڑوں فرانک کی بکتی۔ اس دُور اندیشی کی وجہ سے

اُس کی ۱۸۱۱ء کی فصل جو اُس نے دام بڑھ جانے کے وقت بیچی کوئی دو لاکھ چالیس ہزار لیور کی بکی تھی۔

جہاں تک آمدنی اور خرچ کا تعلق ہے وہ چیتے اور اژدہے کی خصوصیات کا مجموعہ تھا۔ وہ زمین پر بہت نیچے جھکا اپنے شکار کا انتظار کرتا رہتا اور مناسب موقع ملتے ہی بے جھجک جھپٹ پڑتا۔ تب اُس کے بٹوے کے جبڑے کھلتے اور سکّوں کا ڈھیر نگل جاتے پھر وہ ایک رینگنے والے جانور کی طرح اُسے ہضم کرنے کے لیے بیٹھا سستایا کرتا۔ سانپ کی مانند اُس کے مزاج میں بھی حد درجہ کی سرد مہری اور باقاعدگی موجود تھی اور اُس کے کاروبار کے اوقات بھی عجیب و غریب تھے۔ جب کبھی گراں دے سامنے سے گزرتا تو لوگ اس کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکتے۔ اُن کی تعریف میں خوف اور تکریم کے ملے جلے جذبات پائے جاتے تھے۔ اِسکی شیر کی سی گرفت میں فولاد کی سختی تھی اور اُس کے پنجے نوکیلے اور تیز تھے۔ سومور بھر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا اُس سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ مثلاً کسی کو زمین خریدنے کی خواہش ہوتی تو موسیو گرونشو گیارہ فی صدی کے حساب پر اُسے قرضہ دلوا دیتا۔ اسی طرح کسی اور حاجتمند کے تمسک موسیو دے گراسیں بھنوا دیتا۔ لیکن ایسی شرح پر کہ اُس بیچارے کا دیوالہ نکل جاتا۔

زیادہ دن نہ گزرنے پاتے تھے کہ کسی نہ کسی سلسلے میں گراں دے کا ذکر ضرور چھڑ جاتا چاہے یہ گفتگو شام کو کسی کے گھر میں ہو رہی ہو یا شہر کے کسی کونے میں گپیں ہانکی جا رہی ہوں۔ اُن میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس بڈھے کاشتکار کی دولت پر ہم وطن ہونے کے باعث فخر سا محسوس کرتے تھے، مثلاً سرائے کے مالک یا سوداگر باہر سے آنے والوں کو بڑی خود اطمینانی کے ساتھ بتاتے ——— "صاحب، ہمارے ہاں دو تین آدمی تو لکھ پتی ہیں لیکن گراں دے ایک ایسا شخص ہے جسے اپنی دولت کا خود بھی صحیح اندازہ نہیں۔"

۱۸۱۶ء میں سومور کے چند دانش وروں نے تین سان کی اراضی کی قیمت کا اندازہ کوئی چالیس لاکھ لگایا لیکن اُن کا خیال تھا کہ ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۷ء تک اُس کی آمدنی ایک لاکھ کے قریب ہوئی ہوگی چنانچہ اس وقت گراں دے کے پاس اراضی کی قیمت کے لگ بھگ ہی روپیہ جمع ہوگا۔ لہٰذا اب جب کبھی تاش کھیلتے ہوئے یا انگور کی فصل کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے گراں دے کا نام آجاتا تو یہ لوگ اپنی عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے "کس کا ذکر ہے؟ بڈھے گراں دے کا؟ . . . اجی اس کے پاس تو یقیناً پچاس ساٹھ لاکھ کی رقم ہوگی"

"پھر تو تم مجھ سے بھی ہوشیار نکلے۔ مجھے تو آج تک اندازہ نہیں ہوسکا کہ اُس کے پاس کتنی دولت ہے"۔ اگر موسیو کروشو یا موسیو دے گراسیں یہ بات سن لیتے تو اس کا یہی جواب دیتے۔ اگر کوئی پیرس سے آنے والا وہاں کے کسی کروڑ پتی کا ذکر کرتا تو سومور کے رہنے والے پوچھتے "کیا وہ لوگ اتنے ہی امیر ہیں جتنے موسیو گراں دے؟ اور پھر اگر یہ پیرس والا اثبات میں جواب دیتا تو یہ لوگ اس طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور سر ہلاتے جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو۔ چنانچہ اس کی یہ بے شمار دولت بھی ایک سنہری نقاب بن گئی تھی جو اپنے مالک اور اس کے ہر عمل پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ اس کی عجیب و غریب طرز زندگی پہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جلد ہی یہ مذاق بھی ختم ہوگیا اور گراں دے اُسی ڈھنگ سے زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اب لوگ اُس کی چھوٹی چھوٹی حرکات کو مثال کے طور پر پیش کرتے اور اُس کی ذرا ذرا سی بات کو بڑی اہمیت دیتے۔ اُس کے فقرے اُس کا لباس، اُس کی حرکتیں اور آنکھیں جھپکنے کا انداز غرضکہ ان سب کا اتنی احتیاط سے مطالعہ کیا جاتا جیسے کوئی سائنسدان کسی جنگلی جانور کی

جبلتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان تمام حرکتوں میں لوگ خاموش اور بے پناہ دانائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ڈھونڈ نکالتے تھے۔

"اس بار سخت سردی پڑے گی" وہ سب کہتے "بڈھے گراں دسے نے اپنے سموّر کے دستانے پہن لیے ہیں اب ہمیں انگور اکٹھے کر لینے چاہئیں"۔ یا "گراں دسے بہت سے کنستر جمع کر رہا ہے معلوم ہوتا ہے اس سال شراب بہت ہوگی"۔

موسیو گراں دسے نے کبھی ڈبل روٹی یا گوشت بازار سے نہ خریدا تھا۔ اُس کے لگان کا کچھ حصّہ جنس کی صورت میں ادا کیا جاتا اور ہر ہفتے اس کے کاشتکار مرغیاں، انڈے، مکھن اور اتنا گیہوں لے کے آتے کہ گھر بھر کی ضروریات کے لیے یہ سب چیزیں کافی ہو جائیں۔ گراں دسے کی ایک پن چکّی بھی تھی اور چکّی والا کرایہ ادا کرنے کے علاوہ گھر آکے اناج لے جاتا اور پیس کر دے جاتا۔ گھر کی نوکرانی "لمبی نانون" ہر ہفتے کی صبح کو پورے آٹھ دنوں کے لیے ڈبل روٹی بنا کر رکھ لیتی تھی (حالانکہ اب وہ ایسی جوان نہ رہی تھی جیسی شروع میں تھی) دوسرے کرائے دار بازار میں سبزی بیچتے تھے چنانچہ گراں دسے نے اُن سے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ اُسے تازہ سبزیاں مہیا کیا کریں گے۔ پھلوں کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ بلکہ ان کا بہت سا حصّہ تو وہ بازار میں فروخت کر دیا کرتا تھا۔ جلانے کی لکڑی اُس کی باڑوں میں سے اکٹھی کر لی جاتی تھی یا اُن درختوں کے تنّے کاٹ لیے جاتے تھے جو اُس کے کھیتوں کے کناروں پر لگے ہوئے تھے۔ اُس کے کرائے دار یہ لکڑی کاٹ دیتے اور پھر اپنی گاڑیوں میں لکڑیوں کا گٹھا لاد کر اس کے گھر پہنچا دیتے جس کے عوض ان کو کیا ملتا ۔ ۔ ۔ گراں دسے کا لفظی تشکریہ۔ چنانچہ اُسے پیسے خرچ کرنے کا بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ اُس کے چند اخراجات کی تفصیل کچھ اس طرح تھی: دینی رسم ادا کرنے کے لیے روٹی اور گرجے میں اپنی بیوی اور بیٹی کی نشستوں کا

خرچ، اُن کے کپڑے، نانوں کی تنخواہ، نانوں کے باورچی خانے کے برتنوں کی قلعی، گھر کی مرمت، موم بتیاں، ٹیکس وغیرہ کے علاوہ کچھ وہ خرچ جو مکان وغیرہ کی درستی کے لیے ضروری خیال کیا جاتا۔ حال ہی میں اُس نے چھ سو ایکڑ جنگل کی زمین حاصل کی تھی اور چونکہ اُس کی دیکھ بھال وہ خود نہ کر سکتا تھا اس لیے ایک پڑوسی کے چوکیدار کو اُس نے راضی کر لیا تھا کہ وہ اس کے جنگل کا دھیان رکھے اور اس سے وعدہ کیا تھا کہ اُس کی محنت کا مناسب صلہ دیا جائے گا۔ اس زمین کی خرید کے بعد ہی گراں دے کے ہاں کھانے کی میز پر شکار کا گوشت آنے لگا جو اس سے پہلے کبھی اُن کے کھانے پر نہ ہوا تھا۔

گراں دے کے عادات و اطوار بہت گھریلو قسم کے تھے وہ زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہ تھا۔ اپنے خیالات کا اظہار وہ بڑے مختصر الفاظ اور نپے تُلے فقروں میں دھیمی سی آواز کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ انقلاب کے وقت سے لوگوں کی توجہ کچھ عرصے کے لیے اُس کی طرف مرکوز ہو گئی تھی تو اس بھلے آدمی نے اپنے اندر ہکلانے کی تکلیف وہ عادت پیدا کر لی تھی۔ اور یہ عادت اُس وقت ظاہر ہوتی جب وہ کسی طویل گفتگو میں شریک ہوتا یا کسی مباحثے میں حصہ لیتا۔ اس کی اور بھی بڑی عجیب و غریب عادات تھیں۔ وہ اپنے خیالات کو غیر ضروری لفظوں کے طوفان میں گم کر دینے کا عادی تھا۔ اور منطقی طور پر بات نہ کر سکنے کا سبب عموماً اس کی ناقص تعلیم کو سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی ناخوشگوار لسانی اور ہکلاہٹ کے علاوہ بہت سی باتیں اور بھی تھیں جو اُس نے اپنے اندر جان بوجھ کے پیدا کی تھیں۔ ان کے اپنانے کی وجوہات کہانی کے دوران میں پوری طرح واضح ہو جائیں گی۔ اپنی گفتگو میں وہ کئی اور ترکیبوں سے بھی کام لیتا تھا۔ اُسے چار فقرے یاد تھے جو الجبرا کے فارمولوں کی طرح ہر موقع پر بخوبی استعمال ہو سکتے تھے۔ اور ہر خانگی یا کاروباری مسئلے کو حل کرنے میں

مفید ثابت ہوتے تھے ــــ وہ چار جُملے یہ تھے "مَیں نہیں جانتا" ــ "مَیں یہ نہیں کر سکتا" ــ "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے" اور "ہم سوچیں گے" ــ اس نے کبھی کسی سے حتمی وعدہ کر کے اپنی آزادی کو خطرے میں نہیں ڈالا تھا۔ اُس نے کبھی 'ہاں' یا 'نہ' میں جواب نہ دیا تھا اور نہ اپنے کسی خیال کو تحریری شکل دی تھی۔ جب کبھی اُسے مخاطب کیا جاتا وہ اپنے دائیں ہاتھ سے ٹھوڑی تھامے اور بائیں ہاتھ کو کہنی کے نیچے رکھے بڑی بے اعتنائی سے سُنتا رہتا۔ اگر وہ کاروباری معاملے میں ایک دفعہ کوئی رائے قائم کر لیتا تو پھر کبھی اُسے نہ بدلتا لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی بہت دیر تک سوچ بچار کیا کرتا۔ جب بہت سی لمبی چوڑی باتیں کر لینے کے بعد وہ اپنے مخالف کے ارادوں کو بخوبی بھانپ جاتا جو اپنی جگہ یہ سمجھے ہوتا کہ اُس نے گراں دے کو اچھی طرح جان لیا ہے تو گراں دے کہہ دیا کرتا "اس کا کچھ جواب دینے سے پہلے مَیں اپنی بیوی سے مشورہ لے لوں" اِن تجارتی معاملوں میں بیوی اُس کے لیے بہت ہی کارآمد ثابت ہوتی۔ حالانکہ دراصل اُس کو گراں دے نے نہایت حقیر قسم کی فرمانبرداری پر لگا رکھا تھا۔

وہ کبھی کسی سے ملنے نہ جاتا تھا اُس نے نہ تو کبھی گھر سے باہر کھانا کھایا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر پر کھانے کے لیے بُلایا تھا۔ جب وہ چلتا تو ذرا سی آواز نہ ہوتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اپنی کفایت شعاری کا اطلاق وہ ہر چیز پر کرنا چاہتا ہے کسی قسم کی فضول آواز نہ نکالتا اور اسی طرح جسمانی حرکات میں بھی بڑے بخل سے کام لیتا۔ وہ مالکانہ حقوق کا اِس درجہ احترام کرتا تھا کہ دوسروں کی چیز کو اِدھر سے اُدھر بھی اُٹھا کر نہ رکھتا تھا لیکن اُس کی دھیمی آواز، اُس کی دُور اندیشی اور ہوشیاری کے مظاہروں کے باوجود ٹین ساز کے اصل کردار کا اس کی باتوں اور طور طریقوں سے پتہ چلے بغیر نہ رہتا تھا خصوصاً اپنے

گھر میں اس کی اصلیت زیادہ نمایاں ہوتی کیونکہ یہاں وہ زیادہ احتیاط سے کام نہ لیتا تھا۔ جہاں تک گراں دے کی شکل صورت کا تعلق ہے۔ اس کے کندھے خوب چوڑے چکلے تھے۔ جسم گٹھا ہوا اور قد تقریباً پانچ فٹ تھا۔ ٹانگیں تپلی دبلی تھیں اُس کے گھٹنوں کے نچلے حصے کی گولائی بمشکل بارہ انچ تھی اور گھٹنوں کے جوڑ بہت بڑے اور نمایاں تھے۔ اس کا سر بندوق کی گولی کی وضع کا تھا۔ چہرے کی رنگت دھوپ سے جھلس گئی تھی اور اس پر چیچک کے بے شمار داغ تھے۔ ٹھوڑی چھوٹی سی تھی اور دہانے کے گرد کسی قسم کا خم یا لکیر نہ تھی۔ اُس کے دانت بڑے سفید تھے اور آنکھوں میں ہوس کی ایک ایسی چمک تھی جو سانپ کی خصوصیت قرار دی جاتی ہے۔ ماتھے پر جھرّیاں تھیں اور جگہ جگہ سے ہڈیاں بڑے معنی خیز طریقے سے نکلی ہوئی تھیں۔ بالوں کا رنگ ایک زمانے میں ٹمیالا تھا۔ لیکن اب وہ بڑی تیزی سے سفید ہونے جا رہے تھے اور اکثر نوجوان جو ایسے سنجیدہ معاملوں کا بھی مذاق اُڑائے بغیر نہیں رہتے کہا کرتے تھے کہ گراں دے کے تو بال بھی ”سونا اور چاندی“ ہیں۔ اُس کی چوڑی اور بھدی سی ناک پر ایک مسّہ تھا جو اکثر رنگ بدلتا رہتا اور گپ باز لوگ ایک حد تک ٹھیک ہی کہتے تھے کہ اس تبدیلی کا سبب بغض اور کینہ ہوتا تھا۔ اُس کے چہرے سے خطرناک قسم کی مکاری جھلکتی تھی۔ حالانکہ قانون کی رُو سے وہ ایک نہایت ایماندار شخص سمجھا جاتا تھا اُس میں خود غرضی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ دنیا میں صرف دو چیزیں ایسی تھیں جن کی اُسے قدر تھی۔ پہلی چیز تو دولت جمع کرنے کی مسرت اور دوسری اُس کی اکلوتی بچی یوژینی جسے ایک دن اُس کی دولت کا وارث بننا تھا۔ اس کے طور طریقوں اور صورت ہی سے ظاہر تھا کہ اسے اپنے اوپر بہت اعتماد ہے۔ اور یہ اعتماد اس کی مسلسل کامیابی کا لازمی نتیجہ تھا۔ اُس کی بات چیت میں اگرچہ نرمی اور ملائمت ہوتی

لیکن موسیو گراں وسے میں فولاد کی سی سختی تھی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی وضع کے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ ۱۸۱۹ء میں اُس کا بالکل وہی حلیہ تھا جو آج سے اٹھائیس برس پہلے ۱۷۹۱ء میں تھا۔ اُس کے بھاری بھرکم جوتوں میں چمڑے کے تسمے لگے ہوتے اور تمام سال موٹی اونی جرابیں پہنے رہتا۔ اُس کی برجس کتھئی رنگ کے موٹے کپڑے کی ہوتی جس میں چاندی کے بکسوئے لگے ہوتے۔ بھورے رنگ کی مخملی واسکٹ جس پر پیلی دھاریاں پڑی ہوتیں گلے تک بند رہتی اُس کے اوپر وہ کھلے گھیر کا ڈھیلا ڈھالا کوٹ پہنے رہتا۔ گلے میں ایک کالا مفلر پڑا ہوتا۔ اور سر پر ایک چوڑے کنارے والا پادریوں کا سا ہیٹ پہنے رہتا۔ اُسے گھوڑ سواروں کے سے مضبوط دستانے پسند تھے تاکہ زیادہ دن چلیں اور واقعی ایک جوڑا اسے دو سال تک کام دے جاتا۔ صاف ستھرا رکھنے کے لیے وہ اُنہیں ہیٹ کے اوپر رکھ دیا کرتا۔ یہاں تک کہ اب یہ بات ایک عادت بن گئی تھی۔ سومور کے رہنے والوں کو اپنے اس شہری کے بارے میں بس اتنی ہی تفصیلات معلوم تھیں۔

شہر والوں میں سے صرف چھ آدمیوں کو گراں وسے کے ہاں آنے جانے کا حق تھا۔ ان سب میں سے موسیو کروشو کے بھتیجے کو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ جب سے اس نوجوان کو مجسٹریٹ کا عہدہ ملا تھا اُس نے اپنے خاندانی نام کروشو کے آگے "د بوں فوں" کا اضافہ کر لیا تھا۔ اور اُسے امید تھی کہ کچھ عرصے بعد یہ نام اس کے خاندان کے نام پر حاوی ہو جائے گا جسے وہ چھوڑ ہی دینا چاہتا تھا اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بہت کوشاں رہتا تھا۔ اس نے ابھی سے اپنے آپ کو کاؤنٹ د بوں فوں کہلانا شروع کر دیا اور اگر کوئی مقدمے والا عدالت میں غیر ارادی طور پر اُسے موسیو کروشو کہہ کر پکار لیتا تو بہت جلد ہی اُسے نہایت تکلیف دہ صورت میں اس کا احساس دلا دیا جاتا کہ اُس نے بڑی سخت غلطی کی ہے۔

مجسٹریٹ کی عمر کوئی تینتیس سال تھی اور وہ بوّن فوں جاگیر کا مالک تھا جس کی سالانہ آمدنی سات ہزار لیور تھی۔ اس کے علاوہ اُسے اور بہت سی توقعات تھیں یعنی یہ کہ ایک روز اُسے اپنے چچا سرکاری وکیل کی جائداد ملنے والی تھی اور پھر دوسرے چچا جو تور کے ایک ممتاز پادری تھے اُن کی بھی ساری جائداد کا اسے ہی وارث بننا تھا۔ یہ دونوں رشتہ دار کافی دولت مند تھے۔ چنانچہ یہ تینوں کروشو لوگ اپنے چند ایک رشتہ داروں سمیت جو شادیاں ہونے کے سبب کئی ایک خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، شہر میں ایک اچھی خاصی جماعت بنا بیٹھے تھے یعنی جیسے پرانے زمانے میں فلورنس میں میڈی چی لوگوں کا خاندان تھا۔ میڈی چی لوگوں کی طرح کروشو قبیلے کے بھی مخالف موجود تھے۔

مادام دے گراسیں ایک تیئیس سالہ لڑکے کی ماں تھی۔ وہ بڑی باقاعدگی سے گراں دے کے ہاں تاش کھیلنے کے لیے آیا کرتی تھی اور اپنے پیارے بیٹے آدولف کی شادی مادموازیل یوژینی سے رچانے کی فکر میں تھی۔ اُس کی کوشش میں اُس کا خاوند بھی برابر کا شریک تھا اور خفیہ طور پر بڈھے کنجوس کی کئی خدمات بھی انجام دے چکا تھا۔ لہٰذا مادام دے گراسیں کا اس معرکے میں اپنے خاوند سے بہتر ساتھی کون ہو سکتا تھا۔ ان تینوں دے گراسیں لوگوں کی مدد کو بھی اپنے رشتہ داروں اور حمائتیوں پر مشتمل ایک جماعت موجود تھی۔

پادری (جو کروشو گروہ کا لیڈر تھا) اپنے بھائی سرکاری وکیل کی معاونت سے مادام دے گراسیں کے خلاف برابر جدوجہد میں مصروف تھا۔ وہ اس امیر گراں دے کی وارثہ کو اپنے مجسٹریٹ بھتیجے کے لیے حاصل کر لینا چاہتے تھے۔ ان دونوں جماعتوں میں یوژینی گراں دے کے رشتے کے لیے جو کشمکش ہو رہی تھی وہ ایک کھلا راز تھا اور سومور کے لوگ اس میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔ مادموازیل گراں دے کس سے شادی

کرے گی؟ نہ جانے وہ میجسٹریٹ صاحب کو پسند کرے گی یا موسیو اڈولف دے گراسیں کو؟ بعض لوگ تو اس کا حل یہ نکالتے کہ موسیو گراں دے ان دونوں میں سے کسی کو بھی بیٹی نہ دے گا۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ فرانس کے کسی رئیس کو داماد بنانے کی فکر میں ہے اور وہ کسی ایسے رئیس کو تلاش کر رہا ہے جو اُس کی آبائی شراب فروشی کو دو کروڑ کے تین لاکھ لیور کی آمدنی کے لالچ میں آکر اس رشتے کو منظور کرے۔ کچھ لوگوں کو اس رائے سے اختلاف تھا۔ اُن کا کہنا تھا کہ موسیو اور مادام دے گراسیں دونوں اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اُن کے پاس پیسہ بھی بہت ہے اور اڈولف بہت خوبصورت اور اچھے عادات و اطوار کا نوجوان ہے لہٰذا ہر نقطۂ نظر سے یہ رشتہ بہت موزوں ہے۔ البتہ اگر گراں دے کے دماغ میں پوپ کے بھتیجے کو داماد بنانے کا خیال ہو تو اور بات ہے۔ کیونکہ گراں دے کی اپنی حیثیت تو کچھ بھی نہیں۔ سب سومور والے اُسے بڑھئیوں کا سا بسولا ہاتھ میں لئے کام پر جاتے دیکھ چکے تھے اور اس کے علاوہ انقلاب کے زمانے میں وہ جمہوریت پسندوں کے ساتھ بھی تو رہ چکا تھا۔

بعض عقلمندوں کا خیال تھا کہ موسیو کروشو دونوں کی گراں دے کے ہاں زیادہ بے تکلفی ہے اور اس کا حریف تو صرف اتوار کے روز ہی وہاں جاتا ہے۔ مگر پھر اوروں کا کہنا تھا کہ مادام دے گراسیں کی گھر کی عورتوں سے زیادہ دوستی ہے اس لیے وہ ایسی باتیں سجھا سکتی ہے کہ آخر میں اُسی کی کامیابی ہو۔ بعض اس خیال کی تردید یوں کرتے کہ پادری کروشو جدور ہے کا خوشامدی اور چاپلوس ہے۔ اس لیے مادام دے گراسیں اور وہ دونوں ایک ہی ٹکر کے ہیں۔ لہٰذا دونوں کی کامیابی کے موقعے ایک ہی سے ہیں۔

"یہ عورت اور پادری کا مقابلہ ہے" بعض مقامی فقرے باز کہتے۔

چند بڑے بوڑھے جو خاندانی روایات سے واقف تھے وہ کہتے کہ گراں دے لوگ بڑے ہوشیار ہیں، وہ اپنی دولت خاندان سے باہر نہ جانے دیں گے اس لئے ایک نہ ایک دن مادموازیل یوژینی گراں دے کی شادی پیرس میں رہنے والے شراب کے تھوک بیوپاری موسیو گیوم گراں دے کے بیٹے سے ہو گی۔ اس کے جواب میں کروشو اور دے گراسیں لوگوں کے حمائتی کہا کرتے:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں بھائی ایک دوسرے سے پچھلے تیس سال میں شاید دو بار سے زیادہ نہیں ملے۔ دوسرے پیرس والے موسیو گراں دے کے اپنے بیٹے کی ذات سے بڑے ارمان وابستہ ہیں۔ وہ خود بھی نائب اور اپنے محلے کے میئر ہیں اس کے علاوہ نیشنل گارڈ میں کرنل کے عہدے پر فائز ہیں اور تجارتی عدالت کے جج ہیں۔ وہ سومور والے گراں دے خاندان سے کسی قسم کی رشتے داری تسلیم نہیں کرتے اور نپولین کے کسی ڈیوک سے رشتہ داری گانٹھنا چاہتے ہیں۔"

اس گراں دے کی وارثہ کے بارے میں لوگ کیا کچھ نہ کہتے تھے؛ یوژینی کا ذکر گرد و نواح میں ساٹھ ساٹھ میل کے فاصلے پر ہوتا رہتا تھا۔ صرف یہی نہیں۔ سواری لے جانے والی گاڑی میں لوگ آنژے اور بلوا تک اسی کی باتیں کیا کرتے!

سنہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں کروشو لوگوں کو گراسیں خاندان پر ایک شاندار فتح حاصل ہوئی تھی۔ ہوا یوں کہ نوجوان فروآفوں کو پیسے کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا اس نے فروآفوں کی جاگیر جو باغ اور کوٹھی کی وجہ سے بہت مشہور تھی، بیچ ڈالنے کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ بہت سی اراضی، دریا، مچھلیوں کے تالاب اور جنگل بھی تھا۔ اور ان سب کی قیمت تیس لاکھ فرانک تھی۔ موسیو کروشو، مجسٹریٹ کروشو اور پادری کروشو ان تینوں نے مل ملا کر

کوشش کی کہ جاگیر کے حصے بخرے نہ ہونے پائیں۔ سرکاری وکیل نے اپنے مؤکل کے لیے بہت ہی سستا سودا چکایا کیونکہ اُس نے مارکوئیش کو یہ سمجھایا کہ چھوٹے چھوٹے حصے کرکے بیچنے میں قیمت اکٹھی کرنا بجائے خود ایک مصیبت ہو کر رہ جائے گا اور خرچ الگ سے بڑھے گا کیونکہ مختلف قسم کے گاہکوں سے پالا پڑے گا۔ اس کے برخلاف موسیو گراں دے ایک ایسا آدمی ہے جس کی سب عزت کرتے ہیں اور جو فوراً ہی نقد پیسے دے کر سودا چکانے کو تیار ہے۔ اس لیئے موسیو گراں دے کی پیشکش ماننے میں فائدہ ہی رہیگا۔ چنانچہ اس طرح فرواٹوں کی جاگیر کو موسیو گراں دے ہضم کر گیا اور سومور والوں کو زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ ضابطے کی کارروائی مکمل ہونے ہی اس نے قیمت نقد ادا کر دی (یعنی کمیشن کاٹ کر)۔ اس نئے سودے کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ اورلیاں اور نانت میں بھی اس کا چرچا ہونے لگا۔

موسیو گراں دے اپنی کوٹھی دیکھنے گیا۔ دراصل اتفاق سے اُسے ایک اُدھر جاتی ہوئی گاڑی مل گئی۔ چنانچہ اُس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی نئی خرید کی ہوئی جاگیر کا مالک ہونے کی حیثیت سے معائنہ کیا۔ جب وہ سومور واپس آیا تو اُسے یقین ہو چکا تھا کہ اس نئی خرید سے اُسے بآسانی پانچ فی صدی کا منافع ہوا کرے گا۔ پھر اُسے ایک بڑی عمدہ ترکیب سوجھی اور وہ یہ کہ اپنی اراضی کے چھوٹے چھوٹے سب ٹکڑے وہ اسی جاگیر میں ملا کر ایک ہی احاطہ سا کھینچ لیگا۔ فی الحال تو اُسے اپنے قریب قریب خالی خزانے کو پھر سے بھرنے کی فکر تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی چراگاہوں کے پوپلر کھیتوں کے اطراف والے پیڑ اور جنگل کے سب درخت کٹوا کر بیچ ڈالے گا۔

لہٰذا ان تمام تفصیلات کے بعد یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ "موسیو گراں دے کے گھر"

سے کس قسم کی جگہ مراد ہو گی ــــــ وہ ایک سرد، ویران اور اندھیرا گھر تھا جو شہر کے پرلے سرے پر تباہ شدہ فصیلوں کے سامنے میں واقع تھا۔

پھاٹک کے اوپر کی محراب کے دونوں طرف ستون بنے ہوئے تھے۔ ان ستونوں اور پوری عمارت کے بنانے میں ایک سوراخ دار اور بھربھرا سا پتھر استعمال کیا گیا تھا جو دریائے لوآر کے کنارے والے علاقے میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ پتھر اتنا نرم ہوتا ہے کہ مشکل سے دو سو سال چلتا ہے۔ بارش اور کہرے نے سطح میں بہت سے اُلٹے سیدھے سوراخ بنا ڈالے تھے جن کی وجہ سے کچھ عجیب سا تاثر پیدا ہوتا تھا۔ پھاٹک ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی جیل کا دروازہ ہو۔ محراب کے اوپر سخت پتھر میں کچھ سنگ تراشی کا کام تھا جس میں چار موسموں کو انسانی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ چاروں موسم کی ستم ظریفیوں کے باعث گھس گھسا کر دھندلے اور ٹیالے سے ہو گئے تھے۔ اس حصّے کے اوپر باہر کی طرف اُبھری ہوئی کچھ جگہ تھی جہاں اتفاقیہ طور پر بیج گر جانے سے طرح طرح کے پودے اُگ آئے تھے اور ایک بیری کا درخت تو خاصا بڑا ہو گیا تھا۔

بڑا دروازہ گہرے رنگ کے شاہ بلوط کی لکڑی سے بنا ہوا تھا جس پر سکڑنے کی وجہ سے بہت سی دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ اگرچہ یہ بہت کمزور سا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی لکڑی میں بہت سی موٹے موٹے سروں والی لوہے کی کیلیں ترتیب وار ٹھونک کر اسے مضبوط کر دیا گیا تھا۔ بیچ میں ایک چھوٹا سا چوکور جنگلا تھا جس میں بہت سی زنگ آلودہ سلاخیں لگی تھیں۔ جنگلے کے اُوپر ایک ہتھوڑا سا لٹک رہا تھا جس سے دروازہ کھٹکھٹانے کا کام لیا جاتا تھا۔ اگر آثارِ قدیمہ کا کوئی محقق اس کا بغور معائنہ کرتا تو اُسے اس میں

ایک عجیب قسم کے انسانی سر کے آثار ملتے۔ دراصل ایک زمانے میں یہ مسخرے کا سر تھا لیکن بہت زیادہ استعمال کے باعث مسخرے کے خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ چھوٹا سا جھنگلہ خانہ جنگی کے زمانے میں لگوایا گیا تھا تاکہ گھر والے آنے والے دوستوں کو اندر بلانے کے لئے دروازہ کھولنے سے پہلے پہچان لیں۔ لیکن اب تو آنے والوں کی منتظر انہ لگا ہوں کو رسیلی ہوئی افسردہ سی ڈیوڑھی اور ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں والا زینہ نظر آتا تھا جو خوبصورت باغ کی طرف جاتا تھا جس کے چاروں طرف موٹی موٹی دیواریں کھنچی ہوئی تھیں جن میں سے نمی رستی رہتی تھی۔ اردگرد پھیلی پڑی ہوئی جھاڑیوں کی باڑ تھی۔ یہ دیواریں پرانی قلعہ بندیوں کا حصہ تھیں اور فصیلوں کے پرلی طرف باغ تھے جو پاس پڑوس کے مکان والوں کی ملکیت تھے۔

پھاٹک والی محراب کے نیچے ایک دروازہ تھا جو ایک بڑی نشستگاہ میں کھلتا تھا۔ نچلے حصے میں یہ سب سے بڑا کمرہ تھا بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ آن ترہ، بیری اور تورین کے چھوٹے چھوٹے شہروں میں اس کمرے کی اہمیت کیا ہے۔ یہ نشستگاہ بیک وقت ہال، بیٹھک، مطالعے کا کمرہ اور خلوت خانہ سبھی کچھ ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسا سٹیج ہوتا ہے جہاں گھریلو زندگی کا پورا ڈرامہ کھیلا جاتا ہے۔ یہ کمرہ گھر کے دائرے کا مرکز ہوتا ہے۔ یہیں چھ مہینے میں ایک بار حجام موسیو گراں وسے کے بال کاٹنے آیا کرتا تھا۔ کرائے دار، گرجے کے پادری، مل والوں کا لڑکا ہر ایک کو اسی کمرے میں بٹھایا جاتا تھا۔ اس میں دو کھڑکیاں تھیں جو سڑک کی طرف کھلتی تھیں۔ فرش پر لکڑی کے تختے بچھے ہوئے تھے۔ دیواروں پر فرش سے لے کر چھت تک لکڑی لگی تھی جس پر کھدائی کا کام تھا اور اس پر بھورے رنگ کا پالش کیا ہوا تھا۔ شہتیر اندر سے دکھائی دیتے تھے اور ان پر بھی بھورا ہی رنگ پھرا ہوا تھا۔ بیچ کی جگہوں میں کیا ہوا پلستر زرد پڑ گیا تھا۔

آتشدان سفید پتھر کا تھا جس پر بھدی بھدی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔اس آتشدان پر گھڑی کا ایک پرانا تانبے کا صندوقچہ رکھا تھا جس پر کچھوے کی ہڈی سے مینا کاری کی ہوئی تھی۔اُس کے اوپر ایک سبز سے رنگ کا شیشہ ٹنگا تھا جس کے کنارے ڈھلان کی طرح کٹے ہوئے تھے تاکہ شیشے کی چوڑائی کا اندازہ ہو سکے۔اس پر عکس پڑنے کے سبب کمرے میں رنگدار روشنی کی ہلکی سی لکیر آجاتی تھی اور یہی روشنی دوسری دیوار پر ٹنگے ہوئے دمشقی فولاد کے شیشے پر پڑتی تھی۔

ٹہنیوں کی شکل کے چمکدار تانبے کے دو شمعدان انگیٹھی پر دونوں طرف رکھے ہوئے تھے جن سے دو کام نکلتے تھے۔ٹہنیوں کے ساتھ لگے ہوئے گلاب کے پھول موم بتی رکھنے کا کام دیتے تھے لیکن ان کو نکالا بھی جا سکتا تھا اور بیچ کی موٹی ٹہنی کو نیلے سنگ مرمر کے سٹینڈ پر رکھی ہوئی پُرانی سی تانبے کی ایک چیز میں اٹکا کر عام دنوں میں موم بتی روشن کر دی جاتی تھی۔

پُرانی وضع کی کرسیوں پر جو کپڑا منڈھا ہوا تھا اُس پر لافونتین کی کہانیوں کی تصویریں بنی تھیں لیکن ان کو سمجھنے کے لیے مصنف سے پوری طرح واقفیت ہونا ضروری تھی۔ کیونکہ رنگ بہت بُری طرح سے بگڑ چکے تھے اور کئی بار رفو ہو چکنے کے باعث شکلوں کا خاکہ مشکل دکھائی دیتا تھا۔کمرے کے چاروں کونوں میں میزیں رکھی تھیں اُن میں سے ہر میز کے نیچے گندے خانوں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔دونوں کھڑکیوں کی درمیانی جگہ میں ایک پُرانی سی تاش کھیلنے کی میز پڑی تھی جسکے اوپر شطرنج کی بساط بھی بنی ہوئی تھی۔اس میز کے اوپر دیوار پر کالی لکڑی میں جڑا ہوا ایک مقیاس الحرارت ٹنگ رہا تھا جس کے نیچے ریشم پر فیتوں کا گچھا کھدا ہوا تھا۔کسی زمانے میں ان فیتوں پر ملمع تھا لیکن مکھیوں نے

نسل درنسل اس کی چمک کو زائل کر دیا تھا یہاں تک کہ اُس کا وجود ایک معمہ سا بن کر رہ گیا تھا۔ آتشدان کے سامنے والی دیوار پر دو رنگدار تصویریں ٹنگی تھیں۔ ایک کو تو سمجھا جاتا تھا کہ یہ مادام گراں دے کے دادا موسیو ولا بارنیلیئر کی تصویر ہے جو فوج میں لفٹیننٹ تھے۔ اور دوسری مرحومہ مادام ثراں تے پے کی تصویر تھی جنہوں نے چرواہوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ کھڑکیوں میں قرمزی رنگ کے پردے لگے تھے جنہیں ریشمی ڈوریوں سے پچھلی طرف باندھ رکھا تھا۔ ان ڈوریوں میں بڑے بڑے پھندنے لگے ہوئے تھے۔ یہ پُرتکلف پردے گراں دے لوگوں کی عادات و اطوار سے ذرا بھی مطابقت نہ رکھتے تھے۔ دراصل یہ سب چیزیں اُنہیں گھر خریدتے وقت اس کے ساتھ ملی تھیں۔ اسی طرح وہ آئینہ، پیتل کی گھڑی، کپڑا چڑھی ہوئی کرسیاں اور کونے میں رکھی ہوئی میزیں بھی اُن کے ہاتھ لگی تھیں۔ پرلی کھڑکی کے پاس تنکوں کے گدے والی کرسی بچھی تھی جسے لکڑی کے تختوں پر رکھا گیا تھا تاکہ مادام گراں دے بیٹھی بیٹھی سڑک پر سے گزرنے والے لوگوں کو دیکھ سکے۔ دوسری کھڑکی کے سامنے کام کرنے کی میز رکھی تھی جو روشنی پڑتے رہنے کی وجہ سے دھندلی پڑ گئی تھی اور اُس کا رنگ بھی اُتر گیا تھا۔ اس کے قریب ہی یوژینی گراں دے کی چھوٹی سی بازوؤں والی کرسی پڑی تھی۔

ان دونوں، ماں بیٹی کی زندگی پندرہ سال سے بڑے پُرسکون انداز میں گزرے جا رہی تھی۔ اپریل کے مہینے سے لے کر نومبر تک وہ کھڑکیوں کے سامنے بیٹھی کام کرتی رہتیں لیکن دسمبر کے پہلے ہی دن سے وہ اپنا کام سنبھالے آگ کے قریب آ بیٹھتیں اور پھر سردیوں بھر وہیں ان کی جگہیں مقرر ہو جاتیں۔ گراں دے اس تاریخ سے پہلے کبھی کمرے میں آگ جلانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اور نہ اکتیس ۳۱ مارچ کے بعد

آگ جلانے کا حکم تھا چاہے موسم بہار یا خزاں کے دنوں میں کتنی ہی سردی کیوں نہ پڑے۔ لمبی ناآنوں چوری چھپے باورچی خانے کی آگ میں سے جلتی بلتی راکھ انگیٹھی میں بھر لاتی اور اس طرح اکتوبر اور اپریل کی راتیں مادام اور مادموازیل گراں دے کے لیے ذرا قابلِ برداشت ہو جاتی تھیں۔ گھر بھر کے کپڑوں کی مرمت ان ماں بیٹی کو کرنا پڑتی تھی اور وہ اتنی مستعدی سے اپنا سارا دن اس فرض کی نذر کر دیتیں (جو یقیناً کوئی آسان کام نہیں تھا) کہ اگر یوژینی اپنی ماں کے کالر پر کڑھائی کرنا چاہتی تو اسے اپنی نیند میں سے وقت نکال کر یہ کام کرنا پڑتا اور پھر روشنی میں یہ کام کرنے کے لیے اسے طرح طرح کے بہانے بنا کر باپ سے موم بتی لینا پڑتی۔ بہت دن سے گراں دے کی یہی عادت تھی۔ جس طرح روٹی اور گھر کی ضروریات وہ روزانہ نکال کر دیا کرتا تھا۔ اسی طرح ناآنوں اور اپنی بیٹی کو بتیاں دیتا۔

شاید لمبی ناآنوں ہی ایک ایسی ملازمہ تھی جو اپنے مالک کے اس جابرانہ رویے کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتی تھی اور اس خوش قسمتی پر شہر بھر کے لوگ موسیو اور مادام گراں دے پر رشک کرتے تھے۔ "لمبی ناآنوں" کو یہ خطاب اس لیے ملا کہ وہ پانچ فٹ ۸ انچ لمبی تھی۔ وہ گراں دے کے گھر میں پچھلے پینتیس سال سے کام کر رہی تھی۔ سومور بھر میں وہ سب سے امیر ملازمہ سمجھی جاتی تھی حالانکہ سال بھر میں اسے صرف ستر لیوہی بطور تنخواہ ملتے تھے۔ یہ ستر لیور پچھلے پینتیس سال سے جمع ہوتے رہے تھے اور حال ہی میں ناآنوں نے چار ہزار لیور موسیو کروشو کو دیئے تھے کہ وہ انہیں کسی ایسی جگہ لگا دے جہاں سے اسے سالانہ وظیفہ ملتا رہے۔ اتنے عرصے کی کفایت شعاری کا یہ نتیجہ تخیل کے لیے بڑا اثر انگیز تھا۔ یہ سرمایہ بہت زبردست معلوم ہوتا تھا۔ سارے سومور میں کوئی نوکرانی ایسی نہ تھی جسے اس غریب عورت پر رشک نہ آتا ہو جو ساٹھ سال کی ہونے تک

اتنی دولت جمع کر سکی تھی کہ بڑھاپے میں اسے کسی کی محتاجی نہ رہے۔ لیکن کسی کو یہ خیال نہ آتا کہ اس پونجی کے اکٹھا کرنے میں اسے کتنی سختیاں اٹھانا پڑی تھیں۔ پینتیس برس پہلے جب نانوں ایک گھریلو قسم کی بھدّے سے خد وخال والی، بائیس سالہ لڑکی تھی تو اُسے کہیں بھی نوکری نہ مل سکی تھی کیونکہ اس کی شکل ہر جگہ راہ میں حائل ہوتی تھی۔ بیچاری نانوں! یہ واقعی بڑی تکلیف دہ چیز تھی۔ اگر اُس کا سر کسی بڑے ڈیل ڈول والے سپاہی کے کندھوں پر رکھ دیا جاتا تو نہایت موزوں معلوم ہوتا۔ ہر چیز میں ایک مناسبت ہونی لازمی ہے لیکن نانوں کی خوبصورتی بڑی ہی غیر موزوں قسم کی تھی۔ کچھ عرصے تک وہ ایک کسان کے یہاں بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال کرتی رہی تھی۔ لیکن آخر وہاں آگ لگ گئی اور پھر وہ اپنی مردانہ ہمت کے بل پر جو کسی بات سے نہیں جھجکتی وہاں سے نوکری کی تلاش میں سومور تک آنکلی۔

اس وقت موسیو گراں دے شادی کرنے کی فکر میں تھا۔ اور اس لیے ابھی سے گھر بنانا چاہتا تھا۔ یہ لڑکی جو در در سے ٹھکرائی جا رہی تھی اس کی بھی نظر سے گزری۔ وہ ٹین ساز تھا اس لیے جسمانی طاقت کا اُسے بخوبی اندازہ تھا۔ اُس نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ پہلوان قسم کی عورت بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ یہ بڑی مضبوط قسم کی عورت تھی جو اپنے پیروں پر اس طرح جم کے کھڑی ہوتی تھی جیسے شاہ بلوط کا درخت اُس زمین میں جہاں وہ دو پشتوں سے بڑھ رہا ہو۔ وہ چوڑے چکلے کندھوں، بڑے بڑے کولھوں اور کسانوں جیسے مضبوط ہاتھوں کی عورت تھی جس کی ایمانداری اور نیکی میں کسی قسم کا شک کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ گراں دے اس کے سپاہیانہ ڈیل ڈول اور بھدّے قسم کے ایک دو مسّوں، جلی ہوئی مٹی کی سی رنگت اور نسیلے بازوؤں سے ذرا بھی نہ گھبرایا اور نہ ٹین ساز

کو نانوں کے چیتھڑوں ہی نے ہراساں کیا کیونکہ اُس وقت تک اس کا دل مفلسوں کی طرف سے اتنا سخت نہ ہوا تھا۔ اُس نے غریب لڑکی کو نوکر رکھ لیا، اُسے کھانا دیا، کپڑے اور جوتے پہنائے اور پیسے بھی دیئے۔ نانوں کے لیے اپنی مصیبت بھری زندگی ناقابلِ برداشت نہ رہی۔ بلکہ اُس نے تو اس نیک سلوک پر چپکے چپکے خوشی کے آنسو بہائے۔ اُسے اپنے مالک سے عقیدت سی ہوگئی جو اُس سے اتنا ہی کام کرانا چاہتا تھا جتنا پہلے زمانے میں جاگیردار اپنے غلاموں سے لیا کرتے تھے۔

نانوں گھر کا سارا کام کیا کرتی تھی۔ وہ کھانا پکاتی، کپڑے دھوتی، سارے کپڑے دریائے لوآز تک لے کر جاتی اور پھر اپنے کندھوں پر رکھ کے واپس لاتی۔ وہ صبح سویرے ہی اُٹھ بیٹھتی اور رات کو دیر سے سونے کے لئے لیٹتی۔ یہ وہی تھی جو بغیر کسی کی مدد کے موسمِ خزاں میں انگوروں کے کھیت میں کام کرنے والوں کا کھانا پکایا کرتی اور پھر بازار کے لوگوں کا بھی بڑی ہوشیاری سے خیال رکھتی۔ وہ اپنے مالک کی چیزوں کی ایک وفادار کُتے کی طرح نگرانی کرتی۔ اور ایک اندھی عقیدت کے ساتھ اُس کے سخت سے سخت احکامات چون و چرا کیئے بغیر مان لیا کرتی۔ اُس کی ہر اُلٹی سیدھی بات نانوں کے لئے قانون سے کم نہ ہوتی تھی۔

بتیس برس کی نوکری کے بعد ۱۸۱۱ء کے مشہور سال میں جب بڑی محنت اور جانفشانی سے انگور کی فصل اکٹھی کی گئی تھی، گراں دے نے نانوں کو اپنی پرانی گھڑی بطور تحفہ پیش کی اور یہی ایک چیز تھی جو عمر بھر میں نانوں کو اپنے مالک سے ملی تھی۔ ویسے تو وہ اکثر اُس کے پرانے جوتوں کو اُلٹا کر پہنا کرتی تھی (جو بالکل اُس کے ناپ کے ہوتے تھے) لیکن عموماً وہ اس قدر گھس چکے تھے کہ کسی اور کے کام ہی نہ آسکتے تھے، اس لیے اُن کا

شمار تحفے میں نہیں ہو سکتا۔ ضرورت نے اس غریب لڑکی کو اتنا محتاج کر دیا تھا کہ آخر کار گرآں دسے کو اُس سے خاصا لگاؤ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے اتنی ہی شفقت کے ساتھ پیش آتا جتنی آدمی اپنے کُتے کے ساتھ برتتا ہے۔ جہاں تک نانوں کا تعلق ہے وہ بڑی خوشی کے ساتھ غلامی کا یہ طوق پہنے ہوئے تھی اور اس میں جڑی ہوئی کیلوں کا اب اُسے احساس تک نہ رہا تھا۔ اگر گرآں دسے اُس کی خوراک میں کمی بھی کر دیتا تو وہ شکایت نہ کرتی۔ گو کھانے پینے کے سلسلے میں خاصی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن نانوں کو اس کی چنداں پروا نہ تھی۔ اُس کی صحت بہت اچھی تھی اور گھر بھر میں کسی قسم کی بیماری نہیں تھی۔

اور پھر نانوں اس خاندان کے ایک فرد کی سی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ ہر حالت میں گرآں دسے کی شریک تھی۔ جس وقت وہ ہنستا یہ بھی ہنس دیتی اور جب کبھی وہ افسردہ یا پریشان ہوتا تو یہ بھی اُداس ہو جاتی۔ یہاں تک کہ موسم کے بارے میں بھی اُس کا وہی خیال ہوتا جو گرآں دسے کا ــــ یہ اُس کے ساتھ مل کر اُسی کی خاطر کام کیا کرتی۔ اس قسم کی مساوات زندگی کی بہت سی مشکلات کی تلخی کو شیریں بنا دیتی تھی۔ جب کبھی وہ انگوروں کے باغیچے میں جاتی تو اُس کا مالک اُسے کسی بات سے نہ ٹوکتا۔ انگور کی قطاروں کے بیچ میں اُگے ہوئے درختوں سے وہ آلوچے، آڑو وغیرہ توڑ کر کھا سکتی تھی۔ "آؤ نانوں، جی بھر کے پھل کھاؤ" وہ اس سے کہتا۔ یہ ایسا وقت ہوتا تھا کہ جب درختوں کی ٹہنیاں پھلوں کے بوجھ سے جھکی پڑتی تھیں اور پھلوں کی اتنی کثرت ہوتی کہ آس پاس کے کسان مجبوراً انہیں اپنے سؤروں کو کھلا دیا کرتے تھے۔

چنانچہ اس کھیتوں میں کام کرنے والی لڑکی کے لیے جسے بچپن سے ہی سختیاں برداشت

کرنے کے علاوہ کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی تھی اور جس پر ترس کھا کے اُسے بھوکوں مرنے سے بچا لیا گیا تھا، بڈھے گراں دسے کی مبہم سی ہنسی بھی ایک سنہری کرن سے کم نہ تھی۔ پھر اس کے علاوہ نانوں جیسی سادہ طبیعت لڑکی کے ذہن میں ایک وقت میں بس ایک ہی خیال سما سکتا تھا۔ پینتیس سال سے اُس کے دماغ میں ایک ہی تصویر نقش تھی۔

وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ننگے پیر، چیتھڑوں میں ملبوس ہو سیو گراں دسے کی لکڑیوں کی ٹال کے دروازے کے سامنے کھڑا دیکھتی اور ٹین ساز کو یہ کہتے ہوئے سنتی "لڑکی! کیا بات ہے؟" اور یہ سوچ کر پہلے دن کی طرح آج بھی اُس کا دل اُسی گرمجوشی اور احسان مندی کے جذبے سے لبریز ہو جاتا۔ جب کبھی گراں دسے اس کی طرف دیکھتا تو وہ سوچا کرتا کہ اس غریب لڑکی کو کبھی تعریفی کلمات سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور جن محبت بھرے جذبات کے لئے عورت بے چین رہتی ہے ان سب کا اس کی زندگی میں کوئی وجود ہی نہیں ہے اور پھر اُسے خیال آتا بہت ممکن ہے کسی روز یہ کنواری مریم کی طرح معصوم اور بے گناہ خدا کے دربار میں پہنچ جائے۔ ایسے موقعوں پر گراں دسے کو اس پر بڑا رحم آتا اور وہ کہہ اٹھتا "بے چاری نانوں!"

یہ لفظ مش کہہ پرانی تھا۔ وہ اُس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھتی جنہیں بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ وقتاً فوقتاً دہرائے جانے والے الفاظ دوستی کی کبھی نہ ٹوٹنے والی زنجیر میں نئی کڑیوں کی طرح ٹنک کر رہ جاتے۔ لیکن کنجوس گراں دسے کی یہ رحمدلی جو اس تنہا عورت کی زندگی میں خوشی کی لہر دوڑا دیتی تھی، ایک لحاظ سے نہایت ہی نفرت انگیز چیز تھی۔ یہ بڑی ہی سنگدلانہ قسم کی ہمدردی تھی جو ٹین ساز کے دل میں پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کے اظہار میں اُس کا کچھ بھی تو نہ بگڑتا تھا۔ لیکن نانوں کے لیے یہ خوشی کی انتہا ہوتی!

بےچاری نانوں کی سی لفظی ہمدردی کون نہیں جتا سکتا تھا۔ خدا ایک روز اپنے فرشتوں اور نیک بندوں کو اُن کی آوازوں اور دل میں بسے ہوئے غموں کی وجہ سے پہچانے گا۔

سوم میں بہت سے گھر ایسے تھے جہاں نوکروں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود مالکوں کو اُس کے بدلے میں بہت کم آرام ملتا تھا، چنانچہ لوگ اکثر کہا کرتے "معلوم نہیں کہ ان دسے لوگوں نے لمبی نانوں پر کیا جادو کر دیا ہے کہ وہ اُن پر جان چھڑکتی ہے؛ اُن کی خاطر تو وہ دُنیا جہان کی مصیبتیں برداشت کرنے کو تیار ہے!"

اُس کا باورچی خانہ جس کی سلاخ دار کھڑکیاں باہر صحن میں کھلتی تھیں ہمیشہ صاف ستھرا اور سرد پڑا رہتا تھا۔ یہ صحیح معنوں میں ایک کنجوس کا باورچی خانہ تھا جہاں کوئی چیز بھی ضائع نہیں ہونے دی جاتی تھی۔ نانوں پلیٹیں اور دوسرے برتن دھو دُھلا کر، بچا ہوا کھانا نعمت خانے میں رکھ کر، آگ بجھا کر باورچی خانے سے نکلتی (باورچی خانے اور کھانے کے کمرے کے درمیان صرف ایک چھوٹا سا راستہ حائل تھا) اور پھر روئی کاتنے کے لیے اپنی مالکوں کے پاس جا بیٹھتی کیونکہ پوری شام کے لئے گھر بھر کے استعمال کے واسطے صرف ایک ہی بتی جلائی جاتی تھی۔ خادمہ راستے کے ایک طرف والی چھوٹی سی اندھیری کوٹھری میں سویا کرتی تھی جہاں اسی کمرے کی بتی سے تھوڑی بہت روشنی پہنچ جایا کرتی تھی۔ نانوں کی صحت بڑی اچھی تھی۔ اور اُس کے جسم میں لوہے کی سی سختی تھی اور یہی وجہ تھی کہ بلا کسی نقصان کے وہ سالہا سال سے اس کال کوٹھری میں سوتی آئی تھی۔ یہاں لیٹے لیٹے وہ گھر بھر پر دن رات چھائے رہنے والی گہری خاموشی میں چھوٹی سے چھوٹی آواز بھی سن لیتی تھی۔ وہ بالکل پہرہ دینے والے کُتے کی طرح لیٹتی جس کا ایک کان ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ وہ سوتے ہوئے بھی کبھی اپنے فرض سے غافل نہیں ہوتی تھی۔

مکان کے دوسرے حصّوں کی تفصیلات تو کہانی میں بعد کے واقعات کے لیے ضروری ہونگی لیکن نشستگاہ، جو گھر کی کل کہما کہمی کا مرکز تھی اُس کا کچھ حال تو بیان کیا جا چکا ہے۔ بالائی کمروں کی ویرانی اور اجاڑپن کا فی الحال اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۸۱۹ء میں نومبر کے وسط کا ذکر ہے کہ کمرے میں دھندلی سی روشنی چھائی ہوئی تھی اور لمبی تانوں پہلی بار نشستگاہ میں آگ روشن کر رہی تھی۔ کروشو اور دے گراسین لوگوں کے لیے یہ بڑا اہم دن تھا۔ چنانچہ یہ چھ حریف بڑے اہتمام سے سرتاپا لیس ہو کر گھر سے نکلے کیونکہ دوستی کا ثبوت دینے کے لیے وہ آج ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی ٹکر میں تھے۔ گراں دے کی نشستگاہ میدانِ کارزار بننے والی تھی۔ اس دن صبح کے وقت مادام اور مادموازیل گراں دے نانوں سمیت گرجے میں دعا کے لیے گئی تھیں۔ سومور کے سب لوگوں نے انہیں جاتے دیکھا تھا اور ہر کسی کو یاد آگیا تھا کہ آج یوژینی کی سالگرہ ہے۔ موسیو کروشو، پادری کروشو اور موسیو دے بوں فوں تینوں نے طے کر لیا تھا کہ جونہی کھانے کا وقت ختم ہو وہ گراں دے کے ہاں پہنچ جائیں اور گراسین لوگوں سے پہلے جا کر مادموازیل گراں دے کو مبارکباد دیں۔ ان تینوں نے اپنے باغ میں سے اکٹھے کئے ہوئے پھولوں کے بہت بڑے بڑے گلدستے ہاتھوں میں لے رکھے تھے۔ لیکن مجسٹریٹ کے گلدستے میں بڑی ہوشیاری سے ایک سفید ساٹن کا ربن باندھ دیا گیا تھا جس میں گوٹے کی جھالر بھی لگی تھی۔

موسیو گراں دے سویرے سے ہی یوژینی کے کمرے میں گیا جو ابھی بستر سے بھی نہ اُٹھی تھی اور بڑے پیار سے ایک نایاب سنہری سکّہ اُسے دیا۔ اُس کے باپ کی عادت تھی کہ سال میں دو دفعہ اُسے ایسے تحفے دے کر ہکا بکا چھوڑ جاتا تھا۔ ایک تو اُس کی سالگرہ کے دن اور دوسرے اُس کے مربّی ولی کی یادگار والے دن۔ مادام گراں دے

موسم اور حالات کے لحاظ سے اُسے گرمیوں یا سردیوں کا لباس دیا کرتی تھی۔ دو جوڑے کپڑوں کے اور دو سنہری سکے جو اُسے اپنے باپ کی سالگرہ اور نئے سال پر ملتے، ان سب کو ملا کر اس کی سالانہ آمدنی تقریباً سو کراؤن بنتی تھی۔ گرانڈے کو اس کے پاس اتنے پیسے جمع ہوتے دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی۔ اُس کا پیسہ کہیں جاتا تو تھا ہی نہیں۔ اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے اُس نے پیسے ایک صندوقچے میں سے نکال کر دوسرے میں ڈال دیئے ہوں۔ اور پھر اس طریقے سے وہ اپنی وارثہ کے دل میں روپے کی قدر بھی تو پیدا کر رہا تھا تاکہ اُسے اس معاملے میں بڑی مناسب تربیت مل رہی تھی۔ گاہے گاہے وہ یوژینی سے اس کی دولت کا حساب لیتا رہتا تھا (جو پہلے ہی لا بارتیلیئر کے تحفوں کے باعث کافی زیادہ ہو چکی تھی)۔ اور جب کبھی وہ ایسا کرتا تو بیٹی سے کہتا "جب تمہاری شادی ہوگی تو یہ دولت "درجن" کا کام دے گی"۔

پرانے زمانے کا ایک رواج ہے جو آج تک اسی جوش و خروش سے نبھایا جاتا ہے اور وسطی فرانس کے بہت سے قصبوں میں تو اب تک اس کی حیثیت مذہبی رسم کی سی ہے۔ بیری اور آن ژو میں دستور ہے کہ جب بیٹی کی شادی کی جاتی ہے تو لڑکی کے والدین یا اُس کے سسرال والوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اُسے ایک بٹوہ دیں جس میں ایک درجن یا بارہ درجن یا بارہ سو سونے یا چاندی کے سکے پڑے ہوں۔ یہ تعداد خاندان کی حیثیت پر منحصر ہوتی ہے۔ غریب سے غریب لڑکی کو بھی شادی کے وقت اس "درجن" کے بغیر چین نہیں آتا، خواہ جہیز میں اُسے بارہ پنس ہی کیوں نہ ملیں۔

اسودون میں آج تک ایک قصہ چلا آتا ہے کہ ایک امیر وارثہ کو "درجن" کے سلسلے میں ایک سو چالیس پرتگالی اشرفیاں ملی تھیں۔ اور جب کیتھرین دے میڈیچی کی

شادی ہنری دوئم سے ہوئی تھی تو اُس کے چچا کلیمنٹ ہفتم نے دُلہن کو ایک درجن پُرانے تمغے دیئے تھے جن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

یوژینی نے رات کے کھانے پر اپنا نیا لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ معمول سے زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا باپ بھی بے حد خوش تھا۔

"کمرے میں آگ جلا دو" وہ پکارا "آج یوژینی کی سالگرہ ہے۔ یہ اچھا شگون رہے گا۔"

"آپ دیکھ لیجئے گا، اس سال کے اندر اندر بی بی کی شادی ہو جائے گی۔" نانون نے بچے ہوئے بطخ کے گوشت کی رکابیاں سرکاتے ہوئے کہا۔ سومور کے ٹین سازوں کے لیے بطخ کا گوشت من وسلویٰ کے برابر تھا۔

"میرے خیال سے تو سومور بھر میں کوئی لڑکا یوژینی کے لائق نہیں۔" مادام گراں دے نے اپنے خاوند پر ایک سہمی سہمی نظر ڈالتے ہوئے کہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میاں کی سختی نے بیچاری عورت کی روح کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ گراں دے نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور کھلکھلاتے ہوئے بولا "ہاں، واقعی اب ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے۔ آج ہماری بچی تیئیس سال کی ہو گئی۔"

یوژینی اور اس کی ماں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور خاموش رہیں۔ انہوں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں مطلب سمجھ لیا۔

مادام گراں دے کا جھریوں دار چہرہ دبلا پتلا اور زعفران کی طرح زرد تھا۔ وہ بڑی شکستہ اور بے ڈھنگی سی تھی۔ وہ ان ہستیوں میں سے تھی جو محض سختیاں برداشت کرنے کے لیے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی ہڈی چوڑی تھی۔ ناک لانبی، موٹی موٹی آنکھیں، کشادہ

پشیانی۔ پہلی بار دیکھنے میں وہ بالکل خشک اور پچھے ہوئے پھل کی طرح لگتی تھی تھوڑے بہت جو دانت باقی تھے وہ کالے اور بدرنگ ہو چکے تھے۔ منہ کے گرد گہری لکیریں پڑ گئی تھیں اس کی ٹھوڑی پن کُٹی کی وضع کی تھی۔ وہ نہایت نیک عورت تھی اور صحیح معنوں میں لاباریلیئر خاندان کی رکن معلوم ہوتی تھی۔ پادری کردشو نے اُسے کئی بار بتایا تھا کہ جوانی میں وہ ایسی بُری نہ لگتی تھی اور مادام کو بھی اس سے اختلاف نہ تھا۔ اس کے مزاج کی معصومانہ شیرینی ظالم بچوں کے ہاتھوں میں کیڑوں کی سی مسکینی، پرخلوص خدا ترسی، رحمدلی اور بردبار طبیعت جس میں کسی بات سے بھی کمی یا تلخی آہی نہ سکتی تھی۔ اِن صفات کی وجہ سے سب لوگ اس سے ہمدردی رکھتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔

اس کی صورت دیکھ کر اگرچہ ہنسی آتی تھی لیکن وہ اپنے خاوند کے لئے کوئی تین لاکھ فرانک کی رقم جہیز اور ترکے میں لائی تھی۔ اس کے باوجود گرانڈے اُسے جیب خرچ کے لئے چھ فرانک سے زیادہ کبھی نہ دیتا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے آپ کو میاں کا محتاج سمجھتی تھی۔ اپنے مزاج کی فطری نرمی کے سبب سے اُس نے خاوند کی سختی اور ظلم کے خلاف کبھی احتجاج نہ کیا تھا لیکن اپنے درجے کی کمتری کا احساس اُسے اس قدر تھا کہ اپنی زبان سے اُس نے کبھی ایک پیسہ بھی نہ مانگا تھا، اور جب موسیو گرانڈے اُس سے کسی دستاویز پر دستخط کرنے کا مطالبہ کرتا تو وہ بلا کچھ کہے ہمیشہ اس پر دستخط کر دیتی۔ یہ احساس مندی یا احمقانہ غرور جسے گرانڈے بے سوچے سمجھے برابر چرکے لگاتا رہتا تھا، اور یہ بلند ہمتی جسے وہ سمجھ ہی نہ سکتا تھا ـــــ یہ چیزیں مادام گرانڈے کے ممتاز خصائل میں سے تھیں۔

اُس کے لباس میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ ایک مٹیالے سے سبز رنگ کا گاؤن پہنے رہتی جو عموماً بارہ مہینے چلتا تھا۔ ایک بڑا سا سوتی رومال اس کے گلے میں بندھا

رہتا۔ سر پر تنکوں کی ٹوپی پہنتی اور ایک کالا ریشمی ایپرن اس کے لباس کا ضروری حصّہ ہوتا۔ وہ گھر سے اس قدر کم نکلتی تھی کہ باہر کے استعمال والے جوتے کبھی ٹوٹنے ہی میں نہ آتے۔ در اصل اس کی ضروریات بہت ہی قلیل تھیں۔ اپنے لئے کبھی اسے کسی چیز کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔ بعض اوقات گراں دے کو خود ہی خیال آتا کہ مدت ہوئی میں نے اپنی بیوی کو کچھ فرانک دیئے تھے اور پھر اس کا ضمیر اُسے قدرے ملامت کرتا۔ لہٰذا انگوروں کی فصل کے موقع پر جب وہ شراب بیچتا تو سودا پکا لینے کے بعد تھوڑے سے پیسے اوپر سے بیوی کے لیے مانگتا۔ چنانچہ مادام گراں دے کو سال میں اگر کسی آمدنی کا یقین ہوتا تو بلجیم اور ہالینڈ کے سوداگروں کی جیب سے نکلے ہوئے ان چار پانچ سکّوں کا۔ لیکن یہ پانچ لوئی مل جانے کے بعد اکثر اس کا خاوند اس سے کہتا "کیا تم مجھے کچھ پیسے قرض دے سکو گی؟" جیسے کہ میاں بیوی کا حساب ایک ہی جگہ ہو۔ اور وہ بیچاری عورت اسی میں خوش ہو جاتی کہ جس آدمی کو پادری نے آقا سمجھنے کو کہا ہے وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی ہے۔ اور اس طرح ہر سردیوں میں وہ اپنی تھوڑی سی پونجی میں سے تقریباً ایک کراؤن اس کے حوالے کر دیا کرتی۔ ہر مہینے جب گراں دے اپنی بیٹی کو سوئی، تاگے اور لباس کے چھوٹے موٹے اخراجات کے لیے پانچ فرانک کا ایک سکّہ دیتا تو جیب کو بٹن لگا چکنے کے بعد بیوی سے پوچھتا "اچھا اب تم بتاؤ، یوژینی کی ماں! کیا تمہیں کچھ ضرورت ہے؟" اور مادام گراں دے ماں کے سے وقار کے ساتھ جواب دیتی "خیر، دیکھا جائے گا"۔

مادام کی فیاضی کا گراں دے پر قطعاً اثر نہ ہوتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں اپنی بیوی سے بہت اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔ کوئی فلسفی نانون، مادام گراں دے اور یوژینی جیسی

ہستیوں کے بارے میں سوچے تو اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کائنات کا خالق پکا طنز نگار ہے اور اس فلسفی کے اخذ کردہ نتیجے کے خلاف کون کچھ کہہ سکتا ہے۔ کھانے کے بعد جب پہلی مرتبہ لوتزینی کی شادی کا سوال درپیش ہوا تو نانوں، اوپر موسیو گراں دے کے کمرے سے نفیس ترین والی شراب کی بوتل لانے گئی۔ واپس آتے ہوئے وہ سیڑھیوں پر پھسلتے پھسلتے رہ گئی۔

"بڑی بیوقوف ہو تم! کیا نٹ کا کام سیکھ رہی ہو؟" اس کے آقا نے کہا۔

"جی، زینہ بڑا خطرناک ہو گیا ہے۔ ابھی ابھی ایک سیڑھی ٹوٹ گئی ہے۔"

"یہ ٹھیک کہتی ہے" مادام گراں دے نے کہا "آپ کو بہت عرصہ پہلے ہی اس کی مرمت کروا لینی چاہیئے تھی۔ لوتزینی کے پاؤں میں بھی کل موچ آتے آتے بچی۔"

"یہ لو" گراں دے نے نانوں سے کہا جو بہت زرد ہو رہی تھی۔ "آج لوتزینی کی سالگرہ ہے اور پھر تم سیڑھیوں سے گرتے گرتے بچی ہو۔ ایک گھونٹ پی لو، ابھی ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

"ایمان سے، میں اس کی حقدار بھی ہوں" نانوں بولی "میری جگہ کوئی اور ہوتا تو ضرور بوتل ٹوٹ جاتی۔ میں تو اسے بچانے کے لئے ہاتھ اونچا کئے رہی، چاہے میری کہنی ٹوٹ جاتی۔"

"بیچاری نانوں" گراں دے نے اس کے لئے شراب انڈیلتے ہوئے کہا۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں آئی؟" لوتزینی نے اس سے تشویشناک لہجے میں پوچھا۔

"نہیں، گرنے سے تو بچ ہی گئی۔ میں نے ٹانگ کا سہارا لے لیا تھا۔"

"اچھا" گراں دے نے کہا "آج لوتزینی کی سالگرہ ہے اس لیے میں تمہاری

سیڑھی درست کیے دیتا ہوں۔ نہ جانے تم عورتیں اُس طرف قدم کیوں نہیں رکھتیں جو اب تک مضبوط اور محفوظ ہے"۔

گراں دسے نے بتی اٹھالی اور تنور گھر کی طرف چل دیا جہاں اوزار کیلیں اور لکڑی کے چھوٹے موٹے ٹکڑے پڑے رہتے تھے۔ تینوں عورتیں اندھیرے میں بیٹھی رہ گئیں کیونکہ کمرے میں سوائے آگ کی تیز روشنی کے دوسری کوئی بتی نہ تھی۔

"میں مدد کو آؤں؟" نانوں نے سیڑھیوں پر ہتھوڑے کی آواز سنتے ہی پکار کر پوچھا۔

"نہیں نہیں! میں یہ کام خوب جانتا ہوں" ٹین ساز نے جواب دیا۔

گراں دسے خود ہی اپنی دیمک خوردہ سیڑھیوں کی مرمت کر رہا تھا اور خوب زور زور سے سیٹی بجاتا جا رہا تھا اس وقت اُس کے ذہن میں اپنی جوانی کی بہت سی یادیں اُبھر رہی تھیں۔ عین اس وقت گروشو خاندان کے تین افراد نے دروازے پر دستک دی۔

"ارے، موسیو گروشو، کیا آپ ہیں؟" نانوں نے چھوٹے سے چوکور جنگلے میں سے جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

"ہاں،" مجسٹریٹ نے جواب دیا۔

نانوں نے دروازہ کھول دیا اور آگ کی روشنی تینوں گروشو لوگوں پر پڑی جو ڈیوڑھی کے اندھیرے میں راستہ ٹٹول رہے تھے۔

"اوہو، آپ بی بی کی سالگرہ میں شریک ہونے آئے ہیں" نانوں نے پھولوں کی خوشبو سے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

"صاحبان، ایک لمحے کے لیے ذرا مجھے معاف کیجئے" گراں دے نے پکار کر کہا کیونکہ اُس نے اپنے ملاقاتیوں کی آوازیں پہچان لی تھیں "۔میں تو آپ کا ناچیز خادم ہوں اور مجھے کوئی غرور بھی نہیں ہے، میں اپنی سیڑھی کی مرمت خود ہی کر رہا ہوں"

"اجی، چھوڑیئے بھی موسیو گراں دے۔ کوئلہ فروش بھی اپنے گھر میں میئر سے کم نہیں ہوتا" مجسٹریٹ نے پھبتی کسنی چاہی۔ یہ اشارہ کوئی بھی نہ سمجھ سکا اور مجسٹریٹ خود ہی ہنس کر خاموش ہو گیا۔

مادام اور مادموازیل گراں دے ان کے استقبال کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ مجسٹریٹ تاریکی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یوژینی سے بولا:

"مادموازیل، اپنی سالگرہ کے موقع پر میری مبارک باد قبول کیجئے۔

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

پھر اُس نے پھولوں کا ایک ایسا خوشنما گلدستہ پیش کیا جو سومور میں بہت کم دیکھنے میں آتا تھا اور گراں دے کی وارثہ کو بازوؤں میں تھام کر اس کے گلے کے دونوں طرف بوسہ دیا۔ اس پُر جوش سلام سے یوژینی کے چہرے پر سُرخی دوڑ گئی۔ مجسٹریٹ لمبا اور دُبلا پتلا آدمی تھا اور زنگ خوردہ کیل سے مشابہت رکھتا تھا۔ اُس کے نزدیک ایک عورت سے عشق کرنے کا یہی طریقہ تھا۔

"آپ لوگ بیٹھے رہیے" گراں دے نے کمرے میں واپس آتے ہوئے کہا۔ "مجسٹریٹ صاحب، آپ تہوار کے دنوں سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں"

"اگر مادموازیل اس کے پاس رہیں تو میرے بھتیجے کے لیے ہر روز عید ہو گی" پادری

کرو شو نے جواب دیا۔ اس کے پاس بھی ایک گلدستہ تھا جو اُس نے یوژینی کو دیا اور اس کا ہاتھ چوما۔ رہا موسیو کرو شو تو اُس نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس کے گالوں پر بوسہ دیا اور بولا "ایسے موقع پر انسان اپنے آپ کو کچھ بڑا محسوس کرنے لگتا ہے۔ ہر بارہ مہینے بعد عمر میں ایک سال کا اضافہ ہو جاتا ہے۔"

گراں دے نے بتی آتشدان پر مینٹل کی گھڑی کے پاس رکھدی۔ اس کی عادت تھی کہ جب کوئی لطیفہ اسے پسند آتا تو وہ اسے دُہرائے چلا جاتا یہاں تک کہ لطیفے میں جان باقی نہ رہتی۔ چنانچہ اس وقت بھی اُس نے یہی کہا۔

"آج یوژینی کی سالگرہ ہے،" اُس نے کہا "اس لیے ہم خوب روشنی کریں گے۔"

اُس نے بڑی احتیاط سے شمعدان سے بچے کھچے ٹکڑے نکال لیے اور دونوں طرف موم بتیوں کے لئے جگہ بنائی، پھر نانوں کے ہاتھ سے بالکل نئی بتی جو کاغذ کے ٹکڑے میں لپٹی ہوئی تھی لے لی اور شمعدان میں لگا کر اُسے روشن کر دیا۔ پھر وہ اپنی بیوی کے برابر والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کبھی بیٹی کو دیکھتا، کبھی دوستوں کو اور کبھی جلتی ہوئی دو موم بتیوں کو۔

پادری کرو شو موٹا اور پست قد آدمی تھا جس کے سر پر بالوں کی بنی ہوئی بہت زیادہ استعمال شدہ، ٹمیالے سے رنگ کی ٹوپی تھی۔ اس کا چہرہ عجب وضع کا تھا۔ وہ ایسی بڑھیا سے مشابہ تھا جس کی ساری عمر بڑے اطمینان سے گزری ہو۔ اس وقت وہ پاؤں پھیلائے اپنے صاف اور مضبوط جوتوں کی نمائش کر رہا تھا جن پر سفید بکسوئے لگے ہوئے تھے۔

"دے گراسیں لوگ یہاں نہیں پہنچے؟" اُس نے پوچھا۔

"ابھی تک تو نہیں آئے" گراں دے نے جواب دیا۔

"کیا وہ ضرور آئیں گے؟" بڈھے سرکاری وکیل نے دریافت کیا۔ یہ بات اُس نے اس درجہ مُنہ بگاڑ کر کہی کہ گُٹھوں کی وجہ سے اس کا سارا چہرہ اچھا خاصا پھیلتی سا معلوم ہونے لگا۔

"ہاں، میرے خیال میں تو وہ ضرور آئیں گے۔" مادام گراں دے نے کہا۔

"کیا فصل تیار ہو گئی ہے؟" مجسٹریٹ دلواں فول گراں دے سے مخاطب ہوا۔

"کیا آپ کے سب انگور اکٹھے ہو گئے؟"

"ہاں، سارے کھیت جمع ہو گئے" بڈھے کسان نے یہ فقرہ کچھ بڑے فخریہ انداز سے اکڑ کے کہا اور اٹھ کر کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

جب وہ اس دروازے کے پاس سے گزرا جو باورچی خانے کی سمت جاتا تھا تو اُس نے دیکھا کہ آگ اب تک جل رہی ہے اور ایک موم بتی بھی روشن ہے۔ نانوں انگیٹھی کے پاس بیٹھ کر چرخہ کاتنے کی تیاری کر رہی تھی کیونکہ وہ سالگرہ کی پارٹی میں مخل ہونا نہ چاہتی تھی۔

"نانوں!" اُس نے باہر نکل کر پکارا "تم آگ کیوں نہیں بجھا دیتیں؟ نبی گل کر کے یہاں اندر آ جاؤ۔ خدا کی قسم، کمرہ اتنا بڑا ہے کہ ہم سب آسانی سے اس میں بیٹھ سکتے ہیں۔"

"لیکن جناب، آپ کے پاس تو کچھ معزز مہمان آنے والے ہیں۔"

"تو تمہیں اُن کے آنے میں کیا اعتراض ہے؟ آخر وہ بھی تو آدم کی اولاد ہیں جیسے تم ہو۔"

پھر گراں دے مجسٹریٹ کے پاس لوٹ آیا۔

"کیا آپ نے اپنی شراب بیچ ڈالی؟" اُس نے پوچھا۔

نہیں، مَیں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا ہے۔ اگر شراب اس وقت اچھی ہے تو دو سال کے عرصے میں تو اس سے بھی اچھی ہو جائے گی۔ جیسا کہ یقیناً آپ کو بھی علم ہو گا سب کاشت کار آپس میں سمجھوتہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قیمتیں زیادہ رہیں۔ اس سال بلجیم کے لوگ اپنے سب نشا سودا نہ چکا سکیں گے اور اگر وہ بغیر خریدے لوٹ جائیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔ آخر وہ پھر یہیں آئیں گے۔"

"ہاں، لیکن پھر ہمیں اس ارادے پر جمے رہنا چاہیے۔" گراں دے نے کچھ ایسی آواز میں کہا کہ مجسٹریٹ کانپ اٹھا۔

"فرض کرو اس نے ہم سے چھپا کے شراب بیچ ڈالی تو؟" اُس نے سوچا۔

اُسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی اور دے گراسیں آ پہنچے۔ ان کی آمد سے مادام گراں دے اور پادری کروشو کی پُرسکون گفتگو کا خاتمہ ہو گیا۔

مادام دے گراسیں چھوٹے قد کی خوش مزاج، سرخ و سفید رنگت کی عورت تھی اور اس کا شمار ایسی عورتوں میں ہوتا تھا جن کی دیہاتی زندگی گوشہ نشینی کا سا سکون لئے ہوتی ہے۔ اور جو اس نیک، اور سیدھی سادی زندگی کے طفیل چالیس سال کی عمر میں بھی جوان معلوم ہوتی ہیں۔ ان عورتوں کی مثال موسم خزاں کے گلاب کے آخری پھولوں کی سی ہوتی ہے جو دیکھنے میں تو خوبصورت اور اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی پتیوں میں خوشبو ختم ہو چکی ہوتی ہے اور وہ کچھ مُڑی تُڑی سی دکھائی دیتی ہیں۔ انہیں دیکھ کر کچھ ایسا لگتا ہے جیسے سردیاں قریب آ رہی ہوں۔ وہ کافی اچھا لباس

پہنتی تھی۔ اس کے کپڑے پیرس سے سِل کر آتے تھے۔ سوموری کی سوسائٹی میں اس کا بڑا رُتبہ تھا، اور بعض دن شام کو ان کے یہاں پارٹی بھی ہوتی تھی۔ اس کا خاوند شاہی فوج میں افسر رہ چکا تھا جہاں سے ایک جنگ میں بُری طرح زخمی ہو جانے کے باعث اب اُس نے پنشن لے لی تھی۔ اگرچہ وہ گراں دے کا بڑا احترام کرتا تھا لیکن فوجیوں کی سی اکڑ اس میں اب تک باقی تھی۔ کم سے کم وہ ظاہر یہی کرتا تھا۔

"آداب عرض" اُس نے حسبِ عادت اپنی برتری کے احساس کے ساتھ ٹین سالز کی سمت اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اس انداز کے سامنے گردنشو والی جماعت بالکل ماند پڑ جاتی تھی۔ مادام گراں دے کی سمت تعظیماً جھکنے کے بعد وہ یوژینی سے مخاطب ہوا "مادامواز یل، آپ ہمیشہ ایسی ہی دلکش، بھولی بھالی اور خوبصورت لگتی ہیں۔ پھر اس سے زیادہ اور میں آپ کے لئے کیا دعا کر سکتا ہوں؟"

یہ کہتے ہوئے اس نے نوکر سے لے کر ایک چھوٹا سا ڈبہ اسے تحفتہً پیش کیا جس میں ایک پودا تھا، جو حال ہی میں غیر ممالک سے یورپ لایا گیا تھا اور یہاں بہت نایاب تھا۔

مادام دے گراسیں نے بڑی محبت سے یوژینی کو گلے سے لگایا، اُس کا ہاتھ بھینچا اور کہا "میں نے تمہیں سالگرہ کا یہ چھوٹا سا تحفہ دینے کے لیے ادولف کو بلایا ہے۔"

اس پر ایک قد آور خوبصورت سے بالوں والا نوجوان آگے بڑھا جس کا چہرہ قدرے زرد اور بے رونق سا تھا۔ اگرچہ وہ شرمیلا معلوم ہوتا تھا لیکن پھر بھی اس کے اطوار خاصے پسندیدہ تھے۔ وہ پیرس سے ابھی ابھی قانون کا امتحان پاس کر کے آیا تھا۔ اُس نے

مقررکردہ رقم کے علاوہ آٹھ دس ہزار فرانک زیادہ خرچ کر دیئے تھے۔ اُس نے یوژینی کے دونوں گالوں پر بوسہ دیا اور اس کے سامنے چاندی کا ملمع کیا ہوا ایک ڈبہ رکھ دیا۔ اس کے ڈھکن پر ایک چھوٹی سی تختی پر جرمن طریقے کے حروف میں "ی۔گ" کندہ تھا جس کی وجہ سے یہ ڈبہ کافی قیمتی سا معلوم ہونے لگا تھا لیکن اس کے باوجود یہ ایک سستی اور بھڑکدار چیز تھی۔ یوژینی نے مسرت سے کانپتے ہوئے ڈھکنا اٹھایا۔ چونکہ اُسے ذرا بھی امید نہ تھی اس لئے خوشی اور بھی شدید ہوئی۔ یہ وہ خوشی تھی جس سے نوجوان لڑکیوں کا چہرہ دمکنے لگتا ہے، اور وہ لرز اٹھتی ہیں۔ اس نے اپنے والد کی طرف نظر ڈالی جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا میں یہ تحفہ قبول کر لوں؟۔ اس خاموشی کے سوال کے جواب میں موسیو گراں دے نے کہا "لے لو، میری بچی" اور یہ الفاظ کچھ ایسی آواز میں کہے کہ اگر کوئی ایکٹر اس طرح ادا کرتا تو یقیناً اس کی بڑی شہرت ہوتی۔ کروشو خاندان کے تینوں افراد ہکا بکا کھڑے رہ گئے جب انہوں نے دیکھا کہ اس جگمگاتے تحفے کو پا کر جو یوژینی نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا، وارثہ نے ایک نہایت طربناک نظر ادولف دے گراسیں پر ڈالی ہے۔

موسیو دے گراسیں نے اپنی نسوار کی ڈبیا گراں دے کو پیش کی اور ایک چٹکی خود بھی لی۔ پھر اپنے نیلے کوٹ کے کاج میں لگے ہوئے اعزازی فیتے پر سے ان ذرّوں کو جھاڑتے ہوئے کروشو لوگوں کی طرف دیکھا گویا کہہ رہا ہو" اس وار کو روکو تو جانیں"۔ مادام دے گراسیں کی نگاہ نیلے کانچ کے گلدانوں پر پڑی جن میں کروشو لوگوں کے لائے ہوئے گلدستے رکھے تھے۔ اُس نے ان کے تحائف کو کچھ ایسے معصومانہ انداز اور جھوٹی دلچسپی کے ساتھ دیکھا جو بعض موقعوں پر طنز کی شوقین عورتیں اختیار کر لیتی ہیں۔

لہذا معاملہ بہت نازک ہو گیا۔ تمام لوگ آگ کے اطراف، گھیرے کی شکل میں بیٹھے تھے پادری اُن کے درمیان سے اُٹھ گئے گراں دے کے ساتھ کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ جب دونوں بڈھے کمرے کے آخری کونے کی کھڑکی تک پہنچے جو آگ کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے بہت دُور تھی تو پادری نے کنجوس کے کان میں کہا" یہ لوگ تو اپنا پیسہ بے طرح بہا رہے ہیں۔"

" مجھے اس سے کیا؟ آخر یہ پیسہ میرے کام ہی آ رہا ہے نا؟" انگوروں کے بڈھے کاشتکار نے جواب دیا" آپ تو خود یہ مقدور رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو بیٹی کو سونے کی قینچی بنوا کر دے سکتے ہیں۔" پادری نے کہا۔

" میں تو اُسے قینچی سے کوئی زیادہ کار آمد چیز دونگا۔"

" میرا بھتیجا بھی کس قدر بیوقوف ہے۔" پادری نے مجسٹریٹ پر نظر ڈالتے ہوئے سوچا جس کے بدصورت چہرے پر بکھرے ہوئے بالوں نے اور گُل کھلا رکھے تھے۔" اسے اس قسم کی احمقانہ اور مہنگی سی چیز دینے کا خیال آخر کیوں نہ آیا؟"

" آیئے، مادام گراں دے، تاش کی ایک بازی ہو جائے۔" مادام دے گراسیں نے کہا۔" اس وقت ہم سب یہاں جمع ہیں اور دو میزوں کے لئے کافی آدمی ہیں . . . "

" چونکہ آج یوژینی کی سالگرہ ہے اس لئے آج سب مل کر لوٹو کیوں نہ کھیلیں۔" بڈھا گراں دے بولا۔" اس کھیل میں یہ دو بچے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے بڈھے ٹین ساز نے اپنی بیٹی اور اڈولف کی طرف اشارہ کیا۔ خود اُس نے آج تک کبھی کسی کھیل میں حصہ نہ لیا تھا۔

" یہاں آؤ، نانوں، آکر میزیں باہر نکال دو۔"

"مادام وازیل ناتوں، ہم تمہاری مدد کریں گے" مادام دے گراسیں نے خوشدلی سے کہا۔ وہ بےحد خوش تھی کیونکہ وہ لوئزینی کو خوش کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

"میں نے کبھی ایسی خوبصورت چیز نہیں دیکھی" گراں دے کی وارثہ نے اس سے کہا تھا "میں زندگی میں پہلے کبھی ایسی خوش نہیں ہوئی۔"

"یہ آدولف کی پسند ہے" مادام دے گراسیں نے لڑکی کے کان میں کہا "وہ پیرس سے لے کر آیا ہے۔"

"اس سازشی عورت پر لعنت ہو" مجسٹریٹ نے دل میں کہا "اگر تم یا تمہارے شوہر صاحب کبھی کچہری آئے تو بھگت لوں گا۔"

سرکاری وکیل نے اطمینان سے کونے میں اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے پادری کی طرف دیکھا اور دل میں سوچنے لگا "دے گراسیں جو بھی چاہیں کر لیں۔ میری، میرے بھائی اور بھتیجے سب کی جائداد ملا کر کوئی گیارہ لاکھ فرانک ہوتی ہے۔ گراسیں کے پاس بمشکل اس سے آدھی رقم ہو گی اور اس کے علاوہ ان کی ایک بیٹی بھی ہے۔ اب ان کا جو جی چاہے دے دیں آخر ایک دن یہ سب ہمارا ہو جائے گا ـــــــ یہ اتنی جائداد کی وارثہ بھی اور اس کے سب تحفے تحائف بھی۔"

ساڑھے آٹھ بجے تک دونوں میزیں تیار ہو گئیں۔ مادام دے گراسیں نے ہوشیاری سے کام لیا کہ اس کے بیٹے کو لوئزینی کے پاس والی کرسی مل گئی۔ اس ڈرامے کے سب کردار بظاہر معمولی قسم کے لوگ نظر آتے تھے لیکن اندر سے بےحد دلچسپ تھے۔ ہر آدمی کو گتے کا ایک رنگ برنگ تختہ اور شیشے کے نیلے ٹکڑے دے دیئے گئے۔ بڈھا سرکاری وکیل ہر نمبر نکالنے سے پہلے کوئی نہ کوئی جملہ ضرور کستا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے

لطیفوں کو سب لوگ بڑی دلچسپی سے سُن رہے ہیں۔ لیکن حقیقت میں سب گراں دے کی بے شمار جائداد کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ خود بوڑھا آمین ساز بھی قدرے خود اطمینانی کے انداز میں اس مجمع کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس نے مادام وسے گراسین کی طرف دیکھا جو سنگار کیے، ٹوپی میں پیازی رنگ کے پر اُڑسے بیٹھی تھی، پھر سا ہوکار کے سپاہیانہ چہرے پر نظر ڈالی۔ ان کے علاوہ آدولف مجسٹریٹ، پادری اور سرکاری وکیل کا بھی جائزہ لیا۔ انہیں دیکھ کر وہ سوچنے لگا "یہ سب میری دولت کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور اسی لئے یہاں آتے ہیں۔ میری بیٹی کی خاطر اتنی کوفت اٹھاتے ہیں۔ آہا! یہ میری بیٹی کو جیتنے کی فکر میں ہیں۔ لیکن میری بیٹی ان سب میں سے کسی کی بھی نہیں ہوگی۔ لیکن میں ان لوگوں کو مچھلی پکڑنے کے کانٹوں کی طرح استعمال کروں گا۔"

اِس خاندانی پارٹی کی ساری چہل پہل محض بناوٹی تھی۔ اگر کہیں خلوص تھا تو صرف یوژینی اور اس کی ماں کی ہنسی میں۔ جس میں ناتون کے چرخے کی دھیمی رُوں رُوں بھی شامل ہو جاتی تھی۔ دولت کی خاطر یہ لوگ کمینگی پر اُتر آئے تھے۔ اس نوجوان لڑکی کی حالت ایسے نایاب پرندے کی سی تھی جسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ میری قیمت کیا ہے۔ لیکن اس قیمت کے باعث اُس کا شکار کیا جا رہا ہو۔ لوگ اس سے دوستی جتا رہے تھے، اور وہ بھی اس فریب میں آگئی تھی۔ اگر مجموعی طور سے دیکھا جائے تو یہ بڑا افسوسناک طربیہ تھا جو دو شمعوں کی مدھم سی روشنی میں اس پرانی بھورے رنگ کی نشستگاہ میں کھیلا جا رہا تھا۔ کیا یہ وہ ڈراما نہیں ہے جو ہر زمانے میں اور دُنیا کے ہر حصے میں کھیلا جاتا رہا ہے؟ فرق محض اتنا ہے کہ یہاں اس کا اظہار سب سے سیدھی سادی شکل میں ہو رہا تھا۔ اس میں بڈھے گراں دے کو دوسرے سب کرداروں پر فوقیت حاصل تھی؛

جو اس بناوٹی شفقت کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کر رہا تھا اور اس مصنوعی دوستی کے طفیل بھی ہزاروں بنا رہا تھا۔ اس کا چہرہ اس منظر پر یوں منڈلا رہا تھا جیسے کسی ڈراؤنے خواب کی تعبیر بتائی جا رہی ہے۔ وہ اس دیوتا کے اوتار کی مانند تھا جسے اس زمانے میں بھی پجاریوں کی کمی نہیں، یعنی دولت اور روپے کی طاقت کا دیوتا۔

اُس کے لیے انسانی زندگی کے نازک اور لطیف ترین جذبات دوسرے درجے پر آتے تھے۔ اس کے برعکس نانون، یوژینی اور اُس کی ماں کے پاکیزہ دلوں میں ان کی اس درجہ اہمیت تھی کہ دوسرے کسی قسم کے خیالات کا گزر ہی نہ ہوتا تھا۔ لیکن ان کی اس معصومانہ سادگی میں کتنی نادانی شامل تھی! یوژینی اور اس کی ماں کو گراں دے کی دولت کا قطعاً علم نہ تھا۔ اُن کی ایک چھوٹی سی دنیا الگ ہی تھی، اور اسی دنیا کے دھندلے دھندلے خیالات کی روشنی میں وہ ہر چیز کو دیکھتی تھیں۔ دولت سے نہ تو انہیں کوئی رغبت تھی اور نہ نفرت۔ کیونکہ پیسے کے بغیر گزر کرنے کی انہیں عادت ہو چکی تھی۔ انہیں یہ بھی شعور نہ تھا کہ ہمارا ماحول کیسا ناخوشگوار ہے۔ یہاں جو لوگ جمع تھے انہیں مادی اغراض کے سوا اور کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ لیکن یہ تینوں ہستیاں اپنی باطنی زندگی اور اپنے احساسات کے طفیل اس گروہ سے بالکل الگ تھیں۔ انسان کی حالت بھی کس درجہ افسوسناک ہے، اُس کے مقدر میں خوشی کا ایک قطرہ بھی ایسا نہیں جس کا سرچشمہ نادانی یا لاعلمی نہ ہو۔

ٹھیک اس وقت جب کہ مادام گراں دے نے سولہ سَو کی شاندار رقم جیت کر اپنی جیب میں ڈالی تھی اور نانون اپنی مالکہ کو اس گھر میں اتنی رقم پہلی بار ہاتھ میں لیتے دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی، دروازے پر اس زور سے دستک ہوئی کہ عورتیں اپنی کرسیوں پر بیٹھی بیٹھی اچھل پڑیں۔

"شو مو بھر میں کوئی اتنے زور سے دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا!" سرکاری وکیل نے کہا۔

"اس بیدردی سے کون کھٹ کھٹ کر رہا ہے؟" نانوں بولی "کیا ہمارا دروازہ توڑنے کا ارادہ ہے؟"

"یہ کون شیطان آیا ہے؟" گراں دے چلایا۔

نانوں نے دونوں میں سے ایک بتی اٹھالی اور دروازہ کھولنے چل دی۔ گراں دے بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

"گراں دے! گراں دے!" اس کی بیوی نے چیخ کر کہا۔ وہ خوفزدہ سی معلوم ہو رہی تھی اور جلدی سے کمرے کے دروازے کی طرف چل دی۔

سب کھلاڑیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہ ہم بھی چلیں؟" موسیو دے گراسیں نے کہا "کوئی عجیب طرح کھٹکھٹا رہا ہے۔ مجھے تو اس میں کوئی تشویشناک بات معلوم ہوتی ہے۔"

ایک نوجوان اور اس کے ساتھ ایک قلی اندر آیا جو دو بڑے بڑے ٹرنک سر پہ رکھے اور سامان کے کئی تھیلے گھسیٹتا لا رہا تھا۔ موسیو گراں دے نے نوجوان کا چہرہ ابھی پوری طرح دیکھا بھی نہ تھا کہ گراں دے بڑے تیکھے پن سے اپنی بیوی کی طرف پلٹا اور بولا:-

"مادام گراں دے، تم اپنے کھیل میں مصروف رہو۔ میں ان صاحب سے خود نبٹ لوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے نشستگاہ کے دروازے کو زور سے بند کر دیا اور کھلاڑی پھر اپنی کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ لیکن وہ اس درجہ بے قرار ہو رہے تھے کہ کھیل جاری رکھنا مشکل

ہو گیا۔

"موسیو دے گراسیں، کیا یہ کوئی سومور کا رہنے والا ہے؟" اس کی بیوی نے پوچھا۔

"نہیں، کوئی مسافر ہے۔"

"تب تو ضرور پیرس سے آیا ہوگا۔"

"اُفوہ!" سرکاری وکیل نے ایک خوب موٹی اور پرانی سی گھڑی نکالتے ہوئے کہا جو ہالینڈ کی کشتی سے مشابہ تھی۔ "نو بج گئے۔ غضب ہے! ڈاک کی گاڑی تو کبھی دیر میں نہیں آتی۔"

"کیا آنے والا کوئی جوان آدمی ہے؟" پادری کروشو نے دریافت کیا۔

"ہاں،" موسیو دے گراسیں نے جواب دیا۔ "اس کے سامان کا وزن کم از کم تین ہزار من ہوگا۔"

"نانون ابھی نہیں لوٹی۔" یوژینی نے کہا۔

"یہ ضرور کوئی آپ کا عزیز ہوگا۔" مجسٹریٹ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"آؤ، کھیل شروع کر دیں" مادام گراں دے نے نرمی سے کہا۔ "مجھے ان کی آواز سے پتہ چل گیا تھا کہ موسیو گراں دے کو کوئی بات بُری لگی ہے۔ اگر انہوں نے اندر آ کر ہمیں اپنے معاملات پر گفتگو کرتے سنا تو شاید ناراض ہو جائیں گے۔"

"مادموازیل" ادولف یوژینی سے بولا۔ "یہ یقیناً آپ کے چچا زاد بھائی گراں دے ہوں گے۔ بڑے خوبصورت جوان ہیں۔ میں اُن سے ایک بار موسیو دے نوسنجین کے یہاں ڈانس میں ملا تھا۔"

اودلف اور زیادہ نہ بول سکا کیونکہ اس کی ماں نے میز کے نیچے سے اس کے پاؤں پر زور سے پاؤں مارا اور با آوازِ بلند چال چلنے کے لیے اُس سے دو سو طالب کئے لیکن آہستہ سے اس کے کان میں بولی" اپنی زبان قابو میں رکھو تم بھی کس قدر بیوقوف ہو!"
ان لوگوں نے سیڑھیوں پر ناآلوں اور قُلی کے قدموں کی آواز سنی، لیکن اس کے فوراً بعد گراں دے نے کمرے میں لوٹ آیا اور اس کے پیچھے پیچھے وہ مسافر بھی آیا جس نے ان لوگوں میں اس قدر استعجاب پیدا کر دیا تھا اور اُن کے دماغ میں ہلچل مچا دی تھی۔ درحقیقت اس گروہ میں اس کی آمد ایسی ہی تھی جیسے کوئی گھونگا شہد کے چھتے میں آجاتے یا جیسے کسی گاؤں کے پالتو پرندوں میں کوئی مور آنکلے۔
"آگ کے نزدیک ہو کے بیٹھ جاؤ" گراں دے نے اجنبی سے مخاطب ہو کر کہا۔
نوجوان نے کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی اور پھر بیٹھنے سے پہلے بڑی خوش اسلوبی سے جھک کر آداب بجا لایا۔ مرد تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے اور عورتوں نے بھی نہایت اخلاق سے سلام کا جواب دیا۔
"جناب، میرے خیال میں آپ کو سردی لگ رہی ہے" مادام گراں دے نے کہا" آپ غالباً دُور سے . . . . "
"بس عورتوں کی یہی باتیں ہوتی ہیں!" کاشتکار نے ہاتھ میں جو خط لے رکھا تھا اُس سے نظریں اُٹھا کر کہا" ان بچاروں کو ذرا اطمینان سے تو بیٹھنے دو۔"
"لیکن ابا، شاید انہیں سفر کے بعد کسی چیز کی ضرورت ہو گی" یوجینی نے کہا۔
"تو ان کے منہ میں زبان ہے" اس کے باپ نے سختی سے جواب دیا۔

صرف اجنبی ہی ایک ایسا آدمی تھا جسے یہ منظر دیکھ کر تعجب ہوُا ورنہ باقی سب تو بڈھے کی مطلق العنانی اور خودسری کے عادی ہو چکے تھے۔ لیکن جب یہ دو سوال جواب ہو چکے تو اجنبی اُٹھ کر آگ کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا اور اپنا ایک پیر بوٹ کا تلا سکھانے کے لیے آگ کی طرف کر دیا۔ پھر تیزی سے کہنے لگا "شکریہ بہن، میں نے تور میں کھانا کھا لیا تھا۔ اور اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں" اُس نے گراں دے کی طرف دیکھ کر کہا "مجھے کوئی ایسی تھکن بھی محسوس نہیں ہو رہی"

"کیا آپ پیرس سے آئے ہیں؟" (اس بار مادام دے گراسیں نے سوال کیا)

"موسیو شارل نے (یہ اس نوجوان کا نام تھا اور وہ پیرس میں رہنے والے گراں دے کا بیٹا تھا) کسی کو اپنے سے سوال کرتے سُنا تو گردن میں ڈوری سے لٹکتی ہوئی عینک اٹھا کے آنکھ پر لگائی، اور میز پر رکھی ہوئی چیزوں اور اس کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کا بغور معائنہ کیا۔ پھر اپنی جانچ پڑتال ختم کرنے کے بعد مادام دے گراسیں کو بڑی گستاخ نظروں سے گھورا اور بولا" ہاں، محترمہ، مَیں پیرس سے آیا ہوں — جی، آپ تاش کھیل رہی ہیں کھیلتی رہیے۔ یہ تو اس قدر دلچسپ کھیل ہے کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا"

"مَیں جانتی تھی یہ اس کا چچا زاد بھائی ہو گا" مادام دے گراسیں نے سوچا اور بار بار اُسے کنکھیوں سے دیکھنے لگی۔

"سینتالیس!" بڈھا پادری بولا "گنیئے۔ مادام دے گراسیں یہ آپ کا نمبر ہے نا؟" موسیو دے گراسیں نے پانسہ اپنی بیوی کے پتّے پر رکھ دیا۔ لیکن بیوی کو کھیل سے قطعی دلچسپی نہ رہی تھی۔ اُسے تو اس وقت طرح طرح کے اندیشے پریشان کر رہے تھے۔

کبھی تو لوئزینی کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی پیرس سے آئے ہوئے اُس کے چچازاد بھائی کی جانب۔ لوئزینی تھوڑی تھوڑی دیر بعد چپکے سے اجنبی کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ اور ان نگاہوں میں ساہوکار کی بیوی کو حیرت اور تجسس کا امتزاج نظر آ رہا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ اس بائیس سالہ خوبصورت نوجوان موسیو شارل گراں دے اور ان سر نیہ آوردہ قصباتی لوگوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہ لوگ ابھی سے اس کے امیروں جیسے انداز سے خائف ہو چکے تھے اور بڑی حقارت کی نظروں سے اجنبی کا مشاہدہ کر رہے تھے تاکہ اس کا مذاق اُڑا سکیں۔ یہ چیز ذرا وضاحت طلب ہے۔

بائیس سال کی عمر کچھ ایسی ہوتی ہے کہ انسان کو اس وقت اپنا بچپن کچھ زیادہ دُور معلوم نہیں ہوتا اور اگرچہ جوانی کا دور شروع ہو چکا ہوتا ہے لیکن ابھی طفلانہ حرکتوں پر شرم نہیں آتی۔ شارل گراں دے کی خود بینی اور زعم بھی ابھی طفلانہ تھا لیکن شاید ننانوے فی صدی نوجوان ایسے ہونگے جو یہی انداز اختیار کرتے جو شارل نے کیا تھا۔

چند روز ہوئے اس کے باپ نے اُسے دو چار مہینے اپنے چچا کے پاس سومور جاکے گزارنے کو کہا تھا۔ شاید پیرس والے موسیو گراں دے کو اس وقت یوژینی کا بھی خیال آیا تھا۔ شارل کا کسی قصبے میں آنے کا یہ پہلا موقع تھا لہٰذا اس کے بارے میں اس کے خیالات بھی مختلف تھے۔ اس کا جی چاہا کہ اس قصبے کے لوگوں کے سامنے ایک فیشن ایبل نوجوان کی سی برتری کے ساتھ آؤں۔ میری سج دھج دیکھ کے گرد و نواح میں ہلچل مچ جاتے اور میری بدولت لوگ پیرس کے ٹھاٹ باٹ سے تعارف حاصل کریں۔ مختصر یہ کہ اُس نے سوچا تھا سومور میں اپنے ناخنوں کی صفائی، لباس کی عمدگی اور دوسری آرائشوں پہ زیادہ دھیان دوں گا اور اُن باتوں میں اس قسم کی بے پروائی نہ برتوں گا جس کا

اکثر فیشن ایبل نوجوان بعض اوقات مظاہرہ کرتے ہیں، اور پھر بھی اُن کی نفاست میں کوئی می نہیں آتی۔

چنانچہ شارل اس قصبے میں اپنے ساتھ بہترین شکار کا لباس مع تمام لوازمات اور ایک نہایت خوبصورت رائفل کے لایا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے پاس مختلف وضع کی نفیس واسکٹیں بھی تھیں۔ بھوری، سفید، سیاہ، سبز، سنہرے بیل بوٹوں والی، بعض سینے کے اوپر سے دُہری، کسی کے کالر گولائی سے مُڑے ہوئے، تو کوئی کھڑے کالر کی، کچھ کے کالر نیچے کی طرف مُڑے ہوئے، کوئی گلے پر سے کھُلی ہوئی تو کسی میں ٹھوڑی تک سنہری بٹن لگے ہوئے۔ اُس وقت جن ٹائیوں اور مفلروں کا رواج تھا وہ سب اُس نے اکٹھے کر رکھے تھے۔ اس کے سارے کپڑے نہایت عمدہ تھے اور وہ ایک سنہری کام والا ڈریسنگ کیس بھی ساتھ لایا تھا جو اس کی ماں نے اُسے دیا تھا۔ غرضیکہ وہ بانک پن کے تمام لوازمات لے کر آیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک چھوٹا سا دلکش رائٹنگ کیس لانا بھی نہ بھولا تھا جو ایک نہایت حسین عورت (کم از کم وہ یہی سمجھتا تھا) نے اُسے تحفے میں دیا تھا۔ یہ ایک امیر عورت تھی جس کا نام وہ آنیت بتاتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے خاوند کے ساتھ نہایت بیزاری کے عالم میں سکاٹ لینڈ کا سفر کر رہی تھی جسے اس کے چال چلن پر شبہ ہو چکا تھا، لہٰذا وقتی طور پر اُس نے اپنی خوشی کی قربانی ضروری سمجھی تھی۔ اس عورت کو ہر پندرہویں دن خط لکھنے کے لیے شارل نے بڑا خوبصورت کاغذ بھی ساتھ رکھ لیا تھا۔

پیرس کی مزخرفات کا کل سامان اُس نے ہر ممکن طریقے سے اکٹھا کر لیا تھا۔ کوئی چیز بھی نہ چھُٹی تھی ــــــ گھوڑے کے چابک سے لے کر جوڈو ئیل شروع کرنے

کے کام آتا ہے۔ نقشین پستول تک اس کے پاس موجود تھے جن سے ڈوئیل ختم ہوتی ہے ایک نوجوان اور عیش پسند انسان کو زندگی کے میدان میں جن ہتھیاروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کے پاس تھے۔ — — —

اس کے باپ نے اُسے اکیلے اور سیدھے سادے طریقے سے سفر کرنے کو کہا تھا اور اس نے باپ کا کہنا مانا تھا۔ وہ ڈاک گاڑی میں بیٹھ کے آیا تھا اور ایک پوری نشست کرائے پر لے لی تھی۔ یہ کچھ ایسا بُرا بھی نہیں رہا، کیونکہ اُس کی نئی آرام دہ اور فلیشن ایبل بگھی خراب ہونے سے بچ گئی جس میں بیٹھ کر وہ آنیت سے ملاقات کے لئے جانا چاہتا تھا۔ یہ وہی خاتون تھی جو۔ . . . . وغیرہ وغیرہ۔ اور جس کے پاس اُسے جون میں باڈن باڈن کے مقام پر پہنچنا تھا۔

شارل کو امید تھی کہ اپنے چچا کے ہاں قیام کے دوران میں اس کی بیسیوں لوگوں سے ملاقات ہوگی، وہ چچا کے جنگلوں میں شکار کھیلا کرے گا۔ پھر اسے یہ بھی توقع تھی کہ بہت بڑی جاگیر میں ایک بڑا سا مکان ہوگا اور اس کو تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ اس کے عزیز سومور میں رہتے ہوں گے اُسے تو فروافوں کا راستہ پوچھتے پوچھتے پتا چلا کہ وہ یہاں رہتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی اُسے امید تھی کہ ان کی رہائش ایک لمبی چوڑی حویلی میں ہوگی۔ بہرحال خواہ اس کا چچا فروافوں میں ہوتا یا سومور میں، اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں چونکہ پہلی بار ملونگا اس لیے شکل صورت ٹھیک ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس نے ایک بڑا دیدہ زیب سفری لباس پہن رکھا تھا جس میں ایسی سادگی نمایاں تھی جو پُرکاری سے خالی نہ تھی۔ یہ لباس "انتہائی دل فریب" شاہکار تھا، اور یہ فقرہ اس زمانے میں کسی چیز یا شخص کی خصوصیات کو اعلیٰ ترین

تعریف کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ تورین میں اُس نے حجام کو بلا کر اپنے خوبصورت بھورے بالوں میں مزید گھونگھر ڈلوائے تھے اور لباس تبدیل کر کے گلے میں ایک کالا ساٹن کا رومال باندھا تھا جو گول کالر کے ساتھ اُس کے گورے رنگ اور مسکراتے ہوئے چہرے پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ وہ لمبا کوٹ پہنے ہوئے تھا جو کمر پر سے خوب کسا ہوا تھا۔ اُس کے اندر سے ایک نرم اُونی کپڑے کی گول مڑے ہوئے کالر والی واسکٹ دکھائی دے رہی تھی، اس کے نیچے ایک اور کسی سفید کپڑے کی واسکٹ تھی۔ اس نے گھڑی بڑی بے پروائی سے ایک طرف کی جیب میں ٹھونس رکھی تھی۔ اگر سونے کی زنجیر کاج میں نہ لگی ہوتی تو یہ معلوم ہوتا کہ گھڑی اتفاق سے ساتھ چلی آئی ہے۔ اس کی ٹنیالے سے رنگ کی پتلون کے دونوں طرف بٹن لگے ہوئے تھے اور سیدھوں پر کالے ریشمی تاگے سے بیل بوٹے بنے تھے۔ اسی رنگ کے چمکدار دستانے تھے، اور ہاتھ میں ایک سنہری موٹھ والی چھڑی بڑی شائستگی سے تھام رکھی تھی۔ چھڑی اتنی صاف تھی کہ دستانے خراب ہونے کا ذرا بھی امکان نہ تھا۔ غرض سارے لباس سے انتہائی خوش مذاقی ٹپکتی تھی، خصوصاً سفر والی ٹوپی سے۔ ایسے لباس میں تو بس پیرس والا ہی بھلا لگ سکتا ہے، بلکہ پیرس کا بھی وہ آدمی جو کسی اونچے طبقے کا ہو۔ وہی بے ڈھنگے پن کو اس درجے پر پہنچا سکتا ہے کہ اسے دیکھ کر ہنسی نہ آئے، بلکہ مہمل چیزوں میں بھی ایک ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ پھر یہ نوجوان تو ایک اور وجہ سے بھی سجنے لگا تھا۔ اس میں ایک ایسے پکے نشانے باز کے سے دم خم تھے جسے احساس ہو کہ میرے پاس دو خوبصورت پستول ہیں اور مجھے آنیت کی نوازشات حاصل ہیں۔

سوتور کے رہنے والوں اور پیرس کے اس نوجوان نے ایک دوسرے کو دیکھ کر جو

استعجاب محسوس کیا، اور اس میلے کچیلے کمرے میں میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں میں اس اجنبی کی نفاست اور شائستگی سے جو ہل چل مچی اسے پوری طرح سمجھنے کے لیے ذرا چشم تصور سے کروشو خاندان کے لوگوں کو دیکھئے۔

سب سے پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ تینوں نسوار کے عادی تھے اور اس کے استعمال کے سبب سے اُن کی میلی قمیصوں کی جھالروں پر کالی پپڑی سی جم گئی تھی لیکن انہیں صفائی کا قطعاً خیال نہ تھا۔ اُن کے مُڑے تڑے سے ریشمی رومال موٹی رسی کی طرح بٹے ہوئے تھے اور انہیں وہ کس کر گردن کے گرد باندھے ہوئے تھے۔ ان کے کالر میلے کچیلے اور داغدار تھے اور کپڑے بھی میلے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس نیچے پہنے جانے والے کپڑوں کی اس قدر بہتات تھی کہ سال میں صرف دو بار ہی انہیں دھونے کی ضرورت محسوس ہوتی اور الماری میں پڑے پڑے کپڑے نہایت بدرنگ ہو جاتے تھے۔ اُن میں بڑھاپے اور بدصورتی کا عجیب و غریب امتزاج پیدا ہو گیا تھا۔ اُن کے کرخت اور جھریوں دار چہروں اور گھسے ہوئے کپڑوں میں بڑی مناسبت تھی۔ وہ اور ان کے کپڑے دونوں پرانے، مُڑے تڑے اور بدشکل تھے۔ دیہات کے رہنے والے اپنی شکل صورت سے اکثر بے پروائی اور بے احتیاطی برتنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ اپنے لباس میں دوسروں کی پسندیدگی کا خیال بھی ختم ہو جاتا ہے۔ دستانوں کا ایک جوڑا مدتوں چلتا ہے۔ غرضکہ ان میں صفائی اور تازگی نظر نہیں آتی، اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے غفلت اُن کا خاصا ہے۔ چنانچہ کروشو لوگوں کی بے سلیقگی کچھ ایسی نمایاں نہ تھی بلکہ وہ اپنے باقی ساتھیوں سے مطابقت رکھتے تھے۔ کروشو اور گراسیں لوگ ایک بات میں کم و بیش متفق تھے —— اُن دونوں کے نزدیک فیشن ایک

قابلِ نفرت چیز تھی۔

پیرس کے رہنے والے نے پھر اپنی آنکھ پر چشمہ لگا لیا تاکہ کمرے کی انوکھی چیزوں کا جائزہ لے سکے۔ اُس کی نگاہیں چھت کی کڑیوں سے ہوتی ہوئی میلی کچیلی الماریوں پر پہنچیں جنہیں مکھیوں نے گندہ کر دیا تھا۔ فنِ زراعت اور باغبانی پر جو کتابیں رکھی تھیں ان کے بیچ بیچ میں سیاہ دھبّے تھے۔

لوڈو کے سب کھلاڑی گھبرا کے اُسے تکنے لگے۔ اگر ان کے درمیان کوئی زرافہ آ کھڑا ہوتا تو بھی شاید وہ اُسے اتنی حیرت کی نظروں سے نہ دیکھتے۔ یہاں تک کہ مسیو دے گراسیں اور اُس کا بیٹا بھی اس حیرانی میں سب کے شریک تھے۔ حالانکہ انہیں اس سے پیشتر بھی فیشن ایبل آدمی دیکھنے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ شاید بات یہ ہوئی کہ اس اجنبی کے بارے میں جو احساسات دوسرے لوگوں کے تھے اُس کا مبہم سا اثر ان دونوں پر بھی پڑا۔ شاید ان کا رویّہ ناپسندیدگی کا بھی نہ تھا۔ اُن کی طنز آمیز نگاہیں اپنے ہمسایوں سے یہ کہتی معلوم ہو رہی تھیں کہ "دیکھا تم نے، پیرس میں کس قسم کا لباس پہنا جاتا ہے"۔

اس وقت گراں دے ایک طویل خط کے مطالعے میں مصروف تھا اس لیے سب لوگ مالکِ مکان کی ناراضی کے ڈر کے بغیر شارل کو پورے اطمینان اور آزادی سے دیکھ سکتے تھے۔ اُس نے اپنے مہمانوں کے آرام یا خوشی کا خیال کئے بغیر میز پر جلتی ہوئی اکیلی موم بتی کو اپنے قریب سرکا لیا تھا۔

یوژینی نے عمر بھر خوبصورتی کا ایسا کامل نمونہ نہ دیکھا تھا چنانچہ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا یہ چچا زاد بھائی کوئی فرشتہ ہے۔ یا کوئی ایسی مخلوق ہے جو آسمان

سے اُتری ہے۔ اس کی نفاست سے بنی سنوری چمکدار زلفوں سے آتی ہوئی خوشبو اُسے بہت ہی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کے نازک اور چکنے دستانوں کی سطح کو چھو کے دیکھے۔ شارل کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں، اس کی رنگت اور اس کے خدو خال کی نفاست پر اُسے رشک آ رہا تھا۔ اپنے چچازاد بھائی کو دیکھ کر اُس کے دل میں وہی لطیف ارتعاش پیدا ہوا جو انگریزی البموں میں حسین عورتوں کی خیالی تصویریں دیکھ کر کسی نوجوان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ چکنے کاغذ پر یہ تصویریں ایسی ہنرمندی سے بنائی جاتی ہیں کہ سانس لیتے ڈر لگتا ہے کہیں یہ جلوہ نظر سے غائب نہ ہو جائے۔ لیکن یوژینی کی زندگی تو جرابیں ٹھیک کرتے اور باپ کے کپڑوں میں پیوند لگاتے گزری تھی۔ وہ تو اُس گندی کھڑکی میں بیٹھی رہی تھی جہاں سے گھنٹے بھر میں بس ایک راہ گیر خاموش گلی میں سے گزرتا دکھائی دیتا تھا۔ اس حسین اور دلفریب نوجوان کو دیکھ کر اس نادان لڑکی کے دل میں جو دھندلے دھندلے تاثرات پیدا ہوئے وہ ایسی تشبیہ کے ذریعے کیسے ادا ہو سکتے ہیں؟

شارل نے جیب سے وہی رومال نکالا جو سکاٹ لینڈ کی طرف سفر کرنے والی امیر خاتون نے کاڑھا تھا۔ یہ بڑی نفیس اور نازک چیز تھی جو محبت کے ہاتھوں ایسے لمحوں میں تیار ہوئی تھی جو محبت کے کام نہ آسکے تھے۔ یوژینی نے بڑے تعجب سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا کہ کیا وہ واقعی اسے استعمال کرے گا؟ شارل کے طور طریقے، آنکھ پر چشمہ لگانے کا انداز، اس کی اکڑ، اس کی بناوٹی ادائیں، اس چھوٹے سے ڈبے کو دیکھ کر اس کی حقارت کا اظہار جسے بے کر گراں دے کی وارثہ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس قدر خوش ہوئی تھی اور جو شارل کی نظروں میں نہایت بیہودہ اور

واہیات سی چیز تھی مختصر یہ کہ ہر وہ بات جس سے کروشوا دہ دےَ گراسیں لوگ ناراض ہوتے تھے، یوتژینی کے لئے اس قدر پسندیدہ تھی کہ رات کو جاگ کر وہ بہت دیر تک بستر پر لیٹی لیٹی اپنے اس عجیب وغریب بھائی کے بارے میں سوچتی رہی۔

اس دوران میں نمبر نکالنے کا کام بڑی سستی سے ہو رہا تھا۔ اس لئے یہ کھیل جلد ہی ختم ہو گیا۔ لمبی تانوں نے کمرے میں داخل ہو کر زور سے کہا۔

"مادام، ان صاحب کے بستر کے لئے مجھے کچھ چادریں دے دیجئے۔"

مادام گراں دے تانوں کے ساتھ چلی گئی اور مادام دےَ گراسیں نے چپکے سے کہا "آؤ اب ہم پیسے رکھیں اور کھیل ختم کریں۔"

ہر کھلاڑی نے ٹوٹی ہوئی طشتری میں سے جس میں بازی کے پیسے جمع تھے اپنا اپنا سکہ اٹھا لیا۔ پھر ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور سب نے آگ کی جانب سرکنا شروع کیا۔

"کیا کھیل ختم ہو گیا؟" گراں دے نے پوچھا جو ابھی تک خط پڑھ رہا تھا۔

"ہاں، ہاں" مادام دےَ گراسیں نے شارل کے پاس بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

یوشژینی کے دل میں یہ مبہم سا جذبہ پہلی دفعہ پیدا ہوا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے ایک نیا خیال آیا اور وہ تانوں اور اپنی ماں کی مدد کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔ اگر کوئی ہوشیار پادری اس سے سوال کرتا تو بلاشبہ وہ اعتراف کر لیتی کہ وہ تانوں یا اپنی ماں کے بارے میں ذرا بھی نہ سوچ رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک عجیب قسم کی بے چینی اور پُرجوش خواہش پیدا ہوئی تھی کہ اپنے بھائی کے کمرے کی ہر چیز ٹھیک کر دے۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے کسی نہ کسی کام میں مصروف رہے تا کہ کوئی چیز ایسی نہ ہو جس کی اس کے

پچا زاد بھائی کو ضرورت محسوس ہو اور وہ وہاں موجود نہ ہو۔ پھر وہ اس بات کا بھی یقین کرنا چاہتی تھی کہ ہر چیز صاف ستھری اور جہاں تک ممکن ہو سکے خوبصورت بھی ہو۔ اُسے ابھی سے یہ خیال ہو چلا تھا کہ صرف وہی ایک ہستی ہے جو اپنے اس بھائی کے خیالات اور مذاق کو سمجھ سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ عین وقت پر پہنچی۔ اس کی ماں اور نانوں یہ یقین کر لینے کے بعد کہ کمرہ بالکل ٹھیک ہو چکا ہے وہاں سے نکلنے ہی والی تھیں لیکن لوئزینی نے ایک لمحے میں انہیں یہ باور کرا دیا کہ ابھی تو سب کچھ کرنا باقی ہے۔ اُس نے نانوں کو بتایا کہ چادروں کو ہوا نہیں لگوائی گئی۔ نانوں کو انہیں گرم کرنے کے لئے انگیٹھی لانی چاہیے اور نیچے چونکہ آگ جل رہی تھی اس لئے راکھ وہاں سے لی جا سکتی تھی۔ اُس نے خود پرانی سی میز پر ایک سفید اور صاف کپڑا نکال کر ڈال دیا اور نانوں کو تاکید کی کہ ہر روز اسے تبدیل کر دیا کرے۔ اُس نے کہا کہ کمرے میں آگ اچھی طرح جلا دینی چاہیے اور اس بارے میں اپنی ماں کے اعتراضات کو بھی خاطر میں نہ لائی۔ اُس نے نانوں کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ باہر دالان میں بہت سی لکڑیاں بھی رکھ دے گی اور مالک سے اس کا ذکر نہ کرے گی۔ وہ بھاگتی ہوئی نیچے بیٹھک میں گئی اور ایک میز میں سے پرانا سا کالے رنگ کا ٹرے نکالا جو مرحوم دے لا بار تیلیئر کی ملکیت تھا اور اسی جگہ سے اُسے ایک ہشت پہلو بلوری گلاس بھی مل گیا۔ ایک اس میں چھوٹا سا چمچہ تھا جس پر کیا ہوا سونے کا ملمع سب اُتر چکا تھا۔ اس کے علاوہ ایک پرانی نازک سی گردن والی شیشے کی بوتل تھی جس پر محبت کے دیوتا کی تصویریں کندہ تھیں۔ ان سب کو اُس نے بڑے فتح مندانہ انداز سے آتشدان کے ایک کونے پر سجا دیا۔ اس پندرہ منٹ کے عرصے میں اُسے اتنی باتیں

سوجھیں کہ پیدا ہونے کے دن سے لے کر آج تک نہ سوجھی تھیں۔

"اماں" وہ بولی "اس چربی والی بتی کی بُو تو اُن سے کبھی برداشت نہ ہوگی۔ موم بتی کیوں نہ منگوالیں؟"

وہ چڑیا کی سی پھرتی کے ساتھ اپنا بٹوہ لینے کے لیئے دوڑی اور اُس میں سے پانچ فرانک کا نوٹ نکال لائی جو اسے مہینہ بھر کے جیب خرچ کے لیے ملا تھا۔

"یہ لو، نانون، جلدی سے لاؤ۔"

"لیکن تمہارے ابا کیا کہیں گے؟"

مادام گراں دے نے بیٹی کو ہاتھ میں چینی کا وہ شکردان لئے دیکھا جو گراں دے فروافوں والی کوٹھی سے ساتھ لے آیا تھا تو اُس نے بھی یہی خوفناک اعتراض کیا۔

"اور آخر چینی آئے گی کہاں سے؟" وہ کہتی گئی "کیا تمہارا دماغ خراب ہوا ہے؟"

"مگر اماں، نانون موم بتی لینے بازار جائے گی تو چینی بھی آسانی سے لا سکتی ہے"

"لیکن پھر تمہارے ابا کو کون سمجھائے گا؟"

"اگر ان کے بھتیجے شربت کا ایک گلاس پینا چاہیں اور نہ ملے تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہوگی؟ پھر اس کے علاوہ انہیں تو اس کا پتہ بھی نہ چلے گا۔"

"تمہارے ابا کو ہمیشہ سب باتوں کا پتہ چل جاتا ہے۔" مادام گراں دے نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ نانون بھی جھجک رہی تھی کیونکہ وہ اپنے مالک کی طبیعت سے واقف تھی۔

"تم جاؤ، نانون، تمہیں معلوم ہے کہ آج میری سالگرہ ہے!"

نانون کوشش کے باوجود ہنسی نہ روک سکی کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کی چھوٹی مالکہ

نے کوئی مذاق کیا ہو۔ اور وہ بازار چلدی۔

موسیو گراں دے نے جو کمرہ اپنے بھتیجے کو دیا تھا اُسے سجانے میں یوژینی اور اس کی ماں پوری کوشش کر رہی تھیں اور اُدھر مادام دے گراسیں کی پوری توجہ شارل کی طرف مرکوز تھی۔ باتیں کرتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں کا بے طرح استعمال کر رہی تھی۔

"آپ کی بڑی ہمت ہے" وہ بولی" کہ آپ سردیوں میں اتنے بڑے شہر کی دلچسپیاں چھوڑ کر سومور میں رہنے چلے آئے۔ لیکن اگر آپ ہمیں دیکھتے ہی ہم سے بدظن نہیں ہوئے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہاں بھی تفریحات کی کمی نہیں" اور اُس نے خالص قصباتی انداز میں اس کی سمت غمزے سے دیکھا۔

قصباتی عورتیں کچھ ایسا شرمیلاپن اور سنجیدگی اختیار کئے رکھتی ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں ایک دزدیدہ اور مشتاقانہ قسم کی بلاغت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جو پادریوں میں پائی جاتی ہے جن کے لئے خوشی ایک مسروقہ یا ممنوعہ چیز ہے۔ شارل کے لئے اس کمرے کا ماحول بالکل نیا تھا اور جس بڑی دولت سرا اور خوبصورت گردونواح کا اُس نے اپنے چچا کی قیامگاہ کے ساتھ تصور کیا تھا اُس سے اس کا قطعاً سروکار نہ تھا۔ چنانچہ ذرا دھیان دینے پر مادام دے گراسیں کے چہرے میں اُسے کچھ پیرس کی زندگی کی جھلک نظر آئی جیسے وہ ان نئے تاثرات کے ہجوم میں بھول سا چلا تھا۔ چنانچہ اس کی طرف جو پیش قدمی ہو رہی تھی اُس نے بھی کھلے دل سے اس کا جواب دیا، لہٰذا ان دونوں کی گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مادام دے گراسیں نے رفتہ رفتہ اپنی آواز اور لہجے کو دھیما کر لیا جو راز و نیاز کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ اُسے اور شارل گراں دے دونوں کو مفاہمت پیدا کرنے اور

ایک دوسرے کا محرمِ راز بن جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ چند منٹ اسی طرح کی عشوہ طرازی اور ہنسی مذاق کے بعد جس کا مقصد نہایت سنجیدہ تھا اس چالاک قصباتی خاتون نے محسوس کیا کہ اب ان کی بات چیت اگر کوئی دوسرا سُن بھی پاتا تو حرج نہیں۔ انگوروں کی فروخت کا مسئلہ آج کل سومور میں لوگوں کا محبوب ترین موضوع بنا ہُوا تھا۔ اسی کے پسِ پردہ اُس نے بات چلائی۔

"اگر آپ کبھی ہمارے ہاں آکر ہماری عزت افزائی کریں" وہ بولی" تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی مجھے اور میرے خاوند دونوں کو آپ سے مِل کر یقیناً بیحد مسرت ہوگی۔ سومور بھر میں صرف ایک ہمارا ہی مکان ایسا ہے جہاں آپ امیر تاجر دل اور رئیسوں دونوں سے مل سکیں گے۔ ایک طرح سے ہمارا تعلق ان دونوں سے ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے ہمارے یہاں کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتے۔ ہمارے یہاں اس وجہ سے آتے ہیں کہ وہاں اچھی دل لگی رہتی ہے۔ مجھے اس کا فخر ہے کہ میرے خاوند کی ان دونوں طبقوں میں بڑی عزت ہے۔ اس لیے ہم پوری کوشش کریں گے کہ آپ یہاں جتنے دن بھی رہیں آپ کو کوفت نہ ہونے پائے۔ اگر آپ گراں دے لوگوں کے پاس رہے تو آپ کا خدا ہی حافظ ہے! توبہ! آپ کے چچا بہت ہی کنجوس ہیں۔ ان کا دماغ سوائے انگوروں کی کٹائی کے اور کہیں کام ہی نہیں کرتا۔ آپ کی چچی تو اللہ میاں کی گائے ہیں، وہ تو یہ بھی نہیں جانتیں کہ دو اور دو مل کے چار ہوتے ہیں۔ اور آپ کی چچازاد بہن ایک پگلی سی معمولی لڑکی ہے جس کی تعلیم و تربیت کا کوئی خیال نہیں کیا گیا اور نہ اُسے پیسے ملتے ہیں۔ اس کی زندگی تو بس جھاڑن سیتے گزرتی ہے۔"

"یہ تو بڑی خوبصورت عورت ہے" شارل نے دل میں سوچا۔ مادام دے گراسیں کی

عشوہ طرازیاں رائیگاں نہیں گئی تھیں۔

"مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے ان صاحب کا اجارہ لے لیا ہے" لمبے چوڑے ساہوکار نے ہنستے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔ یہ فقرہ بڑا منحوس نکلا، کیونکہ یہ سنتے ہی وکیل اور مجسٹریٹ نے کئی طنز آمیز فقرے چست کر دیئے۔ لیکن پادری نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں کچھ اشارہ کیا۔ نسوار کی ایک چٹکی لی اور اپنی ڈبیا دوسروں کی جانب بڑھا دی۔ پھر ان کے خیالات کا اظہار یوں کیا ——————— "سو محترمہ میں ان کی میزبانی کے لئے اس سے بہتر ہستی اور کون ہو سکتی ہے؟"

"ذرا بتایئے تو پادری صاحب، آپ کا اس سے کیا مطلب ہے؟ موسیو دتے گراسیں نے پوچھا۔

"جی، میں تو آپ کی بھی تعریف کر رہا ہوں، خاتونِ محترم کی بھی، اپنے شہر کی بھی اور ان صاحب کی بھی" چالاک پادری نے شارل کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ظاہر میں تو اس نے ان دونوں کی گفتگو پر دھیان ہی نہ دیا تھا، لیکن دراصل وہ بھانپ گیا تھا کہ بات کدھر جا رہی ہے۔

آخر کار آدولف دے گراسیں نے بھی زبان کھولی اور بے پروائی کا سا انداز اختیار کرتے ہوئے شارل سے بولا "معلوم نہیں آپ کو یاد ہے یا نہیں۔ ایک بار موسیو لا بارون دے نوسنجین کے ہاں مجھے آپ والی چوکڑی میں ڈانس کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا، اور . . . ."

"مجھے اچھی طرح یاد ہے" شارل نے جواب دیا۔ اپنے آپ کو لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا دیکھ کر وہ چونک سا پڑا تھا۔

"کیا یہ آپ کے صاحب زادے ہیں؟" اس نے مادام دے گراسیں سے پوچھا۔
پادری نے مادام کی طرف کینے کی نظر سے دیکھا۔
"جی ہاں، میں اس کی ماں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔
"جب آپ پیرس تشریف لائے تھے تو شاید آپ کی عمر بہت کم تھی۔" شارل نے آدولف سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"جناب، یہ ہمارے بس کی بات نہیں"۔ پادری نے کہا "ہمارے بچے ابھی پوری طرح دودھ بھی نہیں چھوڑ پاتے کہ ہم انہیں پیرس بھیج دیتے ہیں۔"
مادام دے گراسیں نے ایک عجیب چبھتی سی نظر پادری پر ڈالی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔
پادری بولتا رہا۔ "اگر آپ ایسی عورتیں دیکھنا چاہتے ہیں جن کی عمر تیس سال سے اوپر ہو گئی ہو، بیٹا وکالت کی سند لے آیا ہو، مگر ابھی تک ایسی جوان اور تر و تازہ معلوم ہوں جیسی مادام دے گراسیں ہیں تو دیہات میں جائیے۔ مادام، یہ ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے کہ جب نوجوان مرد اور عورتیں کرسیوں پر چڑھ چڑھ کے آپ کو ڈانس کرتے ہوئے دیکھا کرتے تھے۔" پادری نے اپنی خوبصورت حریف کی طرف پلٹتے ہوئے کہا "آپ کی کامیابیوں کی دھوم میرے ذہن میں ایسی تازہ ہے جیسے حال ہی کا واقعہ ہو۔"
"ارے! یہ کمبخت بڈھا!" مادام دے گراسیں نے سوچا "کیا یہ ممکن ہے کہ وہ میرے ارادے تاڑ گیا ہو؟"
"ایسا معلوم ہوتا ہے مجھے سومور میں بڑی کامیابی ہوگی،" شارل نے سوچا۔ اس نے اپنے اوورکوٹ کے بٹن کھول دیئے اور واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کے کھڑا ہو کر

خلا کو تکنے لگا۔ یہ بالکل وہی انداز تھا جو فن کار شانتری نے بائیرن کا بُت بناتے ہوئے اُسے عطا کیا ہے۔

گراں ود سے خط پڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں اُس کی بے توجہی، بلکہ حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت سرکاری وکیل اور مجسٹریٹ کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ بڈھے کے چہرے پر بتی کی پوری روشنی پڑ رہی تھی، اور یہ دونوں اُس کے چہرے کی خفیف اور مبہم تبدیلیوں سے خط کے مضمون کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بڈھے کو وہ ہمیشہ کا سا سکون برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ آپ خود اندازہ کر لیجئے کہ وہ کیسا لگ رہا ہو گا۔ بہر حال وہ تشویشناک خط یہ تھا۔

"برادرم، ——— ہمیں ایک دوسرے سے ملے تقریباً تیئیس[۲۳] سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ہماری آخری ملاقات میری شادی کے موقع پر ہوئی تھی اور ہم بڑے خوش خوش جدا ہوئے تھے۔ لیکن جس وقت تم ہماری خوش بختی پر اپنے آپ کو خراج تہنیت پیش کر رہے تھے اس وقت مجھے یہ ذرا بھی خیال نہ تھا کہ ایک دن تم ہمارے خاندان کا واحد سہارا ہو گے۔ جب یہ خط تمہیں ملیگا تو میں اس دنیا میں موجود نہ ہونگا۔ میں موجودہ حالات میں دیوالیہ ہونے کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ مَیں نے آخری وقت تک اپنے سر کو اس امید میں بلند رکھا کہ شاید یہ طوفان ٹل جائے۔ لیکن اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے ڈوبنا ہی پڑے گا۔ میرا دلال بھی ناکام رہا، اور اس کے بعد میرا وکیل رو گیں بھی۔ میری آخری پائی تک خرچ ہو چکی ہے اور اب کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ میری بڑی بدقسمتی ہے کہ اس وقت میں کوئی چالیس لاکھ کا قرضدار ہوں اور میری کل جائداد سے صرف پچیس[۲۵] فی صدی قرض ادا ہو سکتا ہے۔ میرے پاس شراب کا بہت بڑا ذخیرہ ہے لیکن تمہاری شراب اتنی اچھی اور

مقدار میں اتنی زیادہ ہے کہ اس کی قیمت بے حد گر گئی ہے۔ تین دن کے اندر سارا پیرس یہ کہے گا کہ "گراں دسے دغا باز تھا"! اور میں اگرچہ ایماندار آدمی ہوں لیکن بدنامی کے کفن میں لپٹا پڑا ہوں گا۔ میں نے خود اپنے بیٹے کو ماں کی طرف سے ملی ہوئی جائداد سے بھی محروم کر دیا ہے اور خاندان کے نام پر دھبہ لگا دیا ہے۔ یہ بیچارہ بچہ جسے میں نے دیوتا کی طرح پوجا ہے اس سارے معاملے سے بالکل بے خبر ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ جس وقت ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے اسے کوئی علم نہ تھا اور میرے دل میں اس کے لئے محبت امڈ رہی تھی۔ اب اس دل کی حرکت جلد ہی بند ہونے والی ہے۔ کیا ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ مجھ پر لعنت بھیجے گا؟ آہ! میرے بھائی! ایک بچے کی بددعا بہت بری چیز ہے! اگر ہم اپنے بچوں پر لعنت بھیجیں تو وہ خدا سے رحم کی درخواست کر سکتے ہیں، لیکن ان کی بددعائیں ہمیشہ کے لئے ہمارے دامن سے چپک کر رہ جاتی ہیں! گراں دسے، تم میرے بڑے بھائی ہو۔ مجھے اس آفت سے بچاؤ۔ ایسا نہ ہونے پائے کہ میں تو قبر میں پڑا ہوں اور شارل مجھے سخت سست کہے۔ آہ! میرے بھائی، اگر اس خط کا ہر لفظ میرے آنسوؤں یا خون سے لکھا جاتا تو مجھے اتنی سخت تکلیف نہ ہوتی کیونکہ اس وقت تو میں روتے روتے، اپنا خون بہاتے بہاتے مر جاتا اور اس طرح میری مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن اس وقت تو میں انتہائی کرب میں مبتلا ہوں ——— میں اپنی خشک آنکھوں سے موت کو سامنے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا اب تم ہی شارل کے باپ ہو! ماں کی طرف سے اس کا کوئی عزیز نہیں ہے جس کی وجوہات تمہیں معلوم ہیں۔ آخر میں نے سماجی تعصبات کا لحاظ کیوں نہ رکھا؟ میں نے محبت کی پیروی کیوں کی؟ میں نے ایک رئیس کی ناجائز اولاد

سے شادی کیوں کرلی؟ شارل اپنے خاندان کا آخری فرد ہے اور اس دنیا میں تنہا ہے۔
آہ! میرا ننا دلڑ کا، میرا بیٹا!

...... سنو، گراں دے، مَیں اپنے لئے کچھ نہیں مانگتا اور ویسے اگر تم چاہو بھی تو میرے قرض خواہوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کیونکہ تمہاری جائداد تین لاکھ کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو میں اپنے بیٹے کی خاطر لکھ رہا ہوں تمہیں معلوم ہونا چاہیئے میرے بھائی، کہ میں ہاتھ جوڑے یہ درخواست کر رہا ہوں اور یہ ایک مرتے ہوئے آدمی کی آخری التجا ہے۔ گراں دے، مَیں جانتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ باپ کا سا برتاؤ کرو گے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میری یہ درخواست رائیگاں نہیں جائے گی اس لیے سامنے پڑے ہوئے پستول سے مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا۔

وہ شارل کو مجھ سے بے انتہا محبت ہے۔ میں اس پر بہت مہربان تھا اور کبھی اس کی کوئی بات رد نہیں کی۔ اس لیے وہ مجھے بُرا بھلا نہیں کہے گا! باقی تم خود ہی دیکھ لو گے کہ وہ کس درجہ خوش مزاج اور فرمانبردار ہے۔ وہ اپنی ماں پر گیا ہے تمہیں کبھی تنگ نہیں کرے گا۔ بیچارہ لڑکا! وہ عیش و عشرت کا عادی ہے اور اُسے اُن سختیوں کا علم تک نہیں جن سے مجھے اور تمہیں اپنی غریبی کے زمانے میں سابقہ رہا تھا ...... اور اب اس کے پاس ایک چھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں اکیلا ہے کیونکہ اس کے تمام دوست یقیناً اس سے کنارہ کرلیں گے۔ اس کی اس ذلت اور شرمساری کا سبب میں ہی ہوں۔ آہ، کاش مجھ میں طاقت ہوتی تو میں اُسے ابھی سیدھا جنت میں بھیج دیتا جہاں اس کی ماں ہے! خیر یہ تو محض پاگل پن ہے! اچھا، اب میری بدبختی اور شارل کی مصیبت کا باقی قصہ سنو۔ میں نے اسے تمہارے پاس

اس لئے بھیجا ہے کہ تم اسے میری موت کی خبر سنا دو اور یہ سمجھا دو کہ اس کا مستقبل کس طرح کا ہوگا۔ تم اس کے لئے باپ بن جانا، آہ! بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اپنے آپ کو ایک شفیق باپ ثابت کرنا! یہ توقع نہ رکھنا کہ وہ اپنے سیر سپاٹے ایک دم سے چھوڑ دے۔ اس طرح تو وہ گھٹ کے مر جائے گا۔ یاں اس کے بیر چھوکے اس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی ماں کی جائداد پر کوئی دعویٰ نہ رکھے۔ یہ تو مجھے اس سے کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ وہ اپنی عزت کی خاطر میرے قرضخواہوں کی فہرست میں شامل ہونے سے گریز کرے گا۔ تم خیال رکھنا کہ وقت آنے پر وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے۔ اور پھر گراں دے، تم اسے ساری باتیں صاف صاف بتا دینا کہ اسے زندگی میں کیسی کیسی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑیگا اور کیا کیا سختیاں جھیلنی پڑیں گی۔ اس کی زندگی میری وجہ سے خراب ہوئی ہے، لیکن اگر اس کے دل میں میرے لئے تھوڑی سی محبت باقی ہو تو میری طرف سے اس کو کہہ دینا کہ اب بھی اس کے لئے ساری امیدیں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ دیکھو، اس سے یہ کہنا مت بھولنا، محنت سے ہماری نجات ہوئی تھی، محنت ہی سے وہ دولت پھر واپس آسکتی ہے جو میں نے کھو دی۔ اس کا باپ تو اسے قبر سے بھی پکارتا رہے گا۔ اگر وہ باپ کی بات مانے تو ملک چھوڑ کر انڈیز چلا جائے۔ بھائی، شارل بڑا ایماندار اور ہمت والا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر اس نے تجارت شروع کی تو پہلی دفعہ تم اس کی مدد ضرور کروگے۔ چاہے اسے مردھڑ کی بازی لگانی پڑے، لیکن تمہارا یہ قرض ضرور چکادے گا۔ گراں دے، تمہیں اتنا تو اس کے لئے کرنا ہی پڑے گا ورنہ بعد میں افسوس کروگے۔ آہ! اگر میرے لڑکے کو تمہاری طرف سے کوئی ہمدردی یا مدد نہ ملی تو میں ہمیشہ خدا سے دعا کرتا رہونگا

کہ وہ تمہیں اس سنگدلی کی سزا دے۔ اگر میں بعض رقمیں ادا نہ کرتا تو اُس کے لئے تھوڑا بہت پیسہ بچا سکتا تھا۔ آخر اپنی ماں کی کچھ جائداد پر تو اس کا بھی حق ہے ــــ لیکن مہینے کے آخر میں جو ادائیگی کرنی پڑی، اُس سے بالکل صفایا ہو گیا، اور میں کچھ بھی نہ بچا سکا۔ اگر مجھے اس کے مستقبل کے بارے میں تسلی ہوتی تو میں کتنے اطمینان سے مرتا۔ کاش تمہارا، ہاتھ سے لکھا ہُوا کوئی پختہ وعدہ مجھے موصول ہو جاتا تو میں کیسا سکون محسوس کرتا۔ لیکن وقت اب اتنی مہلت نہیں دیتا۔ شارل تو ابھی راستے ہی میں ہے اور مجھے اپنے قرضے کی فہرست داخل کرنی ہے۔ مَیں نے سارے معاملات ٹھیک ٹھاک کر دیئے ہیں اور ہر چیز کو ایسے ترتیب دینے کی کوشش کر رہا ہوں جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ میری ناکامی کسی بے پروائی یا بے ایمانی کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ اس کا سبب ایسی ناگہانی آفات تھیں جنہیں روکنا میرے بس کی بات نہ تھی۔ کیا یہ سب کچھ میں شارل ہی کے خیال سے نہیں کر رہا ہوں؟ خدا حافظ میرے بھائی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم میری وصیت پر عمل کرو گے۔ خدا تمہیں اس دریا دلی کا اجر دے۔ اُس دنیا میں جہاں ہم سب کو جلد یا بدیر جانا ہی ہے، ایک شخص ہمیشہ تمہارے لئے دعا کرتا رہے گا، اور میں تو اس وقت بھی اپنے آپ کو اُسی دنیا میں محسوس کر رہا ہوں۔

وکتور آنشر گیوم گراں دے۔"

"ہاں تو آپ سب گپیں ہانک رہے ہیں؟" بڈھے گراں دے نے خط کو نہایت احتیاط سے اسی طریقے سے تہ کیا جیسے وہ اسے ملا تھا اور پھر اسے اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے یہ سوال کیا۔

اس کے بعد اس نے کچھ جھینپتے اور بوکھلاتے ہوئے بھتیجے کی طرف دیکھا، اور اپنے احساسات اور خدشات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"کچھ گرمی آئی ہے؟"

"میرے پیارے چچا، میں بڑے آرام سے ہوں۔"

"اچھا، یہ عورتیں کیا کرتی پھر رہی ہیں؟" اس کے چچا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ اس وقت اس کے ذہن سے یہ بات بالکل اُتر گئی تھی کہ اس کا بھتیجا اسی گھر میں سوئیگا۔

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ بوڑھی اور مادام گراں دسے کمرے میں آگئیں۔

"کیا اوپر سب ٹھیک ہوگیا؟" ان حضرت نے دریافت کیا۔ اب اُس نے اپنے اوپر قابو پا لیا تھا اور پوری صورت حال اُسے یاد آگئی تھی۔

"ہاں، ابا۔"

"بہت اچھا، بیٹے، اگر تم تھکاوٹ محسوس کر رہے ہو تو نانوں تمہیں تمہارا کمرہ بتا دے گی۔ یہ کمرہ کوئی ایسا اچھا تو نہیں ہے، لیکن تمہیں اس کا خیال نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہاں تم غریب کاشتکاروں کے یہاں آئے ہو جن کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں بچتا۔ ہمارے پاس تو جو کچھ ہوتا ہے وہ ٹیکس ہی میں نکل جاتا ہے۔"

"گراں دسے، ہم مخل ہونا نہیں چاہتے۔" ساہوکار نے کہا "تمہیں اپنے بھتیجے سے کچھ باتیں کرنا ہونگی اس لئے ہم رخصت ہوتے ہیں۔ کل تک کے لئے خدا حافظ!"

اس پر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے طریقے سے رخصت چاہی۔ بڈھا سرکاری وکیل ڈیوڑھی میں اپنی لالٹین لینے گیا، اُسے جلایا اور دسے گراسیں لوگوں کو گھر تک پہنچانے کا ذمہ لیا۔

مادام دے گراسیں کہ قطعاً یہ امید نہ تھی کہ ایسا واقعہ ہوگا اور شام کی محفل اتنی جلد ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ مادام دے گراسیں کی خادمہ ابھی تک نہ آئی تھی۔

"مادام، میرا بازو حاضر ہے۔ میری عزت افزائی کیجئے۔" پادری کرد شو نے اس سے کہا۔

"پادری صاحب، آپ کا شکریہ۔" خاتون نے بُرکھائی سے کہا "میرا بیٹا میرے ساتھ ہے۔"

"کسی خاتون کا میرے ساتھ ہونا کوئی شرم کی بات نہیں۔" پادری بولا۔

"موسیو کرد شو کا بازو تھام لو۔" مادام کے خاوند نے کہا۔

پادری اس خوبصورت خاتون کو ساتھ لئے تیزی سے چند قدم آگے نکل گیا تاکہ دوسرے لوگوں سے قدرے فاصلے پر ہو جائیں۔

"مادام، یہ نوجوان بڑا خوبصورت ہے۔" اُس نے مادام کے بازو پر ذرا بوجھ ڈالتے ہوئے کہا تاکہ فقرے میں زور پیدا ہو جائے "سواری بڑھا پیئے، جو ملنا تھا مل چکا۔ اب آپ مادام وازیل گراں دے کا نہال چھوڑ دیجئے۔ یوژینی تو یقیناً اپنے چچا زاد بھائی کے لیے ہی ہے۔ اگر وہ پیرس میں کسی اور حسین چہرے کی محبت میں گرفتار نہیں ہے تو آپ کے بیٹے آدولف کا سمجھیے ایک اور حریف پیدا ہوا . . . . ."

"آپ فضول باتیں کرتے ہیں" پادری صاحب اس نوجوان کو یہ جاننے میں دیر نہیں لگے گی کہ یوژینی ایسی لڑکی ہے جو اپنے بارے میں کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتی اور اس کی صورت بھی تو ایسی ویسی ہو کے رہ گئی ہے۔ کیا آپ نے دھیان نہیں کیا؟ آج شام

وہ بالکل زرد نظر آ رہی تھی۔"

"او، شاید، یہ بات آپ نے اُس کے چچازاد بھائی کو سُجھا بھی دی ہے؟"

"جی، میں نے یہ زحمت گوارا نہیں کی کہ . . . ."

"مادام، اگر آپ ہمیشہ یوژینی کے قریب بیٹھا کریں" پادری نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا "تو آپ کو اس نوجوان سے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ وہ خود ہی مقابلہ کر کے دیکھ لے گا۔"

"اس نے فوراً مجھ سے وعدہ کر لیا کہ وہ پرسوں ہمارے ساتھ کھانا کھائے گا۔"

"آہ، مادام" پادری نے کہا "اگر آپ صرف اتنا کریں . . . ."

"اتنا کیا، پادری صاحب؟ کیا آپ میرے دل میں شیطانی وسوسے پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ خدا کا شکر ہے کہ اُنتالیس سال کی عمر ہو گئی، مگر آج تک کسی کو میری طرف انگلی اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔ تو کیا اب اپنے نام کو بٹہ لگا دوں گی؟ بادشاہت بھی ملے تو ایسی بات نہ کروں۔ ہم دونوں کوئی بچے تو ہیں نہیں، ہمیں معلوم ہے کہ اس قسم کی باتوں کے کیا معنے ہیں۔ معاف کیجئے گا، آپ کا پیشہ تو بڑا مقدس ہے، ایسے خیالات آپ کو زیب نہیں دیتے۔ ذرا تو لحاظ کیجئے۔ یہ تو ایسی باتیں ہیں جیسی "فوبلا" میں لکھی ہیں۔"

"اچھا تو آپ نے یہ ناول پڑھا ہے؟"

"نہیں، پادری صاحب۔ میں دراصل "خطرناک دوست"، کا ذکر کر رہی تھی۔"

"ارے، وہ تو بہت ہی نصیحت آمیز ناول ہے" پادری نے ہنستے ہوئے کہا "لیکن آپ تو مجھے آجکل کے نوجوانوں کی طرح اخلاق باختہ سمجھ رہی ہیں۔ میرا مطلب

تو صرف یہ تھا کہ آپ . . . .''

''کیا آپ واقعی دل پہ ہاتھ رکھ کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ میرے اوپر چوٹ نہیں کر رہے تھے ؟ بات تو بالکل سیدھی سادی ہے ۔ وہ نوجوان واقعی خوبصورت ہے ۔ میں آپ کی یہ بات تو مانتی ہوں لیکن اگر وہ مجھ سے عشق لڑا رہا تھا تو یہ کچھ اس وجہ سے تو نہ تھا کہ مجھے اسکی چچا زاد بہن سے دلچسپی ہے ۔ پیرس میں تو میں جانتی ہوں کہ بہت سی شفیق مائیں اپنے آپ کو اپنی اولاد کی خوشی اور بہتری کے لئے قربان کر دیتی ہیں ۔ لیکن پادری صاحب ہم پیرس میں تو رہتے نہیں''

''جی ، بجا ہے ، مادام ''

وہ بولتی گئی ''پھر آدولف یا میں اس قیمت پر تو ایک کروڑ کی جائداد کو بھی ہاتھ نہ لگائیں ''

''مادام ، مَیں نے تو ایک کروڑ کا نام بھی نہیں لیا ۔ شاید اس قسم کا لالچ تو ہم دونوں کے لئے بہت ہوتا ۔ لیکن میرے خیال میں کسی ایماندار عورت کے لئے تھوڑی بہت بے ضرر سی لگاوٹ بازی میں کچھ ایسا حرج بھی نہیں ۔ یہ تو اس کے سماجی فرائض کا حصہ ہے اور ــــ''

''کیا آپ کا یہ خیال ہے ؟''

''یہ تو سبھی کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہمیں پسند کریں ۔ کیا یہ ہمارا حق نہیں ؟ . . . معاف کیجئے میں ذرا ناک صاف کر لوں . . . . . ''مادام ، یہ بات تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ جس پسندیدگی کی نظر سے اُس نے آپ کو دیکھا اُس طرح مجھے نہیں دیکھا ۔ لیکن اس کے لئے مَیں اسے معاف کر سکتا ہوں کہ اُس نے سفید بالوں کی بہ نسبت

حسن کو زیادہ قابلِ عزت سمجھا۔ ۔ ۔ "

"یہ تو صاف ظاہر ہے" مجسٹریٹ نے اپنی موٹی آواز میں کہا "کہ پیرس والے موسیو گراں دے نے اپنے بیٹے کو سومور کیوں بھیجا ہے۔ اس کا ارادہ ہوگا کہ یہ رشتہ طے ہو جائے۔ ۔ ۔ "

"تو پھر اس چچا زاد بھائی کو اس طرح آسمان سے ٹپک پڑنے کی کیا ضرورت تھی" سرکاری وکیل نے جواب دیا۔

"یہ تو خیر کوئی بات نہیں" موسیو دے گراسیں نے رائے دی "بڈھا گراں دے کوئی ایسا دور تو نہیں رہتا تھا"

"دے گراسیں" اس کی بیوی بولی "میں نے اس نوجوان کو اپنے ہاں کھانے پر آنے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے تم موسیو اور مادام دے لارسونیر کو بھی بلا دینا اور دوا دونوا لوگوں سے کہنا کہ وہ اپنی خوبصورت لڑکی کو بھی ضرور ساتھ لائیں۔ مجھے امید ہے وہ کم از کم اس بار تو اچھے کپڑے پہن کر آئے گی۔ اس کی ماں کو تو اس سے جلن ہے۔ ہمیشہ اسے بے ڈھنگی سی بنائے رکھتی ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات بھی آکر ہماری عزت افزائی فرمائیں گے" اس نے جلوس کو روکتے ہوئے دونوں کروشو لوگوں کی طرف مڑ کر کہا جو ذرا پیچھے رہ گئے تھے۔

"یہ لیجئے مادام، ہم تو آپ کے دروازے پر آ پہنچے" سرکاری وکیل نے کہا۔

تینوں کروشو لوگ دے گراسیں لوگوں سے رخصت ہوئے، اور گھر تک راستے میں ایک دوسرے کی خوب خبر لی۔ اس بات میں قصباتی لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس فن کا پورا پورا مظاہرہ ہوا۔ شام کے عجیب واقعہ پر ہر پہلو سے بحث

کی گئی، کہ مسٹر اور مسز گراسیں لوگوں پر اس کے مختلف اثرات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی بہتری اسی میں تھی کہ کسی طرح یوڑینی کو اپنے اس چچا زاد بھائی سے محبت نہ ہونے پائے اور شارل کو یوڑینی میں دلچسپی لینے سے روکا جائے۔ عیارانہ اشارے، دل کو لگنے والے کنائے، دھیمے لفظوں میں تعریفیں، اور سچی دوستی کی آڑ میں بدلہ لینے کی دُھن ———— غرضکہ جب اس قسم کی فریب کاریوں کا استعمال ہو رہا ہو تو پیرس کا رہنے والا ان کا کیسے مقابلہ کر سکتا تھا؟

جب یہ چاروں رشتہ دار بڑے کمرے میں اکیلے رہ گئے تو گراں دے نے اپنے بھتیجے سے کہا "اب ہمیں سو جانا چاہیے۔ کیونکہ جس سلسلے میں تم یہاں آئے ہو آج رات اس کے بارے میں باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ رات زیادہ جا چکی ہے ویسے بھی کل اس کے لیے کافی وقت ہو گا۔ ہم یہاں آٹھ بجے ناشتہ کرتے ہیں۔ دوپہر کے وقت تھوڑا بہت پھل۔ روٹی کا ایک آدھ لقمہ لے کر شراب کا ایک گلاس پی لیتے ہیں اور پھر پیرس کے رہنے والوں کی طرح پانچ بجے کھانا کھاتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہی طریقہ چلا آتا ہے۔ اگر تم شہر دیکھنا چاہو یا اِدھر اُدھر میدانوں میں گھومنا پسند کرو تو بڑے شوق سے جاؤ اور اگر میں اپنے کام کی وجہ سے ہمیشہ تمہارے ساتھ نہ آسکوں تو مجھے معاف کر دینا۔ بہت ممکن ہے کہ لوگ تمہیں بتائیں کہ میں امیر ہوں کیونکہ موسیو گراں دے کا ہر جگہ ذکر ہوتا رہتا ہے۔ میں ان باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ ان کے باتیں بنانے سے میری نیک نامی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن میرے پاس ایک پائی بھی نہیں بچتی اور اگرچہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، پھر بھی ایسے بڑھئی کی طرح کام کرتا ہوں جس کے پاس اس دنیا میں سوائے رندے بسولے اور مضبوط بازوؤں کے اور کچھ بھی

نہ ہو۔ شاید چند دن میں تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جب خود مشقت کرنی پڑے تو ایک ایک پیسہ کمانے کے لئے کس قدر محنت درکار ہوتی ہے۔ نانون، چلو بتیاں لے کر آؤ۔"

"بیٹے، امید ہے کہ تمہیں اپنی ضرورت کی ہر چیز وہاں مل جائے گی۔" مادام گراں دے نے کہا "لیکن اگر کوئی چیز رہ گئی ہو تو نانوں کو آواز دے لینا۔"

"میری پیاری چچی، شاید ہی مجھے کسی چیز کی ضرورت پڑے کیونکہ میں سمجھتا ہوں، میں اپنی سب چیزیں ساتھ لے کر آیا ہوں۔ اچھا اب میں آپ کو اور بہن کو شب بخیر کہہ کر اجازت چاہتا ہوں۔"

شارل نے نانوں کے ہاتھ سے جلتی ہوئی موم بتی لے لی۔ یہ اسی شہر کی بنی ہوئی تھی اور دکان میں پڑی پڑی پرانی، گندی اور پیلی سی ہو چکی تھی اور معمولی چربی کی بتی سے اتنی مشابہ تھی کہ موسیو گراں دے کو شبہ تک نہ ہو سکا کہ میرے سامنے یہ ٹھاٹ باٹ ہو رہے ہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ گھر میں اس قسم کی کوئی حرکت ہو گی۔

"میں تمہیں راستہ دکھاتا ہوں" اس بھلے آدمی نے کہا۔ کھانے کے کمرے کا ایک دروازہ سیدھا ڈیوڑھی کی طرف کھلتا تھا اور سامنے سیڑھیاں تھیں۔ لیکن آج رات مہمان کی خاطر کے خیال سے وہ اس راستہ سے گیا جو باورچی خانے کو کھانے کے کمرے سے الگ کرتا تھا۔ ایک نہ ہو جانے والا دروازہ جس میں بیضوی شکل کا شیشہ لگا تھا اس راستے کی طرف کھلتا تھا لیکن سیڑھیوں کے قریب سے اُسے بند کر دیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ٹھنڈی ہوا کے ان جھونکوں سے بچاؤ ہو سکے جو ڈیوڑھی میں سے ہوتے

ہوئے اندر پہنچتے تھے ۔ اور اسی خیال سے رنگ برنگی دھجیوں کی ٹپیاں بنا کر دروازوں پر کیلوں سے جڑ دی گئی تھیں ۔ لیکن سردیوں میں مشرقی ہوا اندر آ ہی جاتی اور گھر میں تراٹے بھرتی رہتی ۔ اس لئے کھانے کا کمرہ کبھی ٹھیک طرح گرم نہ رہتا ۔

نانوں باہر نکل گئی اور پھاٹک کی کنڈی چڑھا دی ۔ کھانے کے کمرے کے دروازے کی چٹخنی بند کی اور پھر اصطبل کی طرف چلی تاکہ ایک لمبے چوڑے ٹھیریا نما کتے کی زنجیر کھول دے ۔ اس کتے کی آواز ایسی پھٹی ہوئی سی تھی کہ بالکل یوں معلوم ہوتا جیسے اس کے گلے میں سوزش ہو گئی ہے ۔ اس کی خونخوار طبیعت کا سب کو علم تھا اور نانوں ہی ایک ہستی تھی جو اسے قابو کر لیتی تھی ۔ ان دونوں میدانوں کے رہنے والوں میں وحشیانہ عنصر موجود تھا ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے ۔

نتاریل نے میلی کچیلی زرد دیواروں اور دھوئیں سے کالی چھت کی طرف نظر ڈالی اور یہ بھی دیکھا کہ پرانی دیمک چاٹی ہوئی سیڑھیاں اس کے چچا کے بھاری قدموں کے نیچے کیسے لرز رہی ہیں ۔ اب اس کی آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں ۔ اصل حقیقت یہ تھی: یہ جگہ اچھی خاصی مرغیوں کا ڈربہ معلوم ہو رہی تھی ۔ اُس نے سوالیہ انداز میں اپنی چچی اور بہن کو دیکھا لیکن وہ اس زینے کی خصوصیات کی اس حد تک عادی ہو چکی تھیں کہ انہیں کبھی یہ خیال تک نہ آیا تھا کہ اس میں کوئی تعجب خیز بات ہے ۔ چنانچہ اس کی اس پریشانی کو دوستی کا مظاہرہ سمجھتے ہوئے وہ بڑے اخلاق سے اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیں ۔ اس مسکراہٹ نے اس کی ہمت توڑ دی اور وہ بچارا گم سُم رہ گیا ۔

"آخر میرے باپ کو مجھے یہاں بھیجنے کی کیا سوجھی ؟" اُس نے اپنے دل میں سوچا ۔ پہلی منزل پر پہنچ کر اسے تین دروازے نظر آئے جن پر ٹمیالا سا لال رنگ پھرا

ہوا تھا۔ ان پر نقش و نگار بالکل نہ تھے۔ چنانچہ مٹی سے اَٹی ہوئی دیواروں میں دروازے بمشکل دکھائی دیتے تھے۔ ان کے وجود کا پتا بھاری بھاری لوہے کی سلاخوں سے چلتا تھا جو ان کے دونوں طرف سجاوٹ کے لئے لگی تھیں، اور جن کے سروں پر بھدا سا پھول بنا ہوا تھا۔ اسی قسم کے نقش جالی کے سوراخوں کے گرد تھے۔ سیڑھیوں کے اوپر ایک دروازہ تھا جو کسی زمانے میں باورچی خانے کے اوپر والے کمرے میں کھلتا تھا لیکن اب بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ اب تو یہ حال تھا کہ داخلہ صرف گراں دے کے کمرے میں سے ہی ہو سکتا تھا اور یہ باورچی خانے کے اوپر والا کمرہ گویا اس انگوروں کے کاشتکار کا مندر تھا۔

دن کی روشنی صرف ایک ہی کھڑکی کے ذریعے اندر پہنچتی تھی جو باہر صحن کی طرف کھلتی تھی اور جس میں حفاظت کے خیال سے بہت موٹی موٹی لوہے کی سلاخوں کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔ مکان کا مالک کسی کو بھی اس کمرے میں قدم رکھنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ یہاں وہ ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ تن تنہا بیٹھتا تھا جیسے کوئی کیمیا گر اپنی کٹھالیوں کے درمیان۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں نہایت ہوشیاری سے بنائی ہوئی کوئی خفیہ جگہ تھی کیونکہ اس میں وہ اپنی جائداد کی دستاویں رکھا کرتا تھا اور یہیں وہ نفیس ترازو رہتی تھی جن میں وہ اپنے سکے تولا کرتا تھا۔ اسی کمرے میں بیٹھ کر وہ ہر رات رسیدیں بناتا، وصول شدہ رقم کی فہرست تیار کرتا اور مختلف تجاویز پر غور و فکر کرتا تھا۔ اس لئے جب دوسرے تاجر لوگ اُسے کبھی مصروف نہ دیکھتے اور وہ ہمیشہ ہر ناگہانی ضرورت کے لئے تیار ملتا تو ان کا یہ سوچنا بھی ٹھیک ہی تھا کہ گراں دے کے قبضے میں کوئی جن یا پری ہے جو ہر موقعے پر اس کی مدد کے لئے حاضر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب نانوں کے خرلٹے چھت

کی کڑیاں تک ہلا دیتے، خونخوار پہرہ دینے والا کُتا باہر شکار کی تلاش میں بھونکتا پھرتا، مادام گراں دے اور یوژینی گہری نیند سو رہی ہوتیں تو اس وقت جو بڈھا مین ساز اپنا سونا نکال بیٹھتا اُسے چمکارتا، جھک کے پیار کرتا، کھلونے کی طرح اس سے کھیلتا، بیٹھا اُسے دیکھتا رہتا اور پھر اس طرح روپے کے نشے میں دُھت ہو کے آخر سو جاتا۔ دیواریں بہت موٹی موٹی تھیں اور مضبوطی سے بند کی ہوئی کھڑکیاں اور روشندان بہ ساری باتیں راز میں رکھتے تھے۔ اس تجربہ گاہ کی چابی صرف اسی کے پاس رہتی تھی اور اگر افواہیں سچی تھیں تو اس کے پاس ایسے نقشے تھے جن میں اُس کی زمینوں کا ایک ایک پیڑ بنا ہوا تھا۔ یہاں بیٹھ کر وہ ان نقشوں پر غور کرتا، اور اُن کی مدد سے انگوروں کی ایک ایک ٹہنی کی پیداوار کا اندازہ لگا لیتا اور اپنی لکڑی کے ایک ایک ٹکڑے کا تخمینہ کر لیتا۔

یوژینی کے کمرے کا دروازہ اس بند کئے ہوئے دروازے کے سامنے تھا۔ مکان کے سامنے والے حصّے میں موسیو اور مادام گراں دے کا کمرہ تھا۔ اندر کی طرف سے اس کے دو حصے کر دیئے گئے تھے۔ مادام گراں دے کا کمرہ یوژینی کے برابر والا تھا اور بیچ میں آنے جانے کے لئے ایک شیشے کا دروازہ تھا۔ کمرے کا آدھا حصّہ ایک موٹی سی دیوار کے ذریعے اس پُراسرار خلوت گاہ سے الگ کر دیا گیا تھا اور وہ مالک مکان کا کمرہ تھا۔ اس شخص گراں دے نے بڑی مکاری سے اپنے بھتیجے کو دوسری منزل پر کمرہ دیا تھا جو خوب ہوادار اور عین اس کے کمرے کے اوپر واقع تھا تاکہ وہ اس نوجوان کی ہر نقل و حرکت کی آواز سُن سکے اور اگر وہ باہر جانے کا ارادہ کرے تو بھی پتہ چل جائے۔

یوژینی اور اس کی ماں پہلی منزل پر پہنچیں، ایک دوسرے کو بوسہ دیا اور شب بخیر

کہہ کر رخصت ہوئیں۔ وہ شارل سے چند رسمی الفاظ کہہ کر جدا ہوئی تھیں اِن الفاظ سے قدرے بے پروائی کا اظہار ہوتا تھا گو اس وقت لڑکی کے دل میں بے پروائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

"بیٹے، یہ تمہارا کمرہ ہے۔" گراں دے نے دروازہ کھولتے ہوئے شارل سے کہا "اگر تم باہر جانا چاہو تو تمہیں نانوں کو بلانا پڑے گا کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر تمہاری خیریت نہیں۔ تم سنبھلنے بھی نہ پاؤ گے کہ کتا تمہیں بھنبھوڑ کے رکھ دے گا۔ اچھا شب بخیر۔ خوب اچھی طرح سونا۔ ہا! ہا! اِن عورتوں نے تمہارے کمرے میں آگ جلادی ہے" وہ چلتے چلتے بولا۔

عین اس وقت لمبی نانوں انگیٹھی اٹھائے نمودار ہوئی۔

"کبھی کسی نے ایسا تماشا بھی دیکھا ہے؟" موسیو گراں دے نے کہا "کیا تم نے میرے بھتیجے کو کوئی بیمار عورت سمجھ لیا ہے۔ خدانخواستہ وہ بیمار تھوڑا ہے۔ نانوں بھاگو یہاں سے اور اپنی یہ بھوبل بھی لیتی جاؤ"

"لیکن جناب، چادریں سیلی ہوتی ہیں۔ اور یہ صاحب عورت کی طرح نازک ہیں"

"اچھی بات ہے تو جاؤ سکھا آؤ۔ اب تمہیں یہ سوجھ ہی گئی ہے تو کیا کیا جائے۔" گراں دے نے اپنے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا "لیکن دھیان رکھنا کہیں آگ ہی نہ لگ جائے" اندر کنجوس اندھیرے میں راستہ ٹٹولتا اور ہولے ہولے بڑبڑاتا ہوا سیڑھیاں اتر گیا۔

شارل اپنے صندوقوں کے درمیان ہکا بکا کھڑا رہ گیا تھا۔ اُس نے اپنے اردگرد نظر

دھنڈائی۔ اس اٹاری کی ڈھلوان چھت کو دیکھا اور دیوار پر لگے ہوئے اُس کاغذ کی طرف نگاہ کی جو چھوٹی چھوٹی دیہاتی سراؤں میں عام طور سے لگا ملتا ہے اور جس میں بھُورے سے رنگ کی زمین پر پھولوں کے گچھے بڑی مناسبت سے بنے ہوتے ہیں۔ پھر اس کی نظر کھردرے سے پتھر کے آتشدان پر پڑی جس میں جگہ جگہ دراڑیں تھیں۔ (اسے دیکھ کر ہی اس کے اندر سردی کی ایک لہر دوڑ گئی حالانکہ انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی) اس کے علاوہ کچھ بید کی کرسیاں پڑی تھیں جن کا جوڑ جوڑ ہلتا تھا۔ پھر ایک بڑی سی میز تھی جس پر ایک اچھا قدآور سپاہی بڑے اطمینان سے لیٹ سکتا تھا پر دسے بار بار اس طرح ہلتے تھے جیسے یہ دیمک چاٹا کاٹھ کباڑ ابھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ یہ سب چیزیں دیکھ چکنے کے بعد آخر کار وہ لمبی ناکوں کی طرف متوجہ ہوا اور بڑی سنجیدگی سے بولا:

"دیکھو، ذرا ایک بات تو بتاؤ۔ کیا میں واقعی موسیو گراں دسے کے گھر میں ہوں؟ وہی موسیو گراں دسے جو پہلے سومور کے میئر رہ چکے ہیں اور پیرس والے موسیو گراں دسے کے بھائی ہیں؟"

"جی ہاں، جناب، آپ انہیں کے گھر میں ہیں۔ یہ نہایت رحمدل اور بڑی اچھی طبیعت کے آدمی ہیں۔ کیا میں یہ صندوق کھولنے میں آپ کی مدد کروں؟"

"خدا کے لئے میرا ہاتھ بٹاؤ۔ تم تو بالکل سپاہی لگتی ہو۔ کہیں تم سواروں کے دستے میں تو نہیں تھیں؟"

ہا! ہا! ہا! ناکوں ہنسنے لگی "وہ کیا ہوتے ہیں؟ یہ کیسا جانور ہے؟ خشکی کا کہ پانی کا؟"

"یہ لو، میرا ڈریسنگ گاؤن نکال دو۔ وہ اس سفری بیگ میں پڑا ہے اور یہ

اس کی چابی ہے۔"

ناتوں یہ سبز ریشمی ڈریسنگ گاؤن دیکھ کر حیران رہ گئی جس پہ پرانی طرز کے سنہری پھول کڑھے ہوئے تھے۔

"کیا آپ یہ پہن کر سوئیں گے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"حضرت مریم کی قسم! یہ کپڑا ہمارے گرجا کی قربان گاہ پر بہت ہی خوبصورت لگے گا! صاحب، یہ گاؤن آپ گرجا کو دے ڈالیئے۔ اس کو پہننے سے آپ کو گناہ ملتا ہوگا اور یوں بھینٹ چڑھانے سے بہت ثواب ملیگا۔ اوہو! اسے پہن کر آپ کتنے اچھے لگتے ہیں۔ میں جاکر بی بی کو بلالاتی ہوں کہ وہ بھی آپ کو دیکھیں۔"

"اچھا سنو، ناتوں، یہی نام ہے نا تمہارا؟ اب تم اپنی زبان بند کرو اور مجھے سونے دو۔ میں اپنی چیزیں کل درست کرلونگا۔ تمہیں میرا گاؤن بہت پسند آیا ہے تو میں تمہیں کو ثواب کمانے کا موقع دونگا۔ میں سچا عیسائی ہوں، اس لیے جاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا۔ تمہیں دیتا جاؤنگا۔ پھر تم اس کا جو جی چاہے کرنا۔"

ناتوں بُت کی طرح کھڑی شارل کو تکتی رہی۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ جو یہ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے۔

"تو کیا آپ یہ خوبصورت ڈریسنگ گاؤن مجھے دے دیں گے!" وہ جانے کے لئے مڑتے ہوئے بولی "معلوم ہوتا ہے صاحب نیند میں بول رہے ہیں،

شب بخیر"

"شب بخیر، نانوں ـــــ آخر میں یہاں کرنے کیا آیا ہوں؟" شارل نے دل میں سوچا۔ "میرے والد ایسے بیوقوف تو نہیں ہیں کہ بلا مقصد مجھے یہاں بھیج دیا۔ ہُنہہ! چھوڑو، یہ سنجیدہ باتیں کل دیکھی جائیں گی۔" اور وہ یہ سوچتے ہوئے سو گیا۔

"ہائے، پاک مریم کی قسم! یہ کتنا خوبصورت ہے۔" یوژینی نے دعا مانگتے مانگتے سوچا۔ اور اُس رات اُس کی مناجاتیں ادھوری رہ گئیں۔

صرف مادام گرانڈے ہی ایسی ہستی تھی جو بڑے سکون کے ساتھ سو گئی، اور اُس کے دل میں کوئی خیال ہی نہ آیا۔ برابر کے کمرے میں اُسے اپنے خاوند کے اِدھر اُدھر پھرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تمام حساس اور کمزور عورتوں کی طرح اُس نے بھی اپنے آقا اور مالک کے کردار کا بخوبی مطالعہ کیا تھا۔ جس طرح سمندری پرندہ طوفان کا پہلے ہی سے اندازہ لگا لیتا ہے اسی طرح قطعی غیر محسوس طور پر وہ پتا چلا لیتی تھی کہ گرانڈے کے دماغ میں تلاطم برپا ہے اور بقول اُس کے وہ ایسے موقعوں پر "مُردے کی طرح چپ بیٹھ جاتی"۔ گرانڈے نے اپنے پوشیدہ کمرے پر نظر ڈالی دروازے کی طرف دیکھا جس کے اندر کی طرف لوہے کی چادر لگی ہوئی تھی (اس کی طرف سے اُس نے اطمینان کر لیا تھا)، اور بڑبڑایا:

"میرے بھائی کو بھی کیا مہمل بات سوجھی کہ اپنے بچے کو میرے ذمے چھوڑ دیا! یہ اچھا ترکہ ملا ہے! میرے پاس تو بیس فرانک بھی نہیں بچتے، پھر اس بانکے کی نظروں میں بیس فرانک کی حقیقت ہی کیا ہو گی؟ وہ تو میری دیوار کی گھڑی کو ایسی حقارت سے دیکھ رہا تھا جیسے آگ میں جھونکنے کے قابل بھی نہ ہو۔"

اور گراں دے اس مرنے والے کی دردناک درخواست کے قرینِ قیاس ماحصل پہ سوچ بچار کرتے ہوئے اتنا دل گرفتہ ہو رہا تھا کہ شاید اس درخواست کرنے والے بھائی کی بھی یہ حالت نہ ہوئی ہو گی۔

"کیا واقعی مجھے وہ سنہری گاؤن مل جائے گا؟" نانوں نے سوچا اور وہ اسی تصور میں غرق سو گئی کہ یہ قربان گاہ کا کپڑا اس کے گرد لپٹا ہوا ہے۔ اور لیوزینی کی طرح جو زندگی میں پہلی بار محبت کے خواب دیکھ رہی تھی وہ بھی زرق برق لباسوں کے سپنے دیکھنے لگی۔

ایک لڑکی کی پُر سکون اور معصومانہ زندگی میں خوشی کا ایک پُر اسرار لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب اسے اپنی روح میں سورج کی سی روشنی پھیلتی معلوم ہوتی ہے اور اُسے ایسا لگتا ہے جیسے پھول اس کے جذبات کی ترجمانی کر رہے ہوں۔ دل کی دھڑکن کے ساتھ خیالات امڈے پڑتے ہیں اور ایک مبہم سی تمنا کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اُسے اپنے دن کسی معصوم سی اداسی اور لطیف خوشیوں سے بھرپور معلوم ہوتے ہیں۔ بچے جب پہلی بار روشنی دیکھتے ہیں تو مسکرا دیتے ہیں، اور جب لڑکی کو دنیا میں محبت کے وجود کا موہوم سا اندازہ ہوتا ہے تو وہ بھی مسکرا اٹھتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے کبھی بچپن میں مسکراتی تھی۔ اگر روشنی وہ پہلی چیز ہے جس سے ہم پیار کرنا سیکھتے ہیں تو پھر کیا محبت بھی دل کے لئے روشنی کی سی حیثیت نہیں رکھتی؟ یہ لمحہ لیوزینی کی زندگی میں آ پہنچا تھا اور اب اُس نے عمر میں پہلی بار دُنیا کی چیزوں کو اتنی صفائی سے دیکھا تھا۔

صبح جلدی اٹھنا تو قصبے والوں کا اصول ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سی دوسری

لڑکیوں کی طرح یوتزینی بھی صبح ہی اٹھ بیٹھتی تھی۔ اور آج تو وہ معمول سے ذرا پہلے ہی بیدار ہوگئی، دعا مانگی اور کپڑے بدلنا شروع کئے۔ اس بناؤ سنگار میں اب اُسے ایسی دلچسپی ہو رہی تھی جس کا پہلے اُسے کبھی احساس نہ ہوا تھا۔ اُس نے اپنے سنہرے بالوں میں کنگھی کی اور موٹی موٹی چوٹیوں کو سر کے گرد ایسے لپیٹا کہ تاج سا بن جائے اور ایک بال باہر نہ رہے۔ بال بنانے کا یہ سیدھا سادا انداز اُس کے بچیوں جیسے چہرے کے لیے بہت مناسب تھا جس سے شرمیلاپن بھی ظاہر ہوتا تھا اور راست بازی بھی جھلکتی تھی۔

چشمے کے ٹھنڈے پانی سے بار بار ہاتھ دھونے سے اُس کی جلد کھردری اور سُرخ ہوگئی۔ اُس نے اپنے خوبصورت بھرے بھرے بازوؤں پر نظر ڈالی اور سوچنے لگی کہ نہ جانے میرے بھائی کیا کرتے ہیں جو اُن کے ہاتھ ایسے نرم اور سفید اور ناخن اتنے خوبصورت ہیں۔ اُس نے جرابوں کا نیا جوڑا پہنا اور اپنے بہترین جوتے نکالے جن میں بڑی احتیاط سے تسمے ڈالے۔ دراصل زندگی میں پہلی بار اُسے یہ خواہش ہوئی کہ وہ حسین لگے، اور یہ بھی محسوس ہوا کہ خوبصورت، دیدہ زیب اور اچھا سلا ہوا لباس بڑی نعمت ہے۔

جب وہ تیار ہو چکی تو اُسے گرجا کے گھنٹے کی آواز سنائی دی۔ اور گننے پر جب اُسے معلوم ہوا کہ ابھی صرف سات بجے ہیں تو بڑا تعجب ہوا۔ اپنے بناؤ سنگار پر زیادہ وقت صرف کرنے کی فکر میں وہ آج بہت سویرے بیدار ہوگئی تھی۔ اس لئے اب کوئی کام بھی باقی نہ رہا تھا۔ یوتزینی اس قدر نادان تھی کہ اُسے زلفوں کو بار بار اِدھر اُدھر کر کے تبدیلی کا مشاہدہ کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ وہ تو

سیدھے سجاؤ بازو پر بازو رکھ کے کھڑکی کے سامنے بیٹھ گئی اور باہر صحن میں باغ کے بیسے سے ٹکڑے اور فصیل کے اوپر اُگی ہوئی پھلواری کو دیکھنے لگی۔

یہ منظر جیسے چٹانوں کی دیواروں نے گھیر رکھا تھا بڑا بے رنگ اور اُداس اداس تھا، لیکن اس میں بھی دلکشی ضرور تھی۔ یہ ایسی پُراسرار قسم کی خوبصورتی تھی جو خاموش اور گھنے باغوں میں یا جنگل بیابان ہی میں پائی جاتی ہے۔ باورچی خانے کی کھڑکی کے نیچے ایک کنواں تھا جس کے اطراف میں پتھر کی منڈیر تھی اور پانی کے اوپر لوہے کے بریکٹ پر لگی ہوئی ایک چرخی ٹنگ رہی تھی۔ یہ لوہے کا بریکٹ انگور کی بیل سے ڈھک گیا تھا جس کے پتے لال پڑ کے مرجھا چکے تھے کیونکہ خزاں کا موسم ختم کے قریب تھا۔ بیل کی مڑی تڑی ڈنڈی گھر کی دیوار کے ساتھ بل کھاتی ہوئی کافی دُور تک چلی جاتی تھی اور ایک جگہ لکڑیوں کے انبار تک پہنچ کر ختم ہوتی تھی۔ یہاں لکڑی کے گٹھے ایسی صفائی اور خوبی سے چنے ہوئے تھے جیسے کوئی کتابوں کا شوقین اپنی الماری میں کتابیں سجا کر رکھتا ہے۔ باہر صحن کے فرشی پتھر ایک تو پرانے تھے، دوسرے کائی جمنے کے باعث کالے پڑ گئے تھے اور ہوا کی گھٹن کی وجہ سے سیل بھی گئے تھے۔ کہیں کہیں شگافوں میں گھاس بھی اُگ آئی تھی۔ پرانی اور موٹی موٹی فصیلیں کائی سے سبز پڑ گئی تھیں اور جہاں جہاں پانی ٹپکتا تھا وہاں گہرے بادامی رنگ کی لمبی لمبی لکیریں تھیں۔ صحن کے آخر میں آٹھ ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں باغ کی طرف اُترتی تھیں؛ لیکن اب پودوں کے بڑھ جانے سے بالکل چھپ گئی تھیں۔ فی الجملہ یہ شکستہ پتھر کسی مجاہد کے مقبرے سے مشابہت رکھتے تھے جو زمانۂ قدیم میں اس کی بیوہ نے تعمیر کرایا ہو اور اب کھنڈر ہو کر رہ گیا ہو۔

اس شکستہ پتھریلی دیوار کے ساتھ ساتھ کھلی جالی کے کام کی باڑھ تھی جو پرانی ہو جانے کے سبب سے بڑی تیزی سے ٹوٹتی چلی جا رہی تھی اور بہت سی خودرو بیلوں نے بڑھ کر اسے ڈھانپ لیا تھا۔ باغ میں جانے کے لئے جو لکڑی کا دروازہ تھا اس کے دونوں طرف سیب کے دو درخت تھے جنہیں پالا مار گیا تھا، اور جن کی بل کھائی ہوئی شاخیں دروازے پر پھیلی تھیں۔ باغ میں بجری کی زمین پگڈنڈیاں تھیں جن کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں لگائی گئی تھیں، اور بیچ بیچ میں ایک حاشیہ سا تھا۔ باغ کے آخر میں فصیلوں کے نیچے نیبو کے درختوں کا جھنڈ تھا اور ایک قطار رس بھری کے پودوں کی تھی۔ باغ کا جو حصّہ مکان کے قریب تھا وہاں اخروٹ کا ایک زبردست پیڑ کھڑا تھا جس نے ٹین ساز کے خاص کمرے کو اپنی لمبی چوڑی ڈالیوں سے ڈھک رکھا تھا۔

موسم خزاں کی ایسی لطیف اور چمکیلی صبح دریائے لوآر کے کنارے والے علاقوں سے مخصوص ہے۔ دھند کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پچھلی رات کے ہلکے سے کہرے کے آثار آہستہ آہستہ غائب ہوتے جا رہے تھے، اور سورج کی دھیمی دھیمی کرنیں اس عجیب و غریب منظر پر، قدیم فصیلوں پر، ہری ہری جھاڑیوں پر، باغ اور صحن پر پڑ رہی تھیں۔

یہ تمام چیزیں یوجینی ایک زمانے سے دیکھتی چلی آئی تھی لیکن آج اُسے ان سب میں ایک نیا حُسن معلوم ہو رہا تھا۔ باہر کی دنیا کو سُورج کی کرنوں سے منوّر ہوتے دیکھ کر اس کے دماغ میں بھی بہت سے خیال آنے لگے۔ ایک نئی اور موہوم سی ناقابلِ بیان خوشی اس کے تن بدن میں سرایت کر گئی اور اس کی روح

تک کو گھیر لیا۔ اس کی مثال کچھ ایسی تھی جیسے اس مادّی دنیا میں ایک چمکیلا بادل کسی چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ یہ عجیب باغ، پرانی دیواریں اور اس کی چھوٹی سی دنیا کی ہر چیز اس کے ساتھ ساتھ اس نئے تجربے کا لطف لیتی معلوم ہو رہی تھی۔ خارجی مناظر اس کی دلی کیفیات سے پوری طرح مطابقت کر رہے تھے۔ دھوپ دیوار پر کھسکتے کھسکتے فرن کی جھاڑی تک جا پہنچی، جس کے پتے اور ڈالیاں کبوتر کے رنگ برنگے سینے کی طرح چمکنے لگیں اور یوتزینی کا مستقبل جگمگاتی امیدوں سے روشن ہو گیا۔ آج سے دیوار کا یہ حصّہ، اس کے اوپر اُگے ہوئے زرد اور نیلے پھول اور سوکھی سی گھاس اس کی نظر میں ایک حسین منظر بن گئے اور ایسی یادیں تازہ کرنے لگے جن میں بچپن کی یادوں کی سی ساری دلکشی موجود تھی۔

وہ اپنے خیالوں میں محو بیٹھی رہی پتّیوں کے زمین پر گرنے کی سرسراہٹ اور صحن سے آتی ہوئی آوازِ بازگشت لڑکی کو اپنے پوشیدہ سوالات کا جواب معلوم ہو رہی تھیں۔ اس حالت میں وہ کھڑکی کے پاس سارے دن بھی بیٹھی رہتی تو اُسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا۔ لیکن ان کے علاوہ اور خیالات بھی اس کی روح میں اُمڈ رہے تھے۔ وہ بار بار اٹھ کر آئینے کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور اپنے اوپر نظر ڈالتی۔ اس کی حالت بعینہٖ ایسی تھی جیسے کوئی ایماندار انشا پرداز اپنی تحریر کو بڑی باریک بینی سے جانچے، نکتہ چینی کرے اور اس کی خامیوں پر اپنے آپ کو بُرا بھلا کہے۔

"جہاں تک خوبصورتی کا تعلق ہے میں اس کے جوڑ کی نہیں ہوں!"

یوتزینی اپنی منکسر مزاجی میں یہ بات سوچ رہی تھی اور یہ خیال اس کے لئے بہت روح فرسا تھا۔ بیچاری بچی اپنے ساتھ انصاف نہ کر رہی تھی لیکن دراصل اس قسم کا

انکسار بلکہ خوف تو محبت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ یوز بینی کے حسن میں ایک توانائی تھی جو نچلے متوسط درجے کی عورتوں میں اکثر پائی جاتی ہے اور اس میں لطافت کی قدرے کمی محسوس ہوتی ہے لیکن اس وینس جیسے حسن میں عیسوی جذبات کی پاکیزگی اور خوبصورتی نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ اور یہ جذبہ عورت میں ایسا وقار پیدا کر دیتا ہے جس سے قدیم زمانے کے بت تراش ناواقف تھے۔ اُس کا سر بہت بڑا تھا، اس کی پیشانی کے مردانہ لیکن نازک خطوط نیفڑیا اس کے بنائے ہوئے جیوپیٹر کی یاد دلاتے تھے۔ اُس کی پاکیزہ زندگی اُس کی صاف بھوری آنکھوں میں جھلکتی تھی۔ ایک زمانے میں اس پر چیچک کا حملہ ہو چکا تھا جو اتنا معمولی تھا کہ اس نے بیضوی چہرے اور ناک نقشے پر کسی قسم کا داغ نہیں چھوڑا تھا لیکن اس نے جلد کی تازگی اور سفید رنگت کو کسی قدر دھندلا کر دیا تھا اور اس کی نزاکت اور چکنے پن میں قدرے کرختگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی جلد اب بھی اتنی نفیس اور عمدہ تھی کہ ماں کے ملائم بوسے کا اس کے گال پر تھوڑی دیر کے لئے ہلکا سا نشان اُبھر آتا۔ اُس کی ناک غالباً کچھ بڑی تھی لیکن منہ سے جو رحمدلی اور شفقت ظاہر ہوتی تھی اُس میں کسی طرح کی کمی نہ آتی تھی۔ سُرخ سُرخ ہونٹوں کے اوپر روئیں کی ایک باریک سی لکیر تھی۔ گردن بڑی نازک اور گول، بند گلے کے لباس کے باوجود جسم کے خطوط میں وہ جاذبیت کہ آدمی دیکھتا رہ جائے۔

اس میں شک نہیں کہ اس میں وہ لطافت نہ تھی جو بناؤ سنگار سے پیدا ہوتی ہے۔ قد لمبا تو ضرور تھا لیکن بدن پھرتیلا نہیں بلکہ مضبوط تھا۔ بہر حال اہلِ نظر کے لئے اس میں بھی ایک دلکشی تھی۔

یوتژینی لمبی تھی، اور ساتھ ہی جسم بھی گٹھیلا تھا۔ اس میں وہ خوبصورتی نہ تھی جس کی عام لوگ تعریف کرتے ہیں۔ لیکن اس کے خوبصورت ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ اس کا حُسن کچھ اس قسم کا تھا کہ فن کار ہی اس سے لطف اندوز ہو سکتے تھے۔ اگر کوئی مصوّر کسی ایسی ہستی کی تلاش میں ہوتا جو روحانی بلندی حاصل کر چکی ہو، یا نسوانی چہروں میں وہ حُسن ڈھونڈ رہا ہوتا جس کا خواب ریفائیل نے دیکھا اور اپنے شاہکاروں میں تخلیق کیا، یعنی با افتخار منکسر مزاجی سے لبریز آنکھیں اور پاکیزہ نقشہ، جو اکثر کسی فن کار کے وجدان کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن جو نیک اور مذہبی قسم کی زندگی گزارنے سے ہی میسّر آتا اور محفوظ رہتا ہے ——— اگر کوئی مصوّر اس دھن میں ہوتا تو اُسے فوراً یوتژینی گراں دسے کے چہرے میں ایک غیر شعوری اور پیدائشی علویت محسوس ہوتی۔ اُس کے پُرسکون ابروؤں کے پسِ پردہ محبت کی ایک دنیا آباد تھی۔ اس کی آنکھوں اور پلکوں میں ایک ایسی عبودیت جھلکتی تھی کہ اس کی تشریح ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ اس کی صورت سے ایک ایسی طمانیت اور سکون جھلکتا تھا جسے خوشی کا اظہار بھی پراگندہ نہ کر سکتا تھا۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے کسی ساکن جھیل میں کہیں دُور سے آسمان کے برابر اونچے پہاڑوں کا دھندلا سا خاکہ نظر آ رہا ہو۔ یوتژینی کے نرم و نازک چہرے کی خوبصورتی ایک نہایت نفیس اور ادھ کھلے پھول کی سی تھی جس کے گرد روشنی منڈلاتی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کی شکل سے ایک باطنی سکون اور شرافتِ نفس ٹپکتی تھی۔ یہی چیز دیکھنے والوں کا دل موہ لیتی تھی۔ یوتژینی ابھی زندگی کے اس سہانے دور میں تھی کہ جب خوش فہمیوں کی کوئی حد نہیں ہوتی، اور ایسی ایسی خوشیاں میسّر آتی ہیں جن کا بعد میں سُراغ تک نہیں ملتا۔ لہٰذا وہ آئینے میں

اپنی صورت دیکھنے لگی۔ ابھی اس کے ذہن میں محبت کا خیال تک نہ آیا تھا۔ وہ بولی:
"وہ بھلا میرے بارے میں کیوں سوچنے لگے۔ میں بہت بدصورت ہوں!"
پھر اس نے اپنا دروازہ کھولا، دہلیز پر کھڑی ہو کر زینے پر سے جھکی اور گھر میں سے آتی ہوئی آوازوں کو سننے لگی۔
"ابھی نہیں اٹھے" اُس نے سوچا۔ اُسے نانون کے چلنے پھرنے اور کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ وہ کھانے کے کمرے میں جھاڑو لگا چکی تھی، باورچی خانے میں آگ جلا دی تھی۔ کتے کو زنجیر سے باندھ دیا تھا اور اصطبل میں جانوروں سے دوستوں کی طرح باتیں کر رہی تھی۔
یوژینی جلدی سے سیڑھیاں اتری اور نانون کی طرف بھاگی جو اس وقت گائے کا دودھ دوہ رہی تھی۔
"نانون" وہ چلائی "تم بڑی اچھی ہو، دیکھو بھائی کی کافی کے لئے ہمیں ملائی تو دوگی نا؟"
"لیکن، بی بی، ابھی تو دودھ نکالا ہے، اتنی جلدی ملائی کہاں سے آجائے گی" وہ کھلکھلا کر ہنس دی "اب میں ملائی بنانے سے تو رہی۔ آپ کے بھائی اس قدر خوبصورت ہیں کہ کیا بتاؤں! آپ نے انہیں رات کا ریشمی گاؤن پہنے نہیں دیکھا۔ سارے میں سونے کا کام ہے! میں نے تو دیکھا ہے! وہ تو جو کپڑا پہنتے ہیں ایسا عمدہ ہوتا ہے جیسے پادری صاحب کا لبادہ"
"نانون، تو پھر کیک ہی بنا لو"
"لیکن چولہا جلانے اور آٹا اور مکھن گرم کرنے کے لئے لکڑیاں کہاں سے ملیں گی؟"

نالوں نے پوچھا۔

وہ گراں دسے کی وزیرِ اعظم ہونے کی حیثیت سے لیوتزینی اور اس کی ماں دونوں کی نظروں میں بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ "کیا آپ اپنے بھائی کی دعوت کے لئے مالک کو لوٹنا چاہتی ہیں؟ اُن سے جلانے کے لئے لکڑی، مکھن اور آٹا مانگئے، وہ آپ کے والد ہیں، جائیے اور ان سے مانگئے۔ آپ کو شاید وہ دے دیں۔ وہ دیکھئے! وہ آرہے ہیں۔ وہ رسد کا سامان دینے کے لئے ـــــ"

لیکن لیوتزینی باغ کی طرف نکل بھاگی تھی کیونکہ اوپر چڑھتی ہوئی سیڑھیوں پہ باپ کے قدموں کی چاپ سے وہ ڈر گئی تھی۔ اسے ایسی خوشی کا احساس ہو رہا تھا جو دوسروں کی نگاہ سے بچنا چاہتی ہے۔ یہ وہ خوشی ہے جو ہمارے خیال میں (اور یہ خیال کچھ غلط بھی نہیں) ہماری آنکھوں میں چمکتی ہے اور ہماری پیشانی سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسے دوسرے خیالات کا بھی احساس تھا۔ اسے پہلی بار اپنے باپ کے گھر کی ویرانی اور بے آرامی کا اندازہ ہوا تھا اور بے زاری کے مدھم سے جذبے کے ساتھ بیچاری لڑکی کا جی چاہا کہ کاش وہ ان حالات کو بدل کر اپنے بھائی کے شایانِ شان بنا سکے۔ اس کے دل میں یہ اچانک یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اس کے لئے کچھ کرے۔ لیکن یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کرے کیا۔ اپنے چچا زاد بھائی کو پہلی بار دیکھتے ہی اس میں نسوانی حس پیدا ہو گئی تھی۔ اس میں شدت اس وجہ سے آئی کہ اب وہ تئیس[۲۳] سال کی ہو چکی تھی اور اس کے دل و دماغ پوری طرح نشو و نما پا چکے تھے۔ وہ اتنی سیدھی اور بھولی بھالی تھی کہ اپنی معدوم فطرت کے تقاضوں پر اپنے جذبات و احساسات کا جائزہ لئے بغیر عمل کرتی تھی۔

زندگی میں پہلی بار اُسے باپ کو دیکھ کر ڈر لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہُوا جیسے وہ اس کی تقدیر کا مالک ہے اور وہ مجرموں کی طرح اپنے کچھ خیالات اس سے چھپا رہی ہے۔ اُس نے تیزی سے اِدھر سے اُدھر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ حیران تھی کہ ہوا میں اتنی تازگی کہاں سے آگئی ہے۔ سورج کی روشنی بدن میں جان سی ڈال رہی تھی، معلوم ہوتا تھا اس کے اندر بھی وہی روشنی ہے جو باہر ہے۔ بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک نئی زندگی شروع ہو رہی ہو۔

ابھی وہ کیک بنوانے کے بندوبست پر غور ہی کر رہی تھی کہ اتنے میں نانوں اور گرآں دے کے جھگڑنے کی آواز سنائی دی اور یہ ایسی عجیب بات تھی جیسے سردیوں میں کوئی ابابیل آنکلے۔ اُس بھلے آدمی نے چابیاں نکال لی تھیں اور آج کے لئے کھانے پینے کا سامان نکال کر دینے والا تھا۔

"کیا کل کوئی روٹی بچی تھی؟" اُس نے نانوں سے پوچھا۔

"ایک ٹکڑا بھی نہیں بچا تھا، صاحب۔"

گرآں دے نے بڑی سی ڈبل روٹی اٹھائی جو گول اور ہر طرف سے برابر تھی اور اس کی شکل چوڑی سی ٹوکری کی طرح تھی جو اُس علاقے میں ڈبل روٹی رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ وہ اسے کاٹنے ہی والا تھا کہ نانوں بیچ میں بول اٹھی ——

"صاحب، آج ہم پانچ آدمی ہیں۔"

"ٹھیک ہے،" گرآں دے نے جواب دیا "لیکن تمہاری یہ ایک ایک ڈبل روٹی تین تین سیر کی ہے۔ اس میں سے تو بچ بھی جائے گی۔ پھر اس کے علاوہ تم دیکھنا یہ پیرس کے رہنے والے نوجوان روٹی کو چھوتے تک نہیں۔"

"تو پھر کیا وہ توشہ کھاتے ہیں؟" ناآنوں نے دریافت کیا۔

اس علاقے کی بول چال میں لفظ "توشہ" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو روٹی پر لگا کے کھائی جائے۔ سب سے معمولی قسم کا توشہ مکھن ہے، اور سب سے نفیس آڑو کا مربہ۔ جن لوگوں نے بچپن میں روٹی چھوڑ کر خالی توشہ کھایا ہے، وہ ناآنوں کے فقرے کا مطلب فوراً سمجھ جائیں گے۔

"نہیں"، گراں وسے نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا "نہ وہ روٹی کھاتے ہیں نہ توشہ، بس یہ سمجھ لو کہ ان کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے کسی لڑکی کو محبت ہو گئی ہو۔"

چنانچہ دن کے راشن کو جہاں تک ممکن ہو سکا کم کرنے کے بعد کنجوس اپنے پھلوں کی کوٹھری کی طرف جانے والا تھا۔ جانے سے پہلے اس نے گودام کی الماریوں کو بڑی احتیاط سے تالا لگایا۔ اتنے میں ناآنوں نے اسے روکا۔

"صاحب، مجھے تھوڑا سا آٹا اور مکھن دے دیجئے میں بچوں کے لئے کیک بناؤں گی۔"

"تو کیا تم میرے بھتیجے کے آجانے کی وجہ سے گھر کا انتظام ہی گڑبڑ کر دینا چاہتی ہو؟"

"آپ کے بھتیجے تو الگ رہے، مجھے تو آپ کے کتّے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ . . . . . . اب دیکھئے! آپ نے مجھے چاہی کی کچھ ہی ڈلیاں دی ہیں اور مجھے آٹھ کی ضرورت ہے۔"

"سنو، ناآنوں، میں نے اس سے پہلے کبھی تمہیں حجت کرتے نہیں دیکھا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیا تم یہاں کی مالکہ ہو؟ تمہیں چینی کی چھ ڈلیوں سے زیادہ اور کچھ نہیں

ملے گا۔"

"اچھا، بہت اچھا، اور آپ کے بھتیجے کافی میں کیا ڈالیں گے؟"

"وہ دودھ لیاں لے سکتا ہے۔ میں اس کے بغیر ہی گزر کر لونگا۔"

"آپ بغیر چینی کے کافی پی لیں گے! اور اس عمر میں؟ میں تو اپنی جیب سے اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"تم اپنا کام کرو۔"

چینی کی قیمت کم ہونے کے باوجود گراں دسے کی نظر میں یہ نوآبادیات کی تمام اشیاء سے زیادہ قیمتی چیز تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چینی ہمیشہ کم استعمال کرنی چاہیئے۔ بادشاہت قائم ہونے کے زمانے سے لے کر اب تک ایک پاؤنڈ چینی کی قیمت چھ فرانک تھی۔ اس قسم کی کفایت شعاری اس کی ایک پختہ عادت بن چکی تھی۔ لیکن ہر عورت خواہ وہ کتنی ہی سیدھی سادی ہو اپنی مرضی پوری کرانے کی کوئی نہ کوئی ترکیب نکال ہی لیتی ہے۔ اور نانون نے بھی کیک کی بات منوانے کی غرض سے چینی کا سوال برطرف کر دیا۔

"بی بی!" اُس نے کھڑکی میں سے آواز دی۔ "کیا آپ کیک کھائیں گی؟"

"نہیں، نہیں۔" یوژینی نے جواب دیا۔

"ٹھہرو، نانون" گراں دسے نے اپنی بیٹی کی آواز سُن کر کہا۔ "یہ لو۔"

اُس نے آٹے کا کنستر کھول کر تھوڑا سا آٹا تولا اور پہلے نکالے ہوئے مکھن کے ٹکڑے میں چند اونس کا اور اضافہ کر دیا۔

"اور جلانے کے لئے لکڑی۔ مجھے تنور گرم کرنے کے لئے لکڑی کی ضرورت پڑے گی۔" بے رحم نانون نے کہا۔

"اچھا تو جس چیز کی تمہیں ضرورت پڑے وہ لے لینا۔" اُس نے پچھتانے کے سے انداز میں جواب دیا "لیکن پھلوں کے سموسے بھی اسی وقت بنا لینا۔ اور کھانا بھی تنور ہی میں پکا لینا اس سے دوسری دفعہ آگ جلانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"

"تو یہ ہے!" نانوں سمجھی "اب میں اتنی بات بھی نہیں جانتی!"

گراں دسے نے اپنی دانا نائب کو ایسی نظر سے دیکھا جس میں پدرانہ شفقت کی جھلک تھی۔

"بی بی" باورچن نے پکار کر کہا "ہم کیک بنائیں گے۔"

گراں دسے پھل لے کر پھر واپس آیا اور باورچی خانے کی میز پر پلیٹ بھر کے رکھ دی۔

"یہ دیکھئے" نانوں نے کہا "آپ کے بھتیجے کے بوٹ کس قدر خوبصورت ہیں! کیا عمدہ چمڑا ہے اور کیسی عمدہ خوشبو آتی ہے! اب ان کو صاف کس چیز سے کیا جائے؟ کیا وہ آپ کی انڈے والی سیاہی ان پر لگا دوں؟"

"نہیں، نانوں" یوزبین نے کہا "میں سمجھتی ہوں انڈے سے چمڑا خراب ہو جائیگا۔ تم انہیں بتا دینا کہ مجھے یہ چمڑا صاف کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ ہاں یہ مراکو لیدر کہلاتا ہے۔ اور پھر وہ تمہیں سوسور میں سے ہی بوٹوں کی صفائی کے لیئے کوئی چیز لا دیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ پالش میں چینی ملاتے ہیں اس کی وجہ سے جوتے ایسے چمک جاتے ہیں۔"

"پھر تو یہ کھانے کے قابل ہوئے؟" خادمہ نے بوٹوں کو اٹھا کر سونگھتے ہوئے کہا۔ "افوہ، ان میں سے تو مجھے مادام کے اودی کلوں کی خوشبو آتی ہے۔ ارے، کتنی عجیب

بات ہے"!

"عجیب"! اس کے مالک نے کہا "لوگ اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ پیسے جوتوں پر خرچ کر دیتے ہیں، اور تم سمجھتی ہو کہ یہ عجیب بات ہے"! وہ ابھی پھلوں کی کوٹھری سے دوسری اور آخری مرتبہ ہو کر آیا تھا، اور بڑی احتیاط سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"جب تک آپ کے بھتیجے یہاں رہیں گے آپ ہفتے میں ایک دو بار تو شوربا بنوایا کریں گے نا؟"

"ہاں"

"کیا میں قصائی کی طرف جاؤں؟"

"تم ایسی کوئی حرکت نہ کرنا۔ تم چیزوں کی یخنی بنا سکتی ہو جو تمہیں کرایہ دار لا کر دیتے رہیں گے۔ لیکن میں کورنوائیے سے کہوں گا کہ میرے لیے کچھ پہاڑی کوّے شکار کر لائے۔ اس قسم کے شکار کا شوربا بہترین ہوتا ہے۔"

"صاحب، کیا یہ سچ ہے کہ یہ کوّے مُردار چیزوں سے پیٹ بھرتے ہیں؟"

"تم تو بیوقوف ہو نانوں! وہ سروں کی طرح یہ بھی جو چیز مل جائے اسی پر گزارہ کرتے ہیں۔ کیا ہم سب مُردار چیزوں کے سہارے نہیں جیتے؟ آخر یہ تر کے اور کیا ہوتے ہیں؟" گرانڈ دے کو اور کوئی احکام صادر نہ کرنے تھے اس لئے اپنی گھڑی نکال کر وقت دیکھا تو پتہ چلا کہ ابھی ناشتے میں آدھ گھنٹہ باقی ہے، اُس نے اپنی ٹوپی اٹھائی، یوژینی کو پیار کیا اور بولا "کیا لوآر کے کنارے میرے ساتھ سیر کو چلو گی؟ مجھے ان چراگاہوں میں کچھ دیکھنا ہے۔"

یوژینی نے اپنی تنکوں والی ٹوپی پہن لی جس کے اندر گلابی رنگ کی سلک لگی ہوئی تھی اور

پھر باپ بیٹی ٹیڑھی بھینگی سڑک پر بازار کی طرف چل دیئے۔

سرکاری وکیل کروشو نے ان دونوں کو دیکھا تو پوچھنے لگا "اتنے سویرے کہاں چل دیئے؟"

"ہم ذرا کچھ دیکھنے جا رہے ہیں" اس کے دوست نے جواب دیا۔ وہ وکیل کے اس سوال کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔

جب کبھی گراں دسے "کچھ دیکھنے" کے لئے جاتا تو سرکاری وکیل کو تجربے کی بنا پر معلوم تھا کہ اس کے ساتھ جانے میں فائدہ ہی رہتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل دیا۔

"آؤ، کروشو" گراں دسے نے وکیل سے کہا "تم میرے دوست ہو۔ میں تمہیں دکھاؤنگا کہ اچھی مٹی میں پوپلر بونا کتنی بیوقوفی ہے ———"

"تو کیا لوآر کی چراگاہوں کے درختوں کے جو ساٹھ ہزار فرانک آپ کو ملے وہ آپ کے لئے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتے؟" کروشو نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کتنی خوش قسمتی تھی آپ کی! . . . . آپ نے لکڑی ٹھیک اس وقت کٹوائی جب تاتت بھر میں سفید لکڑی نہ ملتی تھی۔ اس طرح آپ کو ہر درخت کے تیس[۳۰] فرانک ملے تھے!"

یوژینی نے سب سنا لیکن ان سنی کر گئی۔ اُسے قطعی احساس نہ تھا کہ اس کی زندگی کو بدل دینے والا نازک لمحہ تیزی سے قریب آتا جا رہا ہے اور عنقریب ایک پدرانہ اور شاہی حکم سنایا جائے گا، اور یہ سب اسی بڈھے وکیل کی بدولت ہوگا۔

گراں دسے لوآر کی شاندار چراگاہ تک پہنچ چکا تھا۔ یہ جمہوریت کے زمانے میں اس

کے ہاتھ آئی تھی۔ اس وقت یہاں کوئی تیس مزدوراُن درختوں کی جڑیں اکھاڑنے میں مصروف تھے جو پہلے یہاں اُگے ہوئے تھے اور گڑھوں کو بند کرکے زمین ہموار کرتے جا رہے تھے۔

"اچھا، موسیو کروشو، دیکھو ایک پوپلر کتنی جگہ گھیرتا ہے" اُس نے وکیل سے خطاب کیا۔ پھر ایک مزدور سے بولا "ذرا اِس، ذ۔۔۔۔ ذ۔۔۔۔۔۔ ذرا اپنے فیتے سے اس گڑھے کا گھیر تو ناپو۔"

"آٹھ فٹ کو چوگنا کر لیجیے" آدمی نے ناپ ختم کرنے کے بعد کہا۔

"بتیس[۳۲] فٹ کا نقصان ہوتا ہے" گراں دے نے کروشو سے کہا "اب اس قطار میں تین سو درخت تھے۔ تھے نا؟ اچھا تو تین سو کو ضر۔۔۔ ر۔۔۔۔ب دیا بتیس ف۔۔ فٹ سے تو اس کا مطلب ہے پانچ ہنڈرڈ ویٹ سوکھی گھاس کا نقصان ہوا۔ اس سے دُگنی دونوں طرف اُگ سکتی تھی۔ تو یہ ملا کے پندرہ ہنڈرڈ ویٹ ہوئی۔ اس کے علاوہ درمیانی جگہ میں بھی گھاس ہو سکتی تھی۔ یوں کُل گھاس کے ایک ہزار گ۔۔۔ گ۔۔۔۔ گٹھے ہو گئے۔"

"اچھا" کروشو نے حساب میں اپنے دوست کی مدد کرتے ہوئے کہا "ان ہزار گٹھوں کی قیمت کوئی چھ سو فرانک بیٹھے گی۔"

"ک۔۔۔۔ ک۔۔۔۔۔ کہو کہ بارہ سو ہوگی۔ کیونکہ د۔۔۔ دوسری فصل تو تین چار سو فرانک کے برابر ہوتی ہے۔ ہاں، تو اب اندازہ لگاؤ کہ با۔۔۔ ب۔۔۔۔ ۱۰۔۔۔ بارہ سو فرانک سالانہ چا۔۔۔ چالیس[؟] سال کے ع۔۔۔ عرصے میں سود در سود کے ساتھ کتنے ہو جائیں گے۔"

"ساٹھ ہزار فرانک کے لگ بھگ ہوں گے" سرکاری وکیل نے کہا۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے! ساٹھ ہزار... ف... فرانک۔ اچھا" اب انگوروں کا کاشتکار بغیر ہکلائے بولنے لگا "دو ہزار پوپلر کے درختوں کی قیمت تو کبھی بھی چالیس سال میں پچاس ہزار نہیں بنے گی۔ اس لئے ان کے بونے سے نقصان ہی رہتا ہے۔ یہ بات میں نے معلوم کی ہے۔" گراں دسے اپنے حساب کتاب سے بیحد خوش تھا "ژاں" وہ پھر مزدور سے مخاطب ہوا "دریا کے کنارے والے گڑھوں کو چھوڑ کر باقی سب گڑھے بھر دو اور اُن میں میرے خریدے ہوئے پودے لگا دو۔ کیونکہ تو آر کے کنارے لگانے سے درخت اچھے بڑھیں گے، اور خرچ حکومت کا ہوگا۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے کروشو کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پڑا بھرے ہوئے نتھنے میں ایک جھرجھری سی پیدا ہوئی۔ انتہائی طنز آمیز مسکراہٹ میں بھی اتنی بلاغت نہیں ہو سکتی تھی۔

"ہاں، یہ تو صحیح ہے کہ پوپلر کے درختوں کو کمزور مٹی میں بونا چاہیے" کروشو نے کہا۔ وہ گراں دسے کی دانائی پر بیحد حیران تھا۔

"ہ... ا... ہاں جناب" ٹیبن سار نے طنز سے کہا۔

پوزر نیئی اس شاندار منظر اور دریا کے کنارے کو دیکھ رہی تھی اور اپنے باپ کے حساب کتاب کی طرف اس نے بالکل دھیان نہ دیا تھا۔ لیکن اب کروشو اور اس کے موکل کا موضوع گفتگو بدل گیا تھا اور اُسے بھی اچانک اس میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

"اچھا تو پیرس سے آپ کا داماد آ گیا ہے۔ سو تو رہ بھر میں آج سماٹے آپ کے بھتیجے کے اور دوسرا ذکر ہی نہیں ہو رہا ہے مجھے جلد ہی شادی کے کاغذات تیار کرنا

پڑیں گے۔ ہے نا، گراں دے ؟"

"کیا تم صبح صبح میرے ساتھ یہی ب۔۔۔۔ب۔۔۔۔ بتانے آئے ہو؟" گراں دے نے پوچھا اور ناک کا متھنا پھر کسمسایا "بہت اچھا، تم تو میرے پرانے یار ہو۔ میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں جو تم ج۔۔۔ج۔۔۔ا۔۔۔ جاننا چاہتے ہو۔ تم سن رکھو کہ میں اپنی ب۔۔۔۔بے۔۔۔۔ٹی کو تلوار میں پھینک دوں گا، مگر اُس کے چچازاد بھائی سے نہیں ب۔۔۔۔ب۔۔۔۔ بیاہوں گا۔ یہ تم سب کو بتا دینا، لیکن، نہیں، لوگوں کو بکنے دو۔"

لوتزبینی کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہر چیز تیرتی سی معلوم ہونے لگی۔ آنے والی خوشی کی امیدیں یکایک اس کے دل میں ایک پختہ صورت اختیار کر گئی تھیں امیدوں کے پودے بڑھ کے لہلہانے لگے تھے، لیکن دیکھتے دیکھتے چمن اجڑ کر رہ گیا، اور پھول خاک میں مل گئے۔ کل سے وہ اس خوشی کا تانا بانا بُن رہی تھی جو دو روحوں کو یکجا کر دیتی ہے، لیکن اب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غم ان بندھنوں کو اور مضبوط کر دے گا۔ شاید یہ تو عورت کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے کہ اُس کے دل پر دولت اور شان و شوکت سے زیادہ اثر غم کی عظمت کا ہوتا ہے۔

آخر باپ کے دل سے پدرانہ جذبات کا خاتمہ کیسے ہو گیا! (کم از کم ظاہر یہی ہوتا تھا) اور پھر شارل کا قصور ہی کیا ہے؟ پُراسرار سوالات کا تانا بندھا تھا! محبت اس کی رُوح میں سرایت کر چکی تھی اور اس کا نفوذ دم بدم بڑھتا جاتا تھا، لیکن ایسے بُرے بُرے شگون ابھی سے سر پر منڈلا رہے تھے۔

جب وہ گھر کی جانب لوٹے تو اس کا جوڑ جوڑ کانپ رہا تھا، اور جب وہ اس

سایہ دار سڑک پر سے گزرے جس سے ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اتنی خوش خوش گئی تھی تو یہ سائے اُسے بڑے بھیانک معلوم ہوئے۔ جس ہوا میں وہ سانس لے رہی تھی اُس میں اُسے خزاں کی اُداسی کا احساس ہو رہا تھا۔ غرضکہ اُسے اپنے آس پاس کی ہر چیز سے افسردگی ٹپکتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ محبت جس نے اس کے شعور کو بیدار کر دیا تھا ہر شگون کی جلدی سے تشریح کر لیتی تھی۔ جب وہ گھر کے نزدیک پہنچے تو وہ باپ سے چند قدم آگے بڑھ گئی اور دروازہ کھٹکھٹا کر کواڑ کھلنے کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ لیکن گراں دے نے دیکھا کہ وکیل کے پاس اخبار بھی ہے جو ابھی بند ہی پڑا تھا، تو اُس نے پوچھا "سرکاری قرضوں کا کیا حال چال ہے؟"

"گراں دے، میں جانتا ہوں تم میری صلاح نہیں مانو گے" کروشو نے جواب دیا "تمہیں فوراً حصے خرید لینے چاہئیں۔ دو سال میں بیس فی صدی منافع حاصل کرنے کا موقع ابھی تک ہے۔ اور اس کے علاوہ رقم پر معقول سود بھی ملتا ہے۔ اسی ہزار فرانک پر پانچ ہزار لیور مل جاتا کچھ چھوٹی بات نہیں۔ تم اسی فرانک پچاس سینٹ کے حساب سے خرید سکتے ہو۔"

"اچھا دیکھیں گے" گراں دے نے اپنی ٹھوڑی رگڑتے ہوئے تفکر کے انداز میں جواب دیا۔

"توبہ! توبہ!" سرکاری وکیل تعجب سے بولا۔ وہ اب تک اخبار کھول چکا تھا۔

"ارے کیا ہوا؟" گراں دے نے زور سے پوچھا۔ کروشو نے اخبار اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا:

"یہ خبر پڑھو"

"پیرس کے ایک نہایت معزز تاجر موسیو گراں دے نے پرسوں سہ پہر کو حسب معمول ایکسچینج سے آنیکے بعد سر میں گولی مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ اس سے پیشتر وہ عدالت کے صدر کو اپنا استعفیٰ بھیج کر تجارتی جج کے عہدے سے الگ ہو چکے تھے۔ اُن کا کاروبار، ان کے دلال اور وکیل یعنی موسیو رونگیں اور موسیو سوستشے کا دیوالہ نکل جانے کے سبب سے بہت بگڑ گیا تھا۔ موسیو گراں دے کی بڑی عزت تھی اور لوگ ان پر اعتبار کرتے تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اگر وہ چاہتے تو فی الحال انہیں دوسرے تاجروں سے مدد مل سکتی تھی، اور یہ مشکل کا وقت کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتا۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے کہ ایسے بلند کردار کا آدمی اتنی جلدی مایوسی کا شکار ہو جاتے" وغیرہ وغیرہ۔

"مجھے پہلے سے معلوم تھا" بڈھے کاشتکار نے کہا۔

گرونشو اگرچہ بڑے ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا لیکن یہ الفاظ سن کر اس کے جسم میں ایک خوفناک کپکپاہٹ دوڑ گئی۔ شاید پیرس کے گراں دے نے سومور والے گراں دے کی لاکھوں کی جائداد سے جو آس لگائی تھی وہ فضول ہی تھی۔ اس خیال سے گرونشو کی رگوں میں خون جمنے لگا۔

"اور اس کا بیٹا؟" اس نے فوراً پوچھا "وہ تو کل اتنا خوش تھا۔"

"اس کے بیٹے کو ابھی اس کا کوئی علم نہیں ہے" گراں دے نے جواب دیا۔ "وہ ہمیشہ کی طرح بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا۔"

"اچھا، موسیو گراں دسے، اب میں چلتا ہوں" کردشو نے کہا۔ وہ اب سارا معاملہ سمجھ گیا تھا اس لئے اپنے بھتیجے مجسٹریٹ دلبوں فوں کو خوش خبری سنانے چل دیا۔

گراں دسے کو ناشتہ تیار ملا۔ مادام گراں دسے لکڑی کے تختوں پر رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور سردیوں کے لئے اونی آستین بُن رہی تھی۔ یوژینی نے دوڑ کر ماں کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔ اس پوشیدہ مصیبت نے اُسے محبت کا اور بھی بھوکا بنا دیا تھا۔

"آپ کا ناشتہ میں لائے دیتی ہوں" نانوں نے تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔ "وہ تو معصوم بچوں کی طرح سو رہے ہیں آنکھیں بند کئے ہوئے تو وہ بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے اندر جا کر انہیں آواز بھی دی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ انہوں نے سُنا ہی نہیں"

"اُسے سونے دو" گراں دسے نے کہا "اُٹھے گا تو بہرحال ایک بُری خبر ہی سُننی پڑے گی"

"کیا ہوا؟" یوژینی نے کہا۔ وہ اپنی پیالی میں دو بہت ہی چھوٹی چینی کی ڈلیاں ڈال رہی تھی جو ہوا کی طرح ہلکی تھیں۔ اس کے بدیر بزرگوار کو جب اور کچھ کرنے کو نہ ہوتا تو وہ چینی کی ڈلیاں کاٹ کاٹ کر چھوٹی کیا کرتے تھے۔

مادام گراں دسے کی ہمت نہ پڑی تھی کہ خود یہ سوال پوچھتی۔ اُس نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا۔

"اس کے والد نے سر میں گولی مار کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہے"

"میرے چچا نے؟" یوژینی نے کہا۔

"آہ، بیچارہ لڑکا!" مادام گراں دے چیخی۔
"ہاں، بیچارہ!" گراں دے نے کہا "اب اُس کے پاس ایک پائی بھی نہیں ہے۔"

"ارے، وہ غریب تو ایسے سو رہا ہے جیسے پوری دنیا کا بادشاہ ہو۔" ناگوں نے بڑی ہمدردی سے کہا۔

یوژینی سے کھایا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا دل رنج سے پھٹا جا رہا تھا۔ عورت کو زندگی میں پہلی بار اپنے محبوب کے دکھوں پر ترس آ رہا ہو اور سینہ غم سے لبریز ہو تو اس کی یہی گت بن جاتی ہے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تم تو اپنے چچا کو جانتی تک نہیں، پھر اس رونے کا کیا مطلب؟" اس کے باپ نے اُسے بھوکے شیر کی سی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کچھ ایسی قسم کی نگاہ سے وہ اپنے سونے کے ڈھیر کو دیکھا کرتا تھا۔

"لیکن، جناب، اس بیچارے نوجوان کی حالت پر کسے افسوس نہ ہوگا" خادمہ نے کہا "وہ بالکل بے خبر سو رہے ہیں اور انہیں اپنی قسمت کی کچھ خبر نہیں۔"

"ناگوں، میں نے تم سے بات نہیں کی تھی! تم خاموش رہو۔"

اُس وقت یوژینی کو پتہ چلا کہ جو عورت محبت کرتی ہے اُسے اپنے جذبات چھپانا پڑتے ہیں۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"مادام گراں دے، مجھے امید ہے کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم اس چیز کے بارے میں اُس سے کچھ نہ کہو گی۔" بڈھے ٹین ساز نے بات جاری رکھی "میری چراگاہ میں سڑک کے ساتھ ساتھ کھائی کھودی جا رہی ہے اور مجھے اسے دیکھنے

جانا ہے۔ میں دوسری دفعہ ناشتہ کرنے دوپہر کو آؤں گا۔ پھر اس سلسلے میں اپنے بھتیجے سے بات کر لوں گا۔ اور، مادموازیل یوژینی، اب تم سنو اگر تم اس چھیلے کی خاطر رو رہی تھیں، تو میری بچی اب اسے ختم کرو۔ وہ جلد ہی انڈیز کی طرف روانہ ہو جائے گا اور پھر تم اسے کبھی نہ دیکھ پاؤ گی۔"

اس کے باپ نے ہیٹ کے چھجے پر پڑے ہوئے دستانے اٹھا لئے اور نہایت اطمینان اور احتیاط کے ساتھ پہننے لگا۔ وہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسا دیتا جس سے دستانے میں ہاتھ اچھی طرح آ جاتے تھے۔ پھر وہ باہر نکل گیا۔

"آہ، اماں، مجھے سانس لینا بھی مشکل ہو رہا ہے!" یوژینی ماں کے ساتھ اکیلی رہ گئی تو روتے ہوئے بولی "مجھے اتنا دکھ آج تک نہیں ہوا۔"

مادام گراں دے نے دیکھا کہ بیٹی کا چہرہ زرد پڑ گیا ہے، چنانچہ اٹھ کے کھڑکی کھول دی تاکہ تازہ ہوا کمرے میں داخل ہو سکے۔

"اب میں کچھ بہتر ہوں" یوژینی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

یوژینی عام طور سے نہایت خاموش، اور پُر سکون رہتی تھی۔ ایسی لڑکی کو اعصابی ہیجان میں مبتلا دیکھ کر مادام گراں دے کا دل پسیج گیا۔ اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور اس کی مادرانہ محبت اور ہمدردی نے اس پر سب کچھ واضح کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہنگری کی مشہور و معروف جڑواں بہنیں بھی جو قدرت کی بھول کے باعث بالکل جڑی ہوئی تھیں ایک دوسرے سے اس درجہ ہمدردی نہ رکھتی ہوں گی جیسی یوژینی اور اس کی ماں کے درمیان تھی۔ وہ ہمیشہ ساتھ رہتیں۔ سارا سارا دن

کھڑکی میں بیٹھتیں تو ساتھ، گرجا جاتیں تو ساتھ۔ اور جب وہ سو بھی جاتیں تب بھی کیا وہ ایک ہی ہوا میں سانس نہیں لیتی تھیں؟

"بچاری بچی!" مادام گراں دے نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ پھر اس کا سر اپنے سینے پر ٹکا لیا۔

اس کی بیٹی نے اپنا چہرہ اوپر کیا اور ماں کی طرف ایسی سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے اس کے اندرونی خیالات پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اُنہیں انڈیز کی طرف کیوں بھیجا جا رہا ہے؟" لڑکی نے کہا "اگر وہ مصیبت میں ہیں تو کیا انہیں ہمارے ساتھ ہی نہیں ٹھہرنا چاہیئے؟ کیا وہ ہمارے سب سے قریبی عزیز نہیں ہیں؟"

"ہاں میری پیاری بچی! ہونا تو یہی چاہیئے۔ لیکن تمہارے ابّا جو کچھ کرتے ہیں کسی نہ کسی وجہ سے ہی کرتے ہیں اور ہمیں ان کی بات ماننی چاہیئے۔"

ماں اور بیٹی خاموش بیٹھی رہیں۔ ایک تو لکڑی کے تختوں پہ رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھی تھی اور دوسری اپنی چھوٹی سی آرام کرسی پر۔ دونوں عورتوں نے اپنی اپنی سلائی سنبھال لی۔ یوژینی کو محسوس ہوا کہ میری ماں میرا مطلب سمجھ گئی ہے، اور اس شفقت اور ہمدردی پہ اُس کا دل شکرگزاری کے جذبے سے لبریز ہو گیا۔

"پیاری اماں، آپ کتنی اچھی ہیں!" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ ماں کا جھریوں دار لیکن پُرسکون چہرہ جو صدمے اٹھاتے اٹھاتے بوڑھا ہو گیا تھا یہ الفاظ سن کر چمک اٹھا۔

"کیا آپ انہیں پسند کرتی ہیں؟" یوژینی نے پوچھا۔

جواب دینے کے بجائے مادام گراں ورتے صرف مسکرا دی۔ ایک لمحہ رکنے کے بعد وہ آہستہ سے بولی "کہیں تمہیں اس سے محبت تو نہیں ہو گئی؟ یہ تو بڑی افسوسناک بات ہو گی۔"

"افسوسناک کیوں ہو گی؟" لوئز بی نے دریافت کیا "آپ انہیں پسند کرتی ہیں۔ نانوں پسند کرتی ہے۔ پھر انہیں میں بھی کیوں نہ پسند کروں؟ اب آؤ اماں، اُن کا ناشتہ میز پر لگا دیں۔"

اُس نے اپنا کام ختم کیا اور اس کی ماں نے بھی اس کی پیروی کی اور کہنے لگی:۔ "تم تو دیوانی ہو۔" بہرحال اس نے اپنی بیٹی کے اس خبط میں ہر طرح مدد کی اور گویا اس کی منظوری دے دی۔

لوئز بی نے نانوں کو آواز دی۔

"بی بی، کیا آپ کی مرضی کی سب چیزیں ابھی میز پر نہیں پہنچیں؟"

"نانوں، بارہ بجے تک تو تم ملائی ضرور تیار کر لو گی نا؟"

"بارہ بجے تک، ہاں، ضرور" خادمہ نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ دیکھو کافی بہت تیز بنانا۔ موسیو ورتے گراں کہا کرتے ہیں کہ پیرس میں لوگ بہت تیز کافی پیتے ہیں۔ کافی ذرا زیادہ ڈالنا۔"

"مگر آئے گی کہاں سے؟"

"تم خرید لاؤ۔"

"فرض کیجئے کہ مالک مجھے مل گئے تو؟"

"وہ تو دریا کی طرف گئے ہیں۔"

"تو پھر میں جاتی ہوں لیکن جب میں موم بتی لینے گئی تھی تو فیتیسار مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا تمہارے یہاں بادشاہ سلامت آنیوالے ہیں۔ اس کا چرچا شہر بھر میں ہو جائے گا۔"

"تمہارے ابا کے کان میں اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ ہم سب کو پیٹ ڈالیں گے۔" مادام گراں دے نے کہا۔

"ارے پیٹنے دیجئے، کوئی بات نہیں۔ اگر وہ ماریں گے تو ہم مار بھی برداشت کر لیں گے۔"

مادام گراں دے نے یہ سُن کر آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور کچھ نہ بولی۔ نانوں نے دھوپ کی ٹوپی پہنی اور باہر نکل گئی۔ یوژینی نے ایک صاف ستھرا میز پوش بچھایا۔ پھر وہ انگوروں کے کچھ خوشے لانے کے لئے اوپر گئی جو اُس نے یونہی دل بہلانے کے لئے اٹاری میں رسیوں کے سہارے ٹانگ رکھے تھے۔ وہ بہت سنبھل سنبھل کے چل رہی تھی تاکہ اپنے چچازاد بھائی کے آرام میں مخل نہ ہو۔ لیکن ایک لمحے کے لئے دروازے کے قریب ٹھہرے بغیر نہ رہ سکی جہاں سے وہ سانس کی دھیمی دھیمی آواز سُن سکتی تھی۔

"یہ سو رہے ہیں اور مصیبت جاگ رہی ہے۔" یوژینی نے اپنے دل میں سوچا۔ اُس نے انگوروں کو چند بچی کھچی سبز پتیوں پر ایسی خوبصورتی سے سجایا جیسے کوئی نہایت تجربہ کار باورچی ہو، اور بڑی فنکمندی کے سے انداز میں میز پر رکھ دیا۔ باپ نے ناشپاتیاں گن کر نکالی تھیں، اُس نے اور بہت سی ناشپاتیاں ملا کر ایک مخروطی مینار کی سی شکل بنا دی اور ان کے درمیان ساری موسم خزاں کی پتیاں چُن دیں۔ وہ اندر

باہر پُھدکتی پھر رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ گھر کی چیزیں چُرا کے لا رکھتی مگر اس کا باپ ہر چیز تالے میں رکھتا تھا اور چابیاں اس کی جیب میں تھیں۔ نانوں دو تازے انڈے لیے ہوئے واپس آئی۔ یوتزینی کا جی چاہا کہ اسے گلے لگا لے۔

"آلاند کا کسان ٹوکری میں انڈے لئے جا رہا تھا، میں نے اس سے مانگے تو مجھے خوش کرنے کے لئے اس نے دو انڈے دے دیئے۔ بڑا اچھا آدمی ہے۔"

دو گھنٹے کی لگاتار محنت کے بعد یوتزینی نے کھانا تیار بھی کیا تو نہایت سیدھا سادا۔ یہ تو سچ ہے اس پر خرچ بہت کم آیا لیکن اس گھر کے ازلی قوانین اور رسوم کی زبردست خلاف ورزی ہوئی تھی۔ دوپہر کے کھانے پر روٹی، پھل، مکھن اور شراب کے گلاس، سب چیزیں موجود ہوں، ایسی بات ان کے یہاں کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس دو گھنٹے کے عرصے میں یوتزینی نے بیسیوں بار اپنا کام چھوڑ کر کبھی یہ دیکھا کہ کافی پک رہی ہے یا نہیں۔ کبھی وہ کوشش کرتی کہ اپنے چچا زاد بھائی کے کمرے سے آتی ہوئی کوئی آواز سُنے جس سے پتہ چلے کہ اس کا بھائی جاگ گیا ہے۔ اور بعض اوقات وہ آگ کے قریب کھینچی ہوئی میز کی جانب دیکھتی جس کے ایک طرف اُس نے بازوؤں والی کرسی بھائی کے لئے لگا رکھی تھی۔ پھر وہ پیالوں کی دونوں پلیٹوں پر نظر ڈالتی۔ انڈوں کے پیالوں، سفید شراب کی بوتل، روٹی، طشتری میں سفید سفید شکر کے چھوٹے سے مخروطی مینار کو ٹکٹکی باندھ کے دیکھتی۔ وہ صرف اس خیال ہی سے سر سے پیر تک کانپ اٹھتی کہ اگر اس لمحے اس کا باپ آ پہنچے تو وہ اس کی جانب کس نظر سے دیکھے گا۔ چنانچہ وہ بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آیا میرا چچا زاد بھائی میرے باپ کی واپسی تک ناشتہ ختم کر چکے گا یا نہیں۔

"تم کوئی فکر نہ کرو، یوژینی، اگر تمہارے ابا آ گئے تو میں اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لوں گی" مادام گرانڈے نے کہا۔

یوژینی یہ سن کر اپنے آنسو نہ روک سکی "آپ کتنی اچھی ہیں، اماں" وہ بولی "میں آپ کی شفقت کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔"

شارل کئی بار اپنے کمرے میں ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد، آخر ایک چٹپٹا گیت گاتا ہوا نیچے اترا۔ خوش قسمتی سے ابھی صرف گیارہ بجے تھے۔ آخر وہ پیرس والا تھا۔ اس نے اپنے بناؤ سنگار میں ایسی محنت کی تھی جیسے وہ اس عالی مرتبت ضعیفہ کے محل میں ٹھہرا ہوا تھا جو سکاٹ لینڈ کا سفر کر رہی تھی۔ وہ کچھ اس انداز سے آیا جیسے ان لوگوں پر بڑی نوازش کر رہا ہے۔ یہ ادا نوجوان پر کھپ جاتی ہے۔ اسے دیکھ کر یوژینی کو ایک افسردگی آمیز خوشی محسوس ہوئی۔ وہ راستے بھر قلعوں کا خواب دیکھتا آیا تھا، لیکن یہ خواب باطل نکلا۔ بہر حال اب وہ اس بات کو محض ایک مذاق سمجھ رہا تھا چنانچہ وہ بڑی خوش مزاجی کے ساتھ اپنی چچی کے قریب گیا اور بولا۔

"چچی جان، امید ہے آپ کو رات مزے کی نیند آئی ہوگی؟ اور بہن آپ کو بھی؟"

"ہاں، بہت اچھی نیند آئی، آپ اپنی سنائیے۔"

"میں بھی خوب گہری نیند سویا۔"

"بھائی، آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ آپ بیٹھ جائیے۔" یوژینی نے کہا۔

"نہیں، میں نے تو کبھی بارہ بجے سے پہلے ناشتہ نہیں کیا۔ اور اسی وقت سو کر اٹھتا ہوں۔ لیکن سفر میں کھانے پینے کا ایسا برا انتظام تھا کہ میں آپ کا کہنا ماننے کو تیار ہوں۔ اس کے علاوہ ——" اس نے جیب سے ایسی نفیس چھوٹی سی گھڑی نکالی جو کبھی دیکھنے

ہی میں نہ آتی تھی" "ارے خدایا! ابھی تو گیارہ ہی بجے ہیں۔ یہاں تو بڑے سویرے جاگ اُٹھا"

"سویرے؟" مادام گراں دے نے پوچھا۔

"جی ہاں، لیکن مجھے اپنی چیزیں بھی تو ٹھیک کرنا ہیں۔ لائیے کچھ کھا ہی لوں۔ بس کوئی ہلکی سی چیز ہو ——— مرغی یا تیتر"

"خدایا!" نانوں یہ بات سن کر تعجب سے بولی۔

"تیتر" لوثرینی نے سوچا۔ اس وقت وہ تیتر حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ دے ڈالنے کو تیار تھی۔

"آؤ، یہاں کرسی پر بیٹھو" مادام گراں دے نے اپنے بھتیجے سے کہا۔

یہ بانکا بازوؤں والی کرسی پر ایسی شائستگی کے ساتھ بیٹھ گیا جیسے کوئی حسین عورت صوفے پر ٹیک لگا کے بیٹھے۔ لوثرینی اور اس کی ماں نے بھی اپنی کرسیاں آگے کے قریب کر لیں اور شارل کے پاس آ بیٹھیں۔

"کیا آپ ہمیشہ یہیں رہتی ہیں؟" شارل نے پوچھا۔ اُسے رات کو بتی کی روشنی میں کمرہ اتنا بھیانک نہ لگا تھا جتنا اس وقت دن کی روشنی میں معلوم ہو رہا تھا۔

"ہاں، ہمیشہ" لوثرینی نے جواب دیا۔ وہ دوران گفتگو میں اُسے تکے جا رہی تھی۔ "انگور کی فصل کے زمانے کے سوا ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔ البتہ اُن دنوں ہم نانوں کو مدد دینے جاتے ہیں اور نوائیے کے گرجا میں جا کر ٹھہرتے ہیں"

"کیا آپ کبھی سیر کو نہیں جاتیں"

"کبھی اتوار کو شام کی نماز کے بعد اگر موسم اچھا ہو تو ہم پل تک پیدل چلے جاتے ہیں۔

مادام گراں دے نے کہا "یا بعض دفعہ سوکھی گھاس کٹتی ہوئی دیکھنے جاتے ہیں۔"

"کیا یہاں کوئی تھیئٹر ہے؟"

"ایکٹروں کو جاکے دیکھنا!" مادام گراں دے چیخی "کیا کھیل دیکھنے جانا! تمہیں پتہ نہیں کہ اس سے بڑا گناہ ہوتا ہے؟"

"یہ لیجئے صاحب" نانوں نے انڈے لاتے ہوئے کہا "ہم آپ کو چھلکا چڑھے ہوئے چوزے کھلائیں گے۔"

"اوہو! تازہ انڈے" شارل عیش و عشرت کے عادی لوگوں کی طرح تھیئٹر کی بات بھول چکا تھا۔ "بہت ہی لذیذ ہے! اچھا ذرا یہ بتاؤ کہ تم مکھن لاسکتی ہو؟"

"مکھن؟ اگر آپ مکھن اب لے لیں گے تو پھر کچھ دیر بعد آپ کو کیک نہ مل سکے گا" نانوں نے کہا۔

"ارے، کیوں نہیں؟ نانوں، جاؤ مکھن لا کر دو" یوژینی نے زور سے کہا۔

وہ اپنے بھائی کو مکھن اور ڈبل روٹی کاٹتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ پیرس کی دکانوں میں کام کرنے والی کوئی رومان پسند لڑکی بھی کسی جذباتی ڈرامے میں معصومیت کی فتح کے منظر سے اتنی لطف اندوز نہ ہوتی ہوگی جتنی اس وقت یوژینی ہو رہی تھی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ شارل نے ایک خوش اسلوب اور دلفریب ماں کی گود میں پرورش پائی تھی اور باقی تربیت ایک نہایت ہوشیار اور فیشن ایبل عورت سے حاصل کی تھی۔ اس لئے وہ نہایت باسلیقہ اور خوش اطوار تھا اور اس کی نفاست پسندی کسی عورت سے کم نہ تھی۔

لڑکی کی اس خاموش ہمدردی میں ایک مقناطیسی اثر تھا۔ شارل نے جب اپنی

چچازاد بہن اور چچی کو اس درجہ متواضع پایا تو ان کی بے پناہ شفقت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ خوشی کے مارے مہک اٹھا اور اس نے لیڈزینی کی طرف اس انداز سے دیکھا گویا مسکراہٹ بکھر گئی ہو۔ ذرا غور سے دیکھنے پر اسے لیڈزینی کے پاکیزہ اور ہموار نقوش، بے خبری کے سے انداز اور اس کی صاف شفاف آنکھوں میں محبت کی چمک نظر آئی، حالانکہ اس بیچاری لڑکی نے محبت کے درد اور ایک مبہم سی تمنا کے سوا ابھی اور کچھ بھی نہ جانا تھا۔

"میری عزیز بہن، یقین کیجئے" وہ بولا "اگر آپ شام کا لباس پہنے کسی تھیٹر میں بیٹھی ہوتیں تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ چچی صاحبہ کا مہلک گناہ والا جملہ ضرور سچ ہو جاتا۔ سارے مرد آپ پر رشک کرتے اور عورتیں حسد کے مارے جل بھن کے رہ جاتیں۔"

یہ تعریف سن کر لیڈزینی کا دل خوشی کے مارے زور زور سے دھڑکنے لگا حالانکہ اس کا ذہن ان الفاظ سے کوئی مطلب اخذ نہ کر سکا تھا۔

"آپ تو اپنی قصباتی بہن کا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ بولی۔

"بہن، اگر آپ مجھ سے اچھی طرح واقف ہوتیں تو آپ کو معلوم ہوتا کہ مجھے فقرے بازی سے نفرت ہے کیونکہ اس سے دل بے رس ہو جاتا ہے اور جذبات مر جاتے ہیں۔" اور یہ کہتے ہوئے وہ بڑے اطمینان سے مکھن لگی روٹی کا ایک ٹکڑا نگل گیا۔

"نہیں" وہ پھر بولا "میں کبھی دوسروں کا مذاق نہیں اڑاتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مجھ میں اتنی سمجھ ہی نہیں ہے اور اس عیب کی وجہ سے مجھے کافی نقصان ہوتا ہے۔

پیرس کے لوگ ایک بڑا زہریلا جُملہ کہا کرتے ہیں۔ یعنی "فلاں آدمی بہت اچھی طبیعت کا ہے" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ "بیچارہ نوجوان بالکل گھامڑ ہے"۔ لیکن چونکہ میں ماہر ہوں اور سب جانتے ہیں کہ ہر طرح کے پتول سے میں تیس قدم کے فاصلے سے بھی ٹھیک نشانہ لگا سکتا ہوں اس لئے ایسے فقرے مجھ پر نہیں کسے جاتے۔"

مادام گراں دے نے کہا "بیٹا جو کچھ تم کہتے ہو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم بڑے نیک دل ہو۔"

"آپ کی انگوٹھی بہت ہی خوبصورت ہے"۔ یوژینی بولی "اگر کچھ حرج نہ ہو تو کیا میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟"

شارل نے انگوٹھی نکال کر آگے بڑھا دی۔ جب اس کے پیارے ناخن یوژینی کی انگلیوں سے مس ہوئے تو لڑکی کا چہرہ لال ہو گیا۔

"اماں، دیکھئے کتنا نفیس کام ہے!"

"ارے، اس میں کتنا سونا لگا ہے"! نانوں کافی اندر لاتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا ہے؟" شارل نے ہنس کر ایک بھونڈی ہانڈی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ہنڈیا چکدار بھورے رنگ کی تھی اور اس کے باہر کی طرف راکھ سے ایک گول کناری سی بن گئی تھی۔ ہنڈیا میں کتھئی سے رنگ کا پانی ابل رہا تھا جس میں کافی ابھرتی اور گرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"گرما گرم کافی ہے"! نانوں نے جواب دیا۔

"ارے، چچی جان، مجھے اپنے یہاں رہنے کی کوئی یادگار بھی تو چھوڑنی چاہیے۔ آپ لوگ تو زمانے سے بہت پیچھے ہیں۔ میں آپ کو اچھی کافی بنانے کی ترکیب بتاتا

ہوں: اس کے بعد اس نے بڑی کوشش سے کافی بنانے کے خاص برتن کی ساخت سمجھائی۔

"خدا بچائے! اگر کافی بنانے میں اتنا کچھ کرنا پڑتا ہے تو سارا وقت اسی میں لگ جاتا ہوگا" نانتوں نے کہا "میں جانتی ہوں ہاں تو کبھی ایسے کافی نہیں بنا سکوں گی۔ کیونکہ اگر میں کافی کی فکر میں پڑی رہی تو پھر ہماری گاسٹے کے لیئے گھاس کون کاٹے گا؟"

"یہ کام میں کر لیا کرونگی" یوژرینی بولی۔

"میری بچی!" مادام گراں دے نے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اس لفظ کے ساتھ ہی اُسے فوراً اُس مصیبت کا خیال آیا جو تھوڑی دیر میں اس بے خبر نوجوان کے ہوش و حواس گم کرنے والی تھی۔ تینوں عورتیں یکدم خاموش ہو گئیں اور ہمدردی سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

"کیا ہوا بہن؟" اُس نے یوژرینی سے پوچھا۔

"شش!" مادام گراں دے نے دیکھا کہ لڑکی بول پڑے گی تو ہمدردی سے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ابا ان صاحب سے بات . . . ."

"شارل کہیئے نا!" نوجوان گراں دے نے کہا۔

"ارے، آپ کا نام شارل ہے" یوژرینی بولی "یہ تو بڑا اچھا نام ہے"۔ بُرا شگون آخر پورا ہو کے رہتا ہے۔

مادام گراں دے، یوژرینی اور نانوں ہتین ساز کی واپسی کے خیال ہی سے لرز رہی تھیں۔ اتنے میں انہیں دروازے پر وہی جانی پہچانی دستک کی آواز سنائی دی۔

"وہ ابا آگئے!" یوژینی چلائی۔
اُس نے فوراً چینی کی طشتری اٹھالی، پھر بھی میز پوش پہ دو ایک ٹکڑے گر ہی گئے
نانوں نے جلدی سے انڈوں کے پیالے ہٹا لئے۔ مادام گراں دے ہرن کے ڈرے
ہوئے بچے کی طرح چونک پڑی۔ ان لوگوں میں ایک ناگہانی دہشت سی پیدا ہوگئی
جس سے شارل ہکا بکا رہ گیا کیونکہ وہ اس کی کوئی وجہ نہ سمجھ سکا۔
"کیوں، کیا ہوا؟" اُس نے پوچھا۔
"میرے والد آرہے ہیں" یوژینی نے وضاحت کرنا چاہی۔
"اچھا، تو پھر کیا ہوا؟"
موسیو گراں دے کمرے میں داخل ہوا اور بڑی تیز نظروں سے میز کو دیکھا پھر
شارل پہ نگاہ ڈالی۔ اور فوراً سب کچھ سمجھ گیا۔
"آہا، بھتیجے کی خاطر مدارات ہورہی ہے۔ خوب، بہت خوب۔ واقعی بہت
خوب ہے" اُس نے ہکلائے بغیر کہا "جب بلّی باہر گئی ہو تو چوہے کھیلا ہی
کرتے ہیں"
"خاطر مدارات؟" شارل نے سوچا۔ اُسے گراں دے کے خانگی حالات کا قطعاً
اندازہ نہ تھا۔
"نانوں" مجھے میرا گلاس لادو" وہ مردِ معقول بولا۔
یوژینی گلاس لینے چلی گئی۔ گراں دے نے اپنی جیب سے ایک بڑا سا بند ہوجانے
والا چاقو نکالا جس کا دستہ بارہ سنگھے کے سینگ کا بنا ہوا تھا۔ پھر ڈبل روٹی کا ایک
ٹکڑا کاٹا، آہستہ آہستہ تھوڑا سا مکھن لگایا اور کھڑے کھڑے کھانے لگا۔ اُسی وقت

شارل نے اپنی کافی میں چینی ڈالی۔ اس بات سے گراں دے کی توجہ میز پر پڑی ہوئی چینی کے ٹکڑوں کی طرف مبذول ہوگئی۔ اُس نے اپنی بیوی کی طرف سخت نظروں سے دیکھا۔ بیوی کا چہرہ پیلا پڑگیا اور وہ ایک دو قدم اس کی طرف بڑھی۔ اُس نے جھک کر بیچاری عورت کے کان میں کہا ــ

"یہ سب چینی کہاں سے آئی ؟

" نانون فینسار کے یہاں سے لے کر آئی ہے کیونکہ گھر میں تو بالکل ختم ہوگئی تھی۔

اس خاموش ناٹک سے ان تینوں عورتوں کو جو اذیت پہنچی اُسے بیان کرنا ممکن نہیں۔ نانون اپنے باورچی خانے سے نکل کر کھانے کے کمرے میں دیکھ رہی تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اسی دوران میں شارل نے اپنی کافی کو چکھا جو اُسے قدرے کڑوی معلوم ہوئی اور وہ میز پر چینی کی ایک ڈلی تلاش کرنے لگا۔ لیکن گراں دے نے ڈلی پہلے ہی جھپٹ لی تھی۔

" بیٹے، تمہیں کیا چاہیے ؟" بوڑھے نے دریافت کیا۔

" چینی۔"

" اگر تمہاری کافی بہت تیز ہے تو تھوڑا سا دودھ اور ڈال لو۔" گھر کے مالک نے جواب دیا۔

جو طشتری گراں دے نے اپنے قبضے میں کر لی تھی وہ یوژینی نے اٹھا کے میز پر رکھ دی۔ اور خاموشی سے اپنے باپ کی طرف دیکھتی رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ پیرس کی کوئی حسین لڑکی اپنے محبوب کو ریشم کی سیڑھی کے ذریعے بھاگ نکلنے میں مدد دیتے ہوئے اپنے کمزور بازوؤں کی پوری طاقت صرف کر کے بھی اتنی ہمت کا مظاہرہ

نہ کرتی ہو گی جتنی اس وقت یوژینی نے میز پر چینی کا پیالہ رکھنے میں دکھائی۔ پیرس کی رہنے والی لڑکی کو تو اس کا اجر مل جائے گا۔ وہ بڑے فخر سے اپنے گول اور سفید بازوؤں پر رسی کے نشان دکھائے گی اور اس کا محبوب انہیں آنسوؤں سے دھو ڈالے گا اور بوسوں کی بھرمار کر دے گا اور اس طرح تکلیف خوشی میں تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن شارل کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی تھی کہ اس کی چچا زاد بہن نے اس کے لئے کتنی زحمت اٹھائی ہے، اور نہ اسے یوژینی کی اس ناقابل برداشت اذیت کا احساس ہوا جو اس نے باپ کی غضبناک نظریں دیکھ کر دل میں محسوس کی تھی۔ اور یوژینی کی اس قربانی کا اسے کبھی بھی پتہ نہ چل سکے گا۔

"بیوی، تم تو کچھ بھی نہیں کھا رہی ہو؟"

بیچاری کنیز میز کی طرف بڑھی۔ ڈبل روٹی کا ٹکڑا ڈر کے مارے لرزتے ہوئے کاٹا اور ایک ناشپاتی لے لی۔ یوژینی بے پروا سی ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے باپ کے آگے انگوروں کی پلیٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"ابا" ذرا میرے انگور کھا کر دیکھئے! کیوں بھائی، آپ بھی تھوڑے سے لیں گے نا! میں یہ میٹھے میٹھے انگور خاص طور سے آپ کے لئے اتار کے لائی ہوں۔"

"بیٹی، اگر ان کا بس چلے تو یہ تمہاری خاطر سومور شہر کو الٹ پلٹ کر رکھ دیں۔ تم ناشتہ ختم کر لو۔ پھر ہم ذرا اکٹھے باغ میں چلیں گے۔ مجھے تم سے کچھ ایسی باتیں کہنا ہیں جن میں مٹھاس ذرا کم ہی ہو گی۔"

یوژینی اور اس کی ماں دونوں نے شارل کی جانب ایسی نظر سے دیکھا جس کا مطلب نوجوان بخوبی سمجھ گیا۔

"آپ کیا کہنے والے ہیں، چچا جان؟ جب سے میری والدہ کا انتقال ہوا ہے ... (یہاں اس کی آواز قدرے ملائم پڑ گئی) میرے لئے کوئی مصیبت باقی نہیں رہی ....."

"بیٹے، کون جان سکتا ہے کہ ہمارا امتحان لینے کے لئے خدا ہم پہ کیسی کیسی مصیبتیں نازل کرے" اس کی چچی بولی۔

"تت، تت، تت" گراں دسے بڑبڑایا۔ "پھر تم نے بیوقوفی شروع کی، بیٹے مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمہارے ہاتھ اس قدر سفید ہیں۔"

اُس نے اپنی مٹھیاں بند کر کے دکھائیں۔ قدرت نے اُسے بے حد مضبوط ہاتھ عطا کئے تھے جو بالکل بکرے کی ران کی طرح گٹھیلے تھے۔

"ایسے ہاتھوں سے روپیہ جمع ہوتا ہے! اور تم ہو کہ پیر میں اُس چمڑے کا جوتا پہنتے ہو جو ہم اپنے تمسک رکھنے کی تھیلی کے لئے استعمال کرتے تھے۔ تمہاری پرورش اسی طریقے سے ہوئی ہے۔ یہ بُری بات ہے! بہت بُری بات ہے۔"

"چچا جان، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ قسم لے لیجے جو آپ کا ایک لفظ بھی میرے پلے پڑا ہو۔"

"میرے ساتھ آؤ" گراں دسے نے کہا۔

کنجوس نے کھٹ سے اپنا چاقو بند کیا۔ باقی شراب حلق میں انڈیلی اور دروازہ کھولا۔

"بھائی ذرا ہمت سے کام لیجئے گا!"

لڑکی کی آواز میں کوئی ایسی بات تھی جس سے شارل کے جسم میں ایک سرد سی لہر

دوڑ گئی۔

وہ طرح طرح کے وسوسے دل میں لیئے اپنے اس خوفناک چچا کے پیچھے چل دیا۔ یوژینی، اس کی ماں اور نانوں باورچی خانے میں چلی گئیں۔ پھیلے ہوئے باغ میں جو ناٹک کھیلا جانے والا تھا وہ اس کے دونوں اداکاروں کو دیکھنے کے لیئے بے قرار ہو رہی تھیں۔

شروع میں تو چچا بھتیجا خاموشی سے ٹہلتے رہے۔ صورتِ حال ہی ایسی تھی کہ گراں دے سٹپٹا گیا تھا۔ کچھ اس لیئے نہیں کہ اُسے شارل کو باپ کی موت کی خبر دینے میں ہچکچاہٹ ہو رہی تھی بلکہ اس نوجوان سے اُسے ایک قسم کی ہمدردی یوں پیدا ہو گئی تھی کہ وہ دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا اور ایک کوڑی پاس نہ تھی۔ چنانچہ وہ ایسے الفاظ ڈھونڈ رہا تھا کہ یہ ہولناک خبر جہاں تک ممکن ہو ملائمت کے ساتھ سنائی جائے "تمہارے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا" یہ تو وہ کہہ سکتا تھا کیونکہ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ آخر باپ عموماً بچوں سے پہلے ہی مرتے ہیں۔ لیکن "تمہارے پاس پھوٹی کوڑی نہیں رہی" ان الفاظ میں تو دنیا بھر کا غم سمٹ آتا ہے لہذا وہ باغ کے بیچ میں بنی ہوئی پگڈنڈی کو تیسری دفعہ بھی طے کر گیا، اور منہ سے ایک لفظ نہ نکلا۔ بس اس کے بھاری بھرکم جوتے بجری کو کچلتے رہے۔

کوئی اچانک خوشی ہو یا کوئی زبردست غم، ہماری زندگی کے تمام بڑے حادثات ہمارے اندر گرد و پیش کا ایسا شدید احساس پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ احساس ہمارے ذہن پہ ہمیشہ کے لیئے نقش ہو کر رہ جاتا ہے۔ شارل کی بھی ہر حس بیدار ہو چکی تھی۔ اُس نے باغ کے کنارے کنارے اُگے ہوئے سدا بہار درختوں کی باڑھ، خزاں

کی گرتی ہوئی پتیاں، شکستہ دیواریں، پھلوں کے درختوں کی مڑی تڑی بیچدار شاخیں نظر آئیں، اور پھر مرتے دم تک یہ منظر اس کے ذہن سے محو نہ ہو سکا۔ اُسے اپنی جوانی کا یہ المناک واقعہ جب کبھی یاد آتا تو باغ کی ذرا ذرا سی چیز اُس کی نظروں میں پھرنے لگتی۔

"موسم نہایت اچھا ہے سردی زیادہ نہیں۔" گراں دسے نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، چچا جان، لیکن آپ مجھے کیوں . . . .؟"

"ہاں، میرے بچے میں تمہیں ایک بُری خبر سنانے والا ہوں۔ تمہارے ابا بہت بیمار . . . . . ."

"اور میں یہاں اطمینان سے بیٹھا ہوں!" شارل چیخا۔ "نانوں!" اُس نے پکارا۔ "ایک گاڑی منگواؤ! میرے خیال میں اس جگہ کسی نہ کسی قسم کی گاڑی تو مل جاتی ہوگی۔" اُس نے اپنے چچا کی طرف مڑتے ہوئے کہا جو ابھی تک اُسی جگہ کھڑا تھا۔

"گھوڑے اور گاڑیاں اب بے فائدہ ہیں" گراں دسے نے شارل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو چپ چاپ سامنے زمین کو تکنے لگا "ہاں، میرے بیٹے، تم جان ہی گئے ہو گے کہ کیا بات ہے۔ وہ اس دنیا سے اُٹھ چکے ہیں۔ لیکن یہ تو کچھ نہیں۔ اس سے بھی بُری بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو سر میں گولی مار کر ہلاک . . . "

"میرے ابا نے؟"

"ہاں، لیکن یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ اخباروں میں بھی اس کا چرچا ہو رہا ہے جیسے یہ ان کا کوئی ذاتی معاملہ تھا۔ لو تم خود پڑھ لو۔"

گراں دسے نے کروشو سے اخبار مانگ لیا تھا اور اب اُس نے وہ منحوس

عبارت شارل کے سامنے رکھ دی۔ شارل ابھی لڑکا ہی تو تھا۔ اس نے اپنے جذبات چھپانے کی ذرا بھی کوشش نہ کی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"چلو، یہ اچھا ہوا" گراں دے نے دل میں سوچا "شروع میں تو اس کی نظریں دیکھ کر میں ڈر ہی گیا تھا۔ خیر اب رو رہا ہے، اب یہ ٹھیک ہو جائے گا" "گھبراؤ نہیں میرے بچے!" گراں دے نے با آواز بلند کہنا شروع کیا۔ اسے یہ پتہ نہ تھا کہ شارل سن بھی رہا ہے یا نہیں "کوئی ایسی بات نہیں ہے تم جلد ہی سنبھل جاؤ گے لیکن ——"

"نہیں، میں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔ آہ میرے ابا! میرے ابا!"

"انہوں نے تو تمہیں برباد کر کے رکھ دیا۔ اب تمہارے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔"

"اس کی مجھے پروا نہیں لیکن میرے ابا کہاں ہیں؟ میرے ابا!" اس کی سسکیوں کی آواز سارے باغ میں پھیل گئی اور دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر گونجنے لگی۔

ہنسی کی طرح آنسو بھی ایسی بیماری ہیں جو اڑ کر لگتی ہے۔ تینوں عورتیں اس کی حالت دیکھ کر رو دیں۔ شارل نے اور کچھ سننے کا انتظار نہ کیا۔ فوراً اپنے چچا کو چھوڑ کے چل دیا۔ صحن میں پہنچ کر سیدھا زینے کی طرف ... اپنے کمرے میں بھاگ آیا جہاں وہ بستر میں منہ چھپا کر لیٹ گیا تاکہ رشتہ داروں سے دور جی بھر کے اپنے غم میں آنسو بہائے۔

"جب تک اس کا غم ذرا ہلکا نہ پڑ جائے اسے اکیلا ہی رہنے دو" گراں دے نے نشستگاہ میں واپس آکر کہا۔ یوژینی اور اس کی ماں پہلے ہی اپنی جگہوں پر واپس آ چکی تھیں اور انہوں نے آنکھیں خشک کر کے اپنی سرد کانپتی انگلیوں سے سلائی شروع کر دی تھی۔

"لیکن یہ لڑکا کسی بھی کام کا نہیں،" گراں دسے بولتا گیا۔ "وہ مرے ہوؤں کی فکر میں ایسا پڑا ہے کہ اُسے پیسے کا خیال تک نہیں آیا۔"

یوژینی اس متبرک غم کا یوں ذکر ہوتے سُن کر کانپ اُٹھی۔ اور پہلی بار اُس نے باپ کو معترض نگاہوں سے دیکھنا شروع کیا۔ شارل کی سسکیاں اگرچہ بھنچی بھنچی سی تھیں لیکن پھر بھی گھر بھر میں گونج رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سسکیاں کہیں زمین کے نیچے سے آ رہی ہوں۔ یہ دلدوز آہیں دن ڈھلنے پر ذرا مدھم پڑیں اور کہیں اس وقت جا کر ختم ہوئیں جب رات ہو چکی تھی۔

"بیچارہ لڑکا!" مادام گراں دسے نے کہا۔

یہ کلمہ بڑا منحوس ثابت ہوا! گراں دسے نے پہلے بیوی کو دیکھا پھر یوژینی کو اور اُس کے بعد چینی سے بھرے ہوئے پیالے پر نظر ڈالی۔ اُسے وہ شاندار ناشتہ یاد آیا جو آج صبح انہوں نے اپنے اس بدقسمت رشتے دار کے لئے تیار کیا تھا۔ اب وہ کمرے کے بیچ میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں، ایک بات یاد آئی۔" وہ حسب عادت سرد مہری کے انداز میں سوچ سوچ کر کہنے لگا۔ "مجھے امید ہے، مادام گراں دسے، کہ آئندہ تم اس قسم کی فضول خرچی کبھی نہ کرو گی۔ میں اپنا پیسہ تمہیں اس لئے نہیں دیتا کہ اس لُچے پر ضائع کرتی پھرو۔"

"اماں کا تو اس میں کوئی دخل نہیں تھا،" یوژینی بولی۔ "وہ تو میں نے . . . ."

"چونکہ اب تم سیانی ہو گئی ہو،" گراں دسے نے اپنی بیٹی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس لئے تم سمجھتی ہو کہ میری مخالفت کر سکتی ہو۔ یہی بات ہے نا؟ یوژینی، اچھی طرح سمجھ لو کہ تم کیا کر رہی ہو؟"

"لیکن ابا، آخر وہ آپ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ اب انہیں اس گھر میں چینی بھی نہ ملے ؟"

"تت، تت، تت !" ٹین ساز نے یہ لفظ عجیب سُروں میں ادا کئے "ہر جگہ "اپنے بھتیجے" اور "اپنے بھائی کے بیٹے" ہی کا ذکر سن رہا ہوں۔ شارل ہمارا کچھ نہیں لگتا، اس کے پاس ایک پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ اس کا باپ دیوالیہ ہے۔ جب یہ لڑکا رونے دھونے سے فارغ ہو چکے گا تو وہ یہاں سے دفع ہو جائے گا۔ میں اس کی وجہ سے اپنے گھر میں افراتفری پیدا نہ ہونے دونگا۔"

"ابا، دیوالیہ کیا ہوتا ہے ؟" یوژینی نے پوچھا۔

اس کے باپ نے جواب دیا "دیوالیہ ایسے ذلیل جُرم کا مرتکب ہوتا ہے جو اُسے بے عزت کر کے رکھ دیتا ہے اور منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑتا۔"

"یہ تو کوئی بہت ہی بڑا گناہ ہوتا ہوگا۔" مادام گراں دے نے کہا "اور آپ کے بھائی کی تو شاید مغفرت بھی نہ ہو سکے گی۔"

"تم نے پھر اپنا وعظ شروع کر دیا۔" اس کے خاوند نے اپنے کندھے سکیڑتے ہوئے جواب دیا۔ پھر یوژینی سے کہنے لگا "یوژینی، دیوالیہ ایسا چور ہوتا ہے جسے بدقسمتی سے قانون اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔ لوگ گیوم گراں دے پر بھروسہ کرتے تھے اور اپنا مال اس کے حوالے کر دیتے تھے کیونکہ انہیں امید ہوتی تھی کہ وہ نہایت ایمانداری اور عمدگی سے لین دین کرے گا۔ اُس نے ان لوگوں سے سب کچھ چھین لیا، اور کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ بس ایک۔ آنکھیں رہ گئی ہیں کہ بیٹھے اپنے نقصان پر رویا کریں۔ دیوالیہ تو ڈاکو سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ڈاکو تم پر حملہ کرتا ہے تو تمہیں اپنی مدافعت

کا موقع بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہ کام کرتا ہے۔
لیکن دیوالیہ تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دراصل شارل کے لئے تو یہ بڑی شرم کی بات ہے۔"
یہ الفاظ بیچاری لڑکی کے دل میں گڑ کر رہ گئے اور اُس کی طبیعت بوجھل ہو گئی۔
وہ خود اس درجہ راست باز تھی کہ جنگل کے کسی گوشے میں اُگنے والا پھول بھی داغ دھبوں سے ایسا مبرّا نہیں ہوتا ہوگا۔ وہ دُنیا داری کی باتوں سے بالکل واقف نہ تھی اور نہ اُسے لفظی ہیر پھیر یا پیالبازیوں کا کوئی علم تھا۔ اس لئے دیوالیئے کے بارے میں اُس نے اپنے باپ کی اُلٹی سیدھی اور ظالمانہ تعریف پر یقین کر لیا۔ اُس کے باپ نے جان بوجھ کر دیوالہ نکالنے اور ناگزیر اسباب کی بنا پر دیوالہ نکل جانے کے درمیان کوئی فرق نہیں بتایا تھا تو بھلا پھر یوژینی کس طرح سمجھ سکتی تھی؟
"لیکن ابّا، کیا آپ اس مصیبت کو روک نہیں سکتے تھے؟"
"میرے بھائی نے مجھ سے کوئی صلاح نہیں لی۔ اس کے علاوہ وہ کوئی چالیس لاکھ کا قرضدار ہے۔"
"ابّا، دس لاکھ کتنا ہوتا ہے؟" یوژینی نے ایک بچے کی سی سادگی سے پوچھا جو اپنی خواہش فوراً پوری ہوتی دیکھنا چاہتا ہو۔
"دس لاکھ؟" گرانڈے نے سوال دُہرایا "دس لاکھ فرانک کو تم یوں سمجھ لو کہ پانچ پانچ فرانک کے کئی ہزار سکے ہونگے۔ ہر فرانک میں بیس بیس سُو ہوتے ہیں چنانچہ بیس بیس سُو کے پانچ فرانک کا ایک سکہ بنتا ہے۔"
"اُفوہ! اتنے!" یوژینی چیخی "میرے چچا کے پاس ... چالیس لاکھ فرانک آئے کہاں سے؟ کیا واقعی، فرانس میں کوئی ایسا شخص ہے جس کے پاس اتنے لاکھ

فرانک ہوں؟"

گراں دے اپنی بیٹی کی ٹھوڑی کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرا دیا۔ اُس وقت اُس کا مسئلہ اور بھی بڑا معلوم ہو رہا تھا۔

"اب شارل بھائی کا کیا ہو گا؟"

"وہ ایسٹ انڈیز کی طرف روانہ ہو جائے گا اور وہاں دولت پیدا کرنے کی کوشش کریگا۔ اس کے والد کی یہی خواہش تھی۔"

"لیکن ان کے پاس وہاں جانے کے لئے پیسے ہیں؟"

"اس کے راستے کا کرایہ میں ادا کر دونگا۔ . . . ہاں . . . . نانت تک کا کرایہ۔"

یوژینی اُچھل پڑی اور اپنے باپ کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔

"ابا، آپ بڑے اچھے ہیں۔"

اس کا اتنا گرم جوشی سے لپٹنا گراں دے کو قدرے ناگوار گزرا۔ شاید اس لئے بھی کہ اس کا ضمیر کچھ مطمئن نہیں تھا۔

"کیا دس لاکھ کمانے میں بہت وقت لگتا ہے؟" یوژینی نے پوچھا۔

"ہاں، اور کیا؟" ٹین ساز نے کہا "تم یہ تو جانتی ہو کہ نپولین کتنا ہوتا ہے، تو دس لاکھ فرانک بنانے کے لئے پچاس ہزار نپولین چاہئیں۔"

"اماں، ہم ان کے لئے گرجا میں دُعا کرائیں گے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔" اُس کی ماں نے جواب دیا۔

"بس تمہاری یہی عادت ہے۔ ہمیشہ پیسے خرچ کرنے کی دُھن رہتی ہے۔ کوئی

سمجھے گا نہ جانے ہمارے پاس کتنا پیسہ ہے کہ یوں پھینکتے پھرتے ہیں"

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اٹاری کی طرف سے سسکی لینے کی ایک نہایت بھرائی اور بیٹھی ہوئی آواز سنائی دی جو پہلی سسکیوں سے کہیں زیادہ تشویشناک معلوم ہو رہی تھی۔ یوژبنی اور اس کی ماں کانپ گئیں۔

"نانون" گراں دے نے آواز دی "اوپر جا کر دیکھو کہیں وہ اپنے آپ کو ہلاک تو نہیں کر رہا ہے"

"اچھا، اب تم دونوں سنو" اس نے اپنی بیٹی اور بیوی کی طرف پلٹتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ اس کی آواز سن کر ان دونوں کے گال ڈر کے مارے سفید پڑ گئے تھے "خیال رہے، میں کسی قسم کی بیہودگی نہیں دیکھنا چاہتا! میں باہر جا رہا ہوں۔ مجھے ہالینڈ کے لوگوں سے ملنا ہے جو آج واپس جا رہے ہیں۔ پھر میں کروشو کے یہاں جاؤں گا اور اس سارے معاملے کے متعلق اس سے بات چیت کروں گا"

وہ باہر چلا گیا۔ جیسے ہی وہ دروازے سے باہر نکلا، یوژبنی اور اس کی ماں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لڑکی کو آج صبح سے پہلے کبھی اپنے باپ کی موجودگی میں ایسی کشیدگی کا احساس نہ ہوا تھا۔ لیکن ان چند گھنٹوں نے اس کے خیالات اور جذبات میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔

"اماں، شراب کا بڑا کنستر کتنے میں آتا ہے؟"

"تمہارے ابا کا کنستر تو سو یا ڈیڑھ سو فرانک میں بکتا ہے اور بعض دفعہ میں سمجھتی ہوں دو سو فرانک بھی مل جاتے ہیں کیونکہ میں نے انہیں یہی کہتے سنا ہے"۔

"اور کیا انگور کی فصل کے موقع پر چودہ سو کنستر نہ بن جاتے ہونگے؟"

"بچی، قسم ہے، مجھے تو پتہ نہیں کتنے بنتے ہونگے۔ تمہارے ابا اپنے کاروبار کے بارے میں مجھ سے کبھی بات نہیں کرتے۔"

"خیر کچھ بھی ہو، اماں، امیر تو ضرور ہونگے۔"

"ہو سکتا ہے۔ لیکن موسیو کرونشو نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے ابا نے دو سال ہوئے جو فرماؤں والی زمین خریدی ہے اس کا ان پر بہت بار پڑے گا۔"

یوژینی کو اپنے باپ کی دولت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا تو اس نے حساب کتاب چھوڑ دیا۔

"ان بیچاروں نے میری طرف دیکھا تک نہیں!" نانوں نے واپس آتے ہوئے کہا "وہ اپنے بستر پر بالکل معصوم بچے کی طرح لیٹے ہوئے ہیں اور زار و قطار روئے چلے جا رہے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کو ایسے روتے نہ دیکھا ہو گا۔ آہ بیچارے، نہ جانے کیا ہو گیا ہے انہیں؟"

"اماں، چلئے ہم اوپر جا کے انہیں دلاسہ دیں، اگر دروازے پر کھٹ کھٹ ہوئی تو ہم نیچے آ جائیں گے۔"

اس کی بیٹی کی سُریلی آواز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ مادام گراں دے انکار نہ کر سکی۔ یوژینی اب ایک عظیم الشان ہستی بن گئی تھی۔ وہ لڑکی نہیں رہی تھی بلکہ عورت تھی۔ دھڑکتے ہوئے دلوں کے ساتھ وہ سیڑھیاں طے کر کے اکٹھی شارل کے کمرے میں گئیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نوجوان کو دیکھنے یا سننے کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ اپنے رنج میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے منہ سے ایک موہوم سی چیخ نکل جاتی تھی۔

"انہیں اپنے باپ سے کس قدر محبت ہے!" لوئیزینی نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس کے لہجے میں بلاشبہ کچھ ایسی بات تھی جو اس کے دلی جذبات کو آشکارا کئے دے رہی تھی اور کچھ ایسی امیدیں جھلک رہی تھیں جن سے وہ ابھی خود بھی واقف نہ تھی۔ مادام گراں دسے کی ماممتا نے سب کچھ بھانپ لیا۔ اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور اس کے کان میں آہستہ سے بولی۔

"دیکھو، ذرا احتیاط سے کام لو، ورنہ تم اسے چاہنے لگو گی"

"اُسے چاہنے لگوں گی!" لوئیزینی نے کہا "آہ، کاش آپ جانتیں کہ ابا نے کیا کہا ہے"

شاسک نے لیٹے لیٹے تھوڑی سی کروٹ لی اور اپنی بہن اور چچی کو دیکھا۔

"میرے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا" وہ چلّایا "ہائے بیچارے ابا! اگر وہ مجھ پر بھروسہ کرکے مجھ سے اپنے نقصانات کا ذکر کر دیتے تو ممکن تھا ہم دونوں مل کر حالات سُدھار لیتے۔ خدایا! میرے ابا میرے اوپر کتنے مہربان تھے! مجھے ان سے دوبارہ ملنے کا اتنا یقین تھا کہ میں اُن سے بڑی بے پروائی کے ساتھ رخصت ہوا تھا مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ . . . . ."

اس کے الفاظ سسکیوں میں گم ہو گئے۔

"ہم ان کے لئے دعا کریں گے" مادام گراں دسے نے کہا "خدا کی مرضی پر شاکر رہو"

"بھائی، ذرا ہمت سے کام لیجئے" لوئیزینی نرمی سے بولی "اب آپ کے باپ تو کسی طرح آپ کو واپس نہیں مل سکتے۔ اب تو آپ کو یہ سوچنا چاہئے کہ اپنی عزت بچانے کے لئے آپ کو کیا کرنا ہے . . ."

عورت ہمیشہ اپنے ہوش و حواس برقرار رکھتی ہے چاہے وہ کسی کو تسلی ہی کیوں نہ دے رہی ہو۔ چنانچہ اسی طبعی فراست کی بنا پر یوژینی کوشش کرنے لگی کہ اس کے بھائی کا ذہن اپنے غم سے ہٹ کر کسی اور طرف لگ جائے، اور نہ سہی تو وہ اپنے ہی بارے میں سوچنے لگے۔

"میری عزت؟" نوجوان نے جلدی سے بالوں کو اپنی آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے زور سے کہا۔ وہ پلنگ پر اٹھ کے بیٹھ گیا اور بازو باندھ کر بولا "آہ، ٹھیک ہے۔ چچا جان کہہ رہے تھے کہ میرے ابا کا دیوالہ نکل گیا"

اس نے ایک نہایت دلدوز اور دردناک چیخ ماری اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"بہن یوژینی، مجھے اکیلا چھوڑ دیجئے! میرے پاس سے جائیے!" اس نے التجا کی "خدایا، میرے ابا کو معاف کر دے۔ اُنہیں دنیا میں ہی کتنی سخت تکلیف پہنچی ہوگی!"

یہ نوجوان اپنے غم میں بالکل ڈھے گیا تھا۔ اس کے رنج میں ذرا بھی تکلف یا تصنع نہ تھا۔ چنانچہ اس منظر میں ایک خوفناک سی دلکشی بھی تھی۔ یہ ایسا غم تھا جو دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ رہنا چاہتا تھا۔ شارل نے یہ جو التجا کی کہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا جائے تو یوژینی اور اس کی ماں فوراً مطلب سمجھ گئیں۔ وہ دونوں چپ چاپ نیچے چلی گئیں اور بڑی کھڑکی کے سامنے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئیں۔ پھر تقریباً گھنٹے بھر تک ایک دوسرے سے ایک لفظ کہے بغیر سلائی کرتی رہیں۔

یوژینی دزدیدہ نظروں سے اپنے بھائی کے کمرے کے چاروں اطراف دیکھ

چکی تھی۔ لڑکیاں ایسے سرسری جائزوں سے ایک لمحے میں ہر چیز دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح یوثر ینی نے بھی سنگار میز پر رکھی ہوئی چھوٹی موٹی چیزیں دیکھ لی تھیں ــــــ خصوصاً قینچیاں اور اُسترے جن پر سونا منڈھا ہوا تھا۔ ایسی مفلوک الحالی کے درمیان اس شان و شوکت اور امارت کے مظاہرے، بلکہ شاید اسی تضاد نے شاتل کو اس کی نظروں میں زیادہ دلچسپ بنا دیا تھا۔ ان کی زندگی بڑی خاموشی اور تنہائی میں کٹی تھی اور اس قسم کے کسی واقعے نے جس میں اذیت ناک دلچسپی بھی شامل ہو ان کی زندگیوں کی یکسانیت کو آج تک درہم برہم نہ کیا تھا اور نہ کوئی ایسی بات ہی پیش آئی تھی جس سے ان کے خیالات میں کوئی ہیجان پیدا ہوا ہو اور اب یہ دردناک ڈراما ان کی آنکھوں کے سامنے کھیلا جا رہا تھا۔

"اماں" یوثر ینی بولی "کیا ہم ماتمی لباس پہن لیں؟"

"اس کا فیصلہ تو تمہارے ابا کریں گے" مادام گراں دسے نے جواب دیا۔ اور وہ پھر خاموشی سے سلائی میں لگ گئیں۔ یوثر ینی کی ذہنی مشین کی سی باقاعدگی کے ساتھ چل رہی تھی جس سے اس کی ذہنی اُلجھن کا راز آشکارا ہو رہا تھا۔ اس پیاری لڑکی کی سب سے بڑی خواہش تو یہ تھی کہ کسی طرح وہ اپنے بھائی کا رنج بانٹ سکے۔ کوئی چار بجے کے قریب دروازے پر ایسے زور کی دستک ہوئی کہ مادام گراں دسے کے جسم میں ایک دم سے خوف کی لہر دوڑ گئی۔

"تمہارے ابا اتنی جلدی کیسے واپس آگئے؟" اس نے اپنی بیٹی سے کہا۔

کاشتکار اندر آیا تو وہ بڑا خوش معلوم ہو رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو

اس زور سے رگڑ رہا تھا کہ چمڑے کی سی سخت جلد ہی اسے برداشت کر سکتی تھی۔ دراصل اس کے ہاتھ روسی چمڑے کی طرح مضبوط تھے اگرچہ اُن میں ویسی خوشبو اور مہک نہ تھی جو چمڑے میں مسالوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ کچھ دیر تو وہ ٹہل ٹہل کر موسم کا اندازہ لگاتا رہا لیکن آخر اُس سے بات چھپائی نہ جا سکی۔

"لو بیوی، مَیں نے انہیں پھانس لیا" وہ بغیر ہکلائے ہوئے بولا "بالکل قابو میں آگئے۔ ہماری شراب بک گئی ہے! ہالینڈ اور بلجیم کے سوداگر آج صبح واپس جانے والے تھے۔ میں بازار میں اُن کی سرائے کے سامنے ایسے منڈلاتا رہا جیسے مجھے کوئی مطلب ہی نہ ہو۔ نام کیا ہے اُس کا۔ تم بھی اس آدمی کو جانتی ہو۔ وہ میرے پاس آیا۔ تمام اچھے اچھے کاشت کار اپنی انگوروں کی فصل سنبھالے بیٹھے ہیں! وہ ابھی انتظار کرنا چاہتے تھے سو انتظار کرتے رہیں! مَیں نے تو انہیں منع نہیں کیا ہے مَیں نے دیکھا کہ وہ ہمارا بلجیم کا سوداگر بڑا حیران ہو رہا ہے اس لئے میں نے سودا طے کر لیا۔ وہ ہماری ساری شراب دو سو فرانک فی کنستر کے حساب سے خرید رہا ہے اور اس کی آدھی قیمت تو اُس نے فوراً ہی سونے کی صورت میں ادا کر دی ہے اور باقی رقم کا مَیں نے تمسک لے لیا ہے۔ تمہارے لئے بھی چھ لوئی مل گئے ہیں۔ اب تین مہینے کے اندر قیمتیں گر جائیں گی۔"

یہ آخری الفاظ اُس نے نہایت سکون کے ساتھ کہے، لیکن اس کے لہجے میں کچھ ایسا طنز تھا کہ جو کاشت کار جھٹپٹے کے وقت سومور کے بازار میں چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنائے کھڑے تھے، اور جنہیں گرانڈے کے سودے بازی کی خبر نے سراسیمہ کر دیا تھا، اگر یہ الفاظ سُن لیتے تو ایک دم سے کانپ اُٹھتے۔ بازار میں

کھلبلی مچ جاتی ——— اور شراب کی قیمت پچاس فی صدی گر جاتی۔
"ابا، اس سال آپ کے پاس ایک ہزار کنستر ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟" یوژینی نے پوچھا۔
"ہاں، بچی"
ان الفاظ سے ظاہر ہوتا تھا کہ ٹین ساز کی خوشی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔
"اس کا مطلب ہے دو لاکھ فرانک؟"
"ہاں، مادموازیل گراں دے"
"اچھا، ابا، پھر تو آپ شارل کی آسانی سے مدد کر سکیں گے"
بلشازار کو اپنے محل کی دیوار پر غیبی تحریر دیکھ کر جو تعجب اور حیرانی ہوئی تھی اور طیش آیا تھا وہ گراں دے کے اس سرد غصے کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ شارل تو اس کے ذہن سے بالکل اتر ہی چکا تھا۔ لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی کے تمام تر خیالات اور اس کا یہ حساب کتاب سب اسی سے متعلق ہیں تو وہ برانگیختہ ہو گیا۔
"دیکھو!" وہ گرج کر بولا "جب سے اس مردود نے میرے گھر میں قدم رکھا ہے ہر چیز گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ تم لوگ اپنے پلّے سے اس کے لئے چینی منگواتی ہو اور اس کی ہر طرح خاطر میں لگی رہتی ہو۔ میں یہ باتیں برداشت نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے میں اس عمر میں اتنا تو سمجھ سکتا ہوں کہ صحیح اور مناسب بات کیا ہے۔ بہر کیف مجھے اپنی بیٹی یا کسی اور سے سبق لینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے بھتیجے کے لئے وہی کروں گا جو میں مناسب اور صحیح سمجھوں گا تمہارا

اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے تمہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں ——— اور تم، یوژینی" اس نے بیٹی کی طرف پلٹتے ہوئے کہا "اگر تم نے اس بارے میں ایک لفظ بھی مُنہ سے نکالا تو میں بلا کسی لحاظ کے تمہیں اور نانون کو نوائیے کی خانقاہ میں بھیج دونگا اچھی طرح سمجھ لو۔ وہ لڑکا ہے کہاں؟ کیا وہ ابھی نیچے نہیں اُترا؟"

"نہیں، پیارے" نادام گراں دے نے جواب دیا۔

"کیوں، وہ آخر کر کیا رہا ہے؟"

"وہ اپنے والد کے غم میں رو رہے ہیں" یوژینی نے کہا۔

گراں دے نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہ کہہ سکا۔ آخر اُس میں بھی پدرانہ شفقت کا مادّہ موجود تھا۔ اُس نے کمرے کے گرد ایک دو چکّر لگائے اور پھر سیدھا اپنی خلوت گاہ میں چلا گیا تاکہ روپیہ لگانے کے امکانات پر غور کر سکے۔ وہ سرکاری قرضے کے کاغذات خریدنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ جنگل والی دو ہزار ایکڑ زمین سے اُسے چھ لاکھ فرانک کی آمدنی ہوئی تھی۔ پھر لوپلر کے درخت فروخت کر کے جو رقم ملی تھی وہ بھی اس کے پاس تھی مختلف ذرائع سے حاصل کی ہوئی پچھلے سال کی آمدنی بھی تھی اور اس سال کی بچّت کا پیسہ بھی تھا۔ ابھی ابھی جو سودا ہوا تھا اُس کا تو ذکر ہی چھوڑیئے۔ چنانچہ اس دو لاکھ فرانک کی رقم کے علاوہ اس کے پاس اس وقت نو لاکھ لیور نقد تھے۔ اپنے لگائے ہوئے روپے پر تھوڑے سے عرصے میں بیس فی صدی منافع حاصل کرنے کا خیال اُسے للچا رہا تھا۔ سرکاری قرضے کا ایک تمسّک ستّر فرانک کا ملتا تھا۔ جس اخبار میں اس کے بھائی کی موت کی خبر چھپی اسی کے حاشیے پر اُس نے اپنا حساب جوڑا۔ اُس کے بھتیجے کی آہیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔

لیکن وہ سُنی اَن سُنی کرکے اپنے کام میں مصروف رہا یہاں تک کہ نانوں نے موٹی سی دیوار کو زور زور سے تھپتھپا کر اپنے مالک کو کھانا تیار ہو جانے کی اطلاع دی۔ وہ محراب کے نیچے زینے کی آخری سیڑھی پر رُک کر سوچنے لگا:

آٹھ فی صدی منافع کے علاوہ سود بھی ہے ——— میں ضرور خریدوں گا۔ دو سال کے عرصے میں پندرہ لاکھ فرانک، اور پھر یہ پیرس سے خالص سونے کی شکل میں ملیں گے، یہ تو بڑے مزے کی بات ہے ———

"اچھا، وہ میرے بھتیجے کا کیا ہوا؟"

"انہوں نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں کھائیں گے۔" نانوں نے جواب دیا "انہیں کچھ کھانا چاہیے ورنہ بیمار ہو جائیں گے۔"

"چلو بچت ہی ہوتی ہے۔" یہ اُس کے مالک کی رائے تھی۔

"خدایا! ہاں سچ تو ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"ہُنھ! وہ ہمیشہ روتا تو رہیگا نہیں۔ بھوک تو بھیڑیئے کو بھی جنگل سے گھسیٹ لاتی ہے۔"

کھانا عجیب قسم کی خاموشی کے ساتھ کھایا گیا۔ جب کپڑا میز سے ہٹا لیا گیا تو مادام گراں دے نے اپنے خاوند سے کہا:

"پیارے، ہمیں ماتمی لباس پہننا چاہیے۔"

"بہت خوب۔ مادام گراں دے، تمہیں شاید پیسے سے چھٹکارا پانے کا کوئی طریقہ نہیں مل رہا۔ سوگ تو دل میں منایا جاتا ہے کپڑوں سے ظاہر نہیں کیا جاتا۔"

"لیکن بھائی کے غم میں تو ماتمی لباس پہننا لازمی ہوتا ہے اور مذہب بھی ہمیں

حکم دیتا ہے کہ ..... "

"تو پھر تم یہ لباس اپنے چھٹوتی میں سے خرید لو۔ میرے لئے تو سیاہ پٹی ہی کافی رہے گی وہ تم مجھے لے دینا۔"

یوثریتی کچھ نہ بولی اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے فیاضانہ احساسات جو عرصے سے دبے ہوئے اور ساکت پڑے تھے اچانک جاگ اٹھے تھے لیکن ہر نیک خیال کو پیدا ہوتے ہی بڑی بیدردی سے کچل ڈالا گیا تھا۔ ظاہر میں تو یہ شام بھی ان کی یکساں زندگی کی ہزاروں شاموں کی طرح گزری لیکن ان دونوں عورتوں کے لئے تو یہ زندگی کی سب سے دردناک شام تھی۔ یوثریتی سر اٹھائے بغیر سلائی کرتی رہی۔ اس نے اس ملمع کئے ہوئے ڈبے کی طرف بھی کوئی دھیان نہ دیا جسے کل شام شارل نے اتنی حقارت کی نظروں سے دیکھا تھا۔ مادام گراں دے اپنے آستین بند بنتی رہی۔ گراں دے بیٹھا اپنے انگوٹھے نچا رہا تھا اور ایسی تجویزیں سوچ رہا تھا جن کے نتائج سے وہ ایک دن سومور بھر میں تہلکہ مچا دینا چاہتا تھا۔

چار گھنٹے گزر گئے۔ کوئی انہیں ملنے بھی نہ آیا۔ اصل میں بات یہ تھی کہ شہر اس کے بھائی کے دیوالیے، بھتیجے کی آمد اور گراں دے کی چالبازیوں کی خبروں سے گونج رہا تھا۔ سومور والے ان سب واقعات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی ایسی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ سب چھوٹے بڑے کاشتکار دے گراسیں کے گرد جمع ہو گئے تھے اور اپنے پرانے مشیر پر بری طرح لعنت بھیج رہے تھے۔

نانوں چرخہ کات رہی تھی۔ اور بھورے رنگ والے شہتیروں کے نیچے بڑے کمرے میں بس چرخے کی روں روں ہی سنائی دے رہی تھی۔ ●

"ہم میں سے کوئی بات ہی نہیں کر رہا ہے ؟" نانون نے اپنے بڑے بڑے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا جو چھلے ہوئے بادام کی طرح سفید تھے۔

"اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے" گراں دسے نے اپنے حساب کتاب سے بیدار ہوتے ہوئے جواب دیا۔

وہ مستقبل کا کوئی حسین خواب دیکھ رہا تھا ـــ اُسے تین سال کے عرصے میں اسّی لاکھ کمانے کا خیال آ رہا تھا ـــ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گہرے سمندر کے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا ہے۔

"چلو اب سو جائیں۔ میں اوپر جا کر تم سب کی طرف سے اپنے بھتیجے کا حال پوچھ آتا ہوں۔ اور یہ بھی دیکھ لونگا کہ اُسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

مادام گراں دسے یہ سننے کے لئے کہ اس کا لائق خاوند شارل سے کیا کہتا ہے اپنے کمرے کے باہر دہلیز پر ٹھہری رہی۔ یوژینی میں اپنی ماں سے زیادہ ہمت تھی۔ وہ زینے پر ایک دو قدم آگے بڑھ گئی۔

"اچھا، بیٹے تمہیں بہت رنج ہو رہا ہے؟ ہاں، خوب روؤ، یہ تو قدرتی بات ہے۔ باپ آخر باپ ہی ہوتا ہے۔ لیکن آدمی کو مصیبت میں صبر سے کام لینا چاہئیے۔ تم تو روتے رہے ہو لیکن میں اتنی دیر تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ تمہارا چچا بہت رحمدل انسان ہے۔ دیکھو، شاباش، ہمت نہ ہارو۔ کیا تم تھوڑی سی شراب پیو گے؟ سومور میں شراب بہت ہی سستی ہے۔ کیونکہ یہاں بکثرت ملتی ہے۔ یہاں کے لوگ شراب ایسے پیش کرتے ہیں جیسے انڈیز میں لوگ تمہیں چائے کی پیالی دیں گے مگر تمہیں تو ابھی اس کا کچھ پتہ ہی نہیں۔" گراں دسے بولتا چلا گیا۔

"یہ بُری بات ہے۔ بہت بُری بات ہے۔ انسان کو ہمیشہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا کر رہا ہے" گراں دے آتشدان کے قریب گیا۔

"ارے! وہ چلایا۔ "موم بتی! یہ ان کم بختوں کو کہاں سے ملی! میرے خیال میں یہ چڑیلیں تو اس لڑکے کی خاطر گھر کی ایک ایک چیز بیچ ڈالنے سے بھی گریز نہ کریں"

ماں اور بیٹی نے جب یہ الفاظ سنے تو وہ اپنے کمروں کی طرف بھاگیں اور چوہوں کی طرح ڈرتے ہوئے بستروں میں دبک گئیں۔

"مادام گراں دے، معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس کہیں سے بہت پیسہ آگیا ہے" کاشتکار نے اپنی بیوی کے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔

"پیارے، میں دعا مانگ رہی ہوں، ذرا ٹھہرو" بیوی نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بھاڑ میں جائے تمہاری یہ دینداری!" گراں دے غرایا۔

کنجوسوں کا آئندہ زندگی پر اعتقاد نہیں ہوتا۔ ان کے لئے تو زمانہ حال ہی سب کچھ ہے۔ لیکن اگر اس خیال کے تحت کنجوس کے اعمال کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے تو اس کا اطلاق بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ ہمارے زمانے پر اس سے ایک بے رحمانہ روشنی پڑتی ہے۔

کیونکہ پیسہ ہی سب سے بڑی طاقت ہے اور آج کل تو سماجی اور سیاسی اعتبار سے اسے قانون ساز کی حیثیت حاصل ہے۔ کتابوں، اداروں، علم اور عمل سب نے مل ملا کر آئندہ زندگی کے عقیدے کو کمزور کر دیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ سنگ بنیاد ہے

جس پر اٹھارہ سو سال سے ہمارے معاشرے کی آہستہ آہستہ تعمیر ہوئی ہے قبر کے عذاب سے اب ہمیں بالکل خوف محسوس نہیں ہوتا وہ مستقبل جو موت کے بعد ہمارا منتظر رہتا تھا اب زمانۂ حال میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اور ہم ایک ہی آرزو اور ایک ہی امید کے پیچھے سرگرداں ہیں یعنی جس طرح ممکن ہو عیش پرستی، خودنمائی اور لذت اندوزی کی ارضی جنت میں جا پہنچیں۔ اور اس موعودہ سرزمین کو چند دن کے لیے اپنے قبضے میں رکھنے کی خاطر ہم اپنے روح اور جسم دونوں کو قربان کر ڈالتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے اگلے وقتوں میں لوگ دائمی مسرت حاصل کرنے کے لئے خوشی خوشی اپنی جان فدا کر دیتے تھے اور شہادت کا درجہ حاصل کرنے کو بیقرار رہتے تھے۔ یہ بات ہر جگہ نظر آتی ہے۔ ہمارے زمانے پر تو اس کا ٹھپہ لگ گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب رائے دہندہ سے، جو قانون بناتا ہے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ "تمہاری کیا رائے ہے؟" بلکہ یہ پوچھتے ہیں کہ "تم کتنے پیسے دے سکتے ہو" اور جب یہ اصول متوسط طبقے سے عوام تک پہنچ جائے گا تو پھر ہمارا کیا حشر ہوگا؟

"مادام گراں دوسے تمہاری دعائیں ختم ہوگئیں؟" ٹین ساز نے پوچھا۔

"پیارے اب میں تمہارے لئے دعائیں کر رہی ہوں"

"اچھی بات ہے، شب بخیر اب میں تم سے کل صبح بات کرونگا"

بیچاری عورت، سوتے وقت اس کی حالت بالکل سکول کے اس لڑکے کی سی تھی جس نے سبق یاد نہ کیا ہو اور آنکھ کھلتے ہی استاد کا غضبناک چہرہ نظروں میں پھرنے لگے۔ اسی خوف کے باعث اس نے اپنے سر کے گرد چادریں لپیٹ لیں

تاکہ کسی قسم کی آواز نہ سُن سکے۔ لیکن عین اُسی وقت کسی نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ یہ یوژینی تھی۔ جو اندھیرے میں اس کمرے کی طرف سرک آئی تھی اور رات کے لباس میں ننگے پیر اس کے سرہانے کھڑی تھی۔

"ارے اماں، میری رحمدل اماں" وہ بولی "میں کل انہیں بتاؤں گی کہ یہ سب کچھ میں نے کیا تھا۔"

"نہیں، نہیں، ایسا نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں نوآئیے بھیج دینگے۔ یہ سب میرے اوپر چھوڑ دو۔ آخر وہ مجھے کھا تو نہیں جائیں گے۔"

"آہ اماں، کیا آپ سُن رہی ہیں؟"

"کیا؟"

"وہ اب تک رو رہے ہیں۔"

"پیاری بچی، تم اپنے بستر پر جاؤ۔ فرش سیلا ہوا ہے تمہیں سردی لگ جائیگی۔"

اور اس طرح یہ گمبھیر دن ختم ہوا جو اپنے ساتھ گراں دے کی دولتمند لیکن مفلس وارثہ کے لئے ایک بوجھ لایا تھا۔ اب یوژینی گراں دے کبھی اطمینان اور سکون کی نیند نہ سو سکے گی۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی کے کسی حصے میں کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرتا ہے کہ سب کہتے ہیں "یہ اسے زیب نہیں دیتا" لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عین اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ دراصل ہم نفسیات کی مدد لئے بغیر جلدی سے نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں ورنہ اگر کوشش کی جائے تو غیر متوقع نتائج کے پُراسرار اسباب کی نشوونما کا پتہ چلانا مشکل نہیں ہے۔ یوژینی کا یہ جذبہ بھی اس کی فطرت کی گہرائیوں

سے پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا کچھ اس طرح مطالعہ کرنا چاہیئے جیسے یہ کوئی نرم و نازک اور جاندار چیز ہو۔ تب جا کر اس کی نشوونما کا راز سمجھ میں آئے گا۔ یہ جذبہ اس کی تمام زندگی پر اثر انداز ہونے والا تھا۔ اور ایک دن اسی کو بڑے طنز کے ساتھ مرض کا نام دیا جانے والا تھا۔

بہت سے لوگ کھیل کے دردناک انجام کو ناقابلِ یقین قرار دے دیتے ہیں۔ لیکن اُن سے یہ نہیں ہوتا کہ اُن واقعات کے سلسلے پہ غور کریں جو اس انجام کا باعث بنے یا سوچیں کہ زنجیر کی ایک ایک کڑی کردار کے ذہن میں کس طرح پیدا ہوئی۔ جو معاملہ زیرِ غور ہے اس میں تو انسانی فطرت کے مبصرین کے لئے یوجینی کی گذشتہ زندگی کو سمجھ لینا ہی کافی ہوگا۔ اس کی بے لاگ حرکات اور محبت کا فوری جوش انہیں ذرا بھی متعجب نہیں کرے گا۔ نسوانی ہمدردی کے ظالم احساس سے اس کی روح معمور ہو گئی تھی اور یہ جذبہ اتنا مکمل اس لئے تھا کہ اس کی ہموار زندگی میں اس سے پیشتر اس کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ چنانچہ دن بھر کی مصیبت اور بے قراری نے اُسے رات کو بھی چین سے نہ سونے دیا۔

وہ بار بار جاگ اٹھتی اور اپنے بھائی کے کمرے کی طرف کان لگاتی کہ شاید کوئی آواز سنائی دے۔ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر جو آہیں اُس کے دل میں گونجتی رہی ہیں اُن کی آواز وہ اب بھی سن رہی ہے۔ بعض اوقات اُسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ اُسے کمرے میں لیٹا دیکھ رہی ہے اور وہ رنج سے مرا جا رہا ہے۔ اور کسی وقت اُسے خواب میں دکھائی دیتا کہ وہ فاقوں مر رہا ہے۔

صبح کے قریب تو اُسے ایک بڑی دردناک چیخ صاف سنائی دی۔ اُس نے فوراً

کپڑے تبدیل کئے اور صبح کی مدھم روشنی میں دبے پاؤں جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھ کر بھائی کے کمرے میں پہنچ گئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ موم بتی جل کر ختم ہو چکی تھی۔ انسان آخر انسان ہے۔ شارل صبح والے ہی کپڑے پہنے آرام کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا اور اس کا سر سامنے پلنگ پر ٹکا ہوا تھا۔ وہ ایسے خواب دیکھ رہا تھا جیسے بھیڑ کے لوگ دیکھا کرتے ہیں۔ یوژینی اس کے خوبصورت نوخیز چہرے کو سراہ رہی تھی جو سرخ ہو چکا تھا اور آنسوؤں سے داغدار تھا۔ رونے کی وجہ سے اُس کے پپوٹے سوج گئے تھے اور وہ اس وقت نیند میں بھی روتا ہوا ہی معلوم ہو رہا تھا۔ یوژینی خود بھی بُری طرح رو رہی تھی۔ اپنی بہن کی موجودگی کے موہوم سے احساس نے شارل کو جگا دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور اُسے روتے پایا۔

"معاف کرنا بہن" وہ غنودگی کے عالم میں بولا۔ ظاہر ہے کہ اُسے وقت کا کوئی اندازہ نہ تھا اور وہ یہ بھی نہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہے۔

"بھائی، یہاں بھی ایسے لوگ ہیں جنہیں آپ سے پوری ہمدردی ہے۔ ہم نے سوچا شاید آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو۔ آپ بستر پر لیٹ جائیے۔ اس طرح سونے سے آپ تھک جائیں گے۔"

"ہاں" وہ بولا "یہ تو ٹھیک ہے"

"خدا حافظ" وہ یہ کہہ کر بھاگ آئی۔ اُسے اپنے وہاں جانے پر خوشی بھی تھی اور گھبراہٹ بھی۔ معصومیت ہی ایسی دلیری کی جرأت کر سکتی ہے۔ اگر نیکی علم سے مسلح ہو تو وہ اپنے ہر فعل کو بدی کی طرح جانچتی ہے۔

یوژینی اپنے بھائی کی موجودگی میں ذرا بھی نہ کانپی تھی، لیکن جب وہ اپنے کمرے

ہیں لوٹی تو اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ اس کی نادانی کی زندگی کا اچانک خاتمہ ہو گیا تھا۔ وہ آپ ہی آپ جھنجھلا رہی تھی اور بار بار خود کو قصور وار ٹھہرا رہی تھی۔ "وہ وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گے؟ وہ سمجھیں گے کہ ان سے محبت کرتی ہوں" حالانکہ حقیقت میں وہ خود اُسے اس بات کا یقین دلانا چاہتی تھی۔ محبت بڑے سیدھے سادے طریقے سے اُسے سب کچھ بتا رہی تھی۔ اور وہ فطری طور پر سمجھ چکی تھی کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ وہ لمحہ جب وہ اپنے بھائی کے کمرے میں چوری چھپے داخل ہوئی تھی اس لڑکی کی ویران زندگی کا ایک یادگار واقعہ بن گیا کیا محبت میں بعض خیالات اور واقعات ایسے نہیں جو کچھ لوگوں کی نظر میں منگنی کی متبرک رسم کا درجہ رکھتے ہیں؟ ایک گھنٹے بعد وہ اپنی ماں کو کپڑے تبدیل کرنے میں مدد دینے کے لئے اس کے کمرے میں گئی۔ یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ پھر دونوں عورتیں نیچے اُتریں اور کھڑکی کے قریب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں۔ اور گراں دے کے آنے کا ایسی بیقراری سے انتظار کرنے لگیں جس سے آدمی یا تو تڑپنے لگتا ہے یا بالکل جم کر رہ جاتا ہے۔ جب کوئی دردناک یا پریشان کن واقعہ درپیش ہو تو بعض انسان سہم کر رہ جاتے ہیں لیکن بعض بالکل بیدھڑک ہو جاتے ہیں۔ یہ خوف کا جذبہ بالکل عام ہے۔ پالتو جانوروں ہی کو لیجئے اگر انہیں سزا کے طور پر تھوڑی سی تکلیف بھی پہنچے تو چیخ اٹھتے ہیں، لیکن اگر کہیں اتفاق سے چوٹ آجائے تو چوں تک نہیں کرتے۔

ٹین ساز نیچے اُترا، بیوی سے کچھ بے توجہی کے سے انداز میں بات کی، یوژینی کو پیار کیا اور میز کے قریب بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رات کی دھمکیاں بھول چکا ہے۔

"میرے بھتیجے کا کیا حال چال ہے؟ یہ بچہ ہمیں زیادہ تنگ نہیں کرتا۔"

"صاحب، وہ سو رہے ہیں۔"

"یہ بھی اچھا ہے، اب اُسے موم بتی کی ضرورت تو نہ ہوگی" گراں دے نے مذاقاً کہا۔

اس کی غیر معمولی نرمی اور یہ طنزیہ انداز مادام گراں دے کے لئے تعجب خیز تھا۔ اُس نے بڑی سنجیدگی سے اپنے خاوند کی طرف دیکھا "بھلا آدمی"۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ تورین، آں ژو، چواتو، بریتی کے علاقے میں یہ لقب جو گراں دے کے لئے اتنی دفعہ استعمال کیا جا چکا ہے کسی خوبی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ بدترین مزاج والوں سے لے کر خوش مزاج بیوقوفوں تک کے لئے یکساں استعمال ہوتا ہے۔ اور کسی خاص امتیاز کے بغیر ایک خاص عمر کے لوگوں کے ساتھ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بھلے آدمی نے اپنا ہیٹ اور دستانے اٹھائے اور بولا۔

"میں بازار کا حال چال دیکھنے جا رہا ہوں۔ میں کروشو لوگوں سے بھی ملنا چاہتا ہوں۔"

"یوژینی، تمہارے ابا ضرور کسی فکر میں ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ گراں دے ہمیشہ بہت کم سوتا تھا۔ آدھی رات تک تو وہ اپنی تجاویز کی اُدھیڑ بُن میں لگا رہتا تھا۔ اِس طرح اُس کے خیالات اور مشاہدات میں ایک حیرت انگیز درستی اور صفائی آجاتی تھی۔ گراں دے کی مستقل کامیابی کا سومور بھر میں شہرہ تھا۔ اور اُس کا راز یہی تھا۔ وقت اور صبر یہ دو باتیں جمع ہو جائیں تو نتیجہ خاطر خواہ نکلتا ہے اور وہی شخص زیادہ کامیاب رہتا ہے جس کی قوتِ ارادی مضبوط ہو اور

جو صبر کی ہمت رکھتا ہو۔ کنجوس کی زندگی سے مُراد ہی یہ ہے کہ ہر انسانی صلاحیت متواتر اُس کی شخصیت کے کام آتی رہے۔ کنجوس اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اور اپنے مفاد کی فکر میں پڑا رہتا ہے۔ ان دو باتوں کے علاوہ وہ عمل کے محرکات پہ ذرا یقین نہیں رکھتا۔ لیکن اپنے مفاد کی فکر میں رہنے کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ آدمی کو اپنے آپ سے محبت ہے۔ البتہ یہ شکل ذرا عملی قسم کی ہے اور ٹھوس چیزوں سے متعلق ہے۔ بہرحال یہ دونوں شکلیں ایک وسیع تر جذبے کے اندر سما جاتی ہیں۔ کیونکہ اپنے آپ سے محبت کرنا اور اپنے مفاد کا خیال رکھنا یہ دونوں باتیں بس خود پرستی کے اظہار کے دو مختلف ذریعے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جب تھیٹر میں کنجوس کا کردار چابک دستی سے پیش کیا جاتا ہے تو لوگوں کو بڑی دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ کونسا آدمی ہے جس کے دل میں ترقی کرنے کی آرزو نہ ہو؟ اور وہ کونسی سماجی آرزو ہے جو روپے کے بغیر پوری ہو سکے؟ ہر آدمی کنجوس سے تھوڑی بہت مماثلت ضرور رکھتا ہے۔ کنجوس تو گویا انسانیت کی مجسم شکل ہے اور ساتھ ہی ساتھ سارے انسانی جذبات کے لئے کراہت انگیز بھی ہے۔

جیسا کہ اس کی بیوی کہا کرتی تھی گراں دے واقعی "کسی فکر میں تھا۔ ہر کنجوس کی طرح اُسے بھی اپنا کھیل کھیلنے میں بڑا مزا آتا تھا۔ اُسے ہر وقت یہی دُھن سوار رہتی تھی کہ اپنے فائدے کے لئے ایک آدمی کو دوسرے آدمی کے خلاف استعمال کیا جائے اور اُن کا روپیہ اس طرح اڑایا جائے کہ قانون کی خلاف ورزی بھی نہ ہونے پائے۔ پھر جب کوئی شکار اُس کے پنجوں میں آ پھنستا تو کیا اُس کے احساس قوت میں اضافہ نہ ہوتا تھا اور جو کمزور لوگ اتنی آسانی سے اُس کے دام میں آجاتے

کیا ان کی طرف سے اُسے حقارت نہ محسوس ہوتی تھی؟ خدا کے قدموں میں جو بھیڑ اطمینان سے لیٹی ہے اُس کا مطلب کون سمجھتا ہے؟ یہ بھیڑ اُن عاجز اور بے بس لوگوں کی علامت ہے جو دُنیا میں دُکھ جھیلنے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں لیکن جن کا درجہ دوسری دُنیا میں نہایت بلند ہو گا۔ لیکن یہاں زمین پر ان کا حال بالکل مختلف ہے۔ یہاں تو بھیڑ کا نشکار کنجوس کے لئے بالکل جائز ہے۔ جب بھیڑ خوب موٹی ہو جاتی ہے تو کنجوس اُسے پکڑ کے ذبح کر ڈالتا ہے اور پکا کے ہڑپ کر لیتا ہے۔ کنجوس کی زندگی کا دارومدار بس روپیہ اور اپنی برتری کے اس حقارت آمیز احساس پر ہی ہے۔

رات اُس شخص کو کوئی نئی سوجھی تھی۔ اسی لئے وہ آج خلافِ معمول سب سے نہایت نرمی کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔ وہ پیرس والوں کو پھانسنے کے لئے رات بھر ایک جال بُنتا رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ لوگ نہایت آسانی سے جال میں آ پھنسیں گے۔ اور پھر اُن کی زندگی اُس کے رحم و کرم پر موقوف ہو گی۔ تھا تو وہ سومور کا ایک بڈھا ٹین ساز اور پرانے دُھرانے مکان میں کرم خوردہ زینے کے اوپر ایک گندے کمرے میں رہتا تھا۔ لیکن اب پیرس والوں کی اُمید اور نا امیدی سب اُس سے وابستہ ہو گئی۔ وہ اُس کے اشاروں پر چلیں گے۔ اُس کی تفریح کے لئے اپنا خون پسینہ ایک کریں گے اور وہ انہیں دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں بیٹھا ہنسا کرے گا۔

وہ اپنے بھتیجے کے متعلق بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُس کے مرحوم بھائی کی بدنامی بھی نہ ہو اور ساتھ ہی اُسے یا اس کے بھتیجے کو ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرنا پڑے۔ وہ تین سال کے لئے اپنا روپیہ لگا دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اس لئے اپنے معاملات کی طرف سے وہ بالکل مطمئن تھا۔ اس لئے دراصل اسے اپنی پُر عناد

قوت کسی نہ کسی طرح صرف کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور بھائی کا دیوالہ نکلنے سے یہ موقع ہاتھ آگیا تھا۔ اُس کے پیچھے جو کسی نہ کسی کو دبوچنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ آجکل بے مصرف تھے۔ چنانچہ وہ شارل کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیرس والوں کی مرمت کرنا چاہتا تھا۔ اور اِس طرح نہایت آسانی کے ساتھ اپنے آپ کو ایک شفیق بھائی کی صورت میں بھی پیش کر سکتا تھا۔ دراصل اس معاملے میں اُسے خاندانی عزت کا کوئی خاص خیال نہ تھا۔ بلکہ اس کا نظریہ قطعی غیر شخصی تھا۔ جیسے کوئی جواری چاہے کھیل میں حصہ نہ لے رہا ہو لیکن چاہتا ہے کہ بازی میں لطف آجائے۔ اُسے کروشو لوگوں کی مدد درکار تھی لیکن انہیں تلاش کرنا قطعاً منظور نہ تھا۔ بلکہ چاہتا تھا کہ وہ لوگ خود ہی اُس کے پاس آئیں۔ یہ دلچسپ ڈرامہ آج ہی شام شروع ہو جانا چاہیئے تھا اور اس کا خاکہ تو وہ تیار کر ہی چکا تھا۔ کل تک تو شہر بھر میں اس کی فیاضی کا چرچا ہوگا اور اُس کی ایک پائی بھی خرچ نہ ہوئی ہوگی۔

اپنے باپ کی غیر موجودگی میں یوژینی بڑی آزادی سے اپنے بھائی کے کاموں میں مصروف رہ سکتی تھی اور اس کے دل میں ہمدردی کی جو دولت جمع تھی اُسے طرح طرح سے شارل پر نچھاور کر سکتی تھی۔ اسی میں تو اُسے سچی خوشی ملتی تھی۔ کیونکہ اگر عورتیں ہم سے کسی فضیلت کا اعتراف چاہتی ہیں تو ہمدردی کے جذبے کا اور کسی بات میں بلند ترین مقام حاصل کرنا چاہتی ہیں تو خدمت گزاری اور وفا شعاری میں۔

یوژینی تین چار مرتبہ اپنے بھائی کے سانس لینے کی آواز سننے کے لئے کمرے تک گئی تاکہ اُسے پتہ چل سکے کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ گیا ہے اور آخر جب اُسے

یقین ہو گیا کہ وہ جاگ اُٹھا ہے تو ناشتہ لگانے میں مصروف ہو گئی۔ گلاس، پلیٹیں انڈے، پھل، کافی اور بالائی۔ یہ سب چیزیں اس نے بڑی احتیاط سے سجائیں۔ پھر وہ بڑی آہستگی سے لکڑی کی چھوٹی سیڑھیوں پر چڑھی اور آواز پر کان لگائے۔ کیا وہ کپڑے بدل رہا ہے؟ یا ابھی تک رو رہا ہے؟ آخر وہ دروازے پر پہنچی، اور بولی۔

"بھیا"

"کہو بہن"

"کیا آپ ناشتہ کرنے نیچے آئیں گے یا آپ کے کمرے میں لا دیا جائے؟"

"جیسی آپ کی مرضی ہو"

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہے۔"

بند کواڑوں کے پیچھے سے یہ گفتگو لوئزینی کے لئے کسی رومانی ناول کے ایک مزیدار واقعے سے کم نہ تھی۔

"بہت اچھا۔ ہم آپ کا ناشتہ آپ کے کمرے ہی میں لے آتے ہیں تاکہ ابا کے لئے ناراضگی کی گنجائش نہ رہے۔" وہ تیزی سے نیچے اُتر گئی اور چڑیا کی سی پھرتی کے ساتھ باورچی خانے کی طرف بھاگی۔

"نانون۔ ذرا جا کر تم اُن کا کمرہ ٹھیک ٹھاک کر دو۔"

وہ مانوس زینہ جس پر وہ ہزاروں بار اُتری چڑھی تھی اور جس پر ہر آواز گونج اٹھتی تھی اب لوئزینی کی نظر میں پرانا رہا ہی نہ تھا۔ اُس میں ایک نئی روشنی آ گئی تھی۔

وہ ایک زبان بولتا معلوم ہو رہا تھا جس کا مطلب وہ خوب سمجھتی تھی وہ پھر سے جوان ہو گیا تھا جیسے خود لیوژینی اور اس کے دل کی محبت جوان تھی۔ اور اُس کی مہربان اور شفیق ماں بھی ہر بات میں بیٹی کا ساتھ دینے کو تیار تھی۔ چنانچہ شارل کا کمرہ صاف ہو گیا، تو یہ دونوں بھی اُس کے پاس بیٹھنے کو چلی دیں۔ کیا مذہب میں سوگواروں کو دلاسا دینا نہیں سکھاتا؟ ایسی چھوٹی چھوٹی مذہبی تاویلوں کے ذریعے سے یہ عورتیں اپنے لئے جواز مہیا کر رہی تھیں۔

شارل گراں دے کے لئے نہایت محبت اور شفقت کا مظاہرہ کیا گیا چنانچہ اس بے چارگی میں وہ اُن کی پُرخلوص ہمدردی سے بے حد متاثر ہوا اور دونوں عورتوں کو بھی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُنہیں اپنی قید و بند کی زندگی میں آزادی کا ایک لمحہ نصیب ہوا ہے۔ یہ غمناک فضا انہیں بہت مانوس معلوم ہوتی اور وہ اس بدبختی میں بڑی آسانی سے شارل کی ساتھی اور شریک بن گئیں۔ لیوژینی نے قرابت داری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا یہ حق سمجھا کہ اُس کے کپڑے ترتیب سے رکھے اور سنگار میز پر پڑی ہوئی چھوٹی موٹی چیزوں کو سجا دے۔ چنانچہ وہ اِن عجیب و غریب چیزوں کو بڑے اطمینان سے اُلٹ پلٹ کے دیکھ سکتی تھی۔ وہ سونے چاندی کی بنی ہوئی چیزوں اور عیش پسندی کے اِس تمام ساز و سامان کو اپنے ہاتھوں سے ٹھیک ٹھاک کر کے رکھنے لگی اور اُن پر بنے ہوئے نقش و نگار کو قریب سے دیکھنے کے بہانے دیر تک اُن پر انگلیاں پھیرتی رہی۔

شارل اپنی چچی اور بہن کی اس پُرخلوص توجہ سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ پیرس کی زندگی سے بخوبی واقف تھا اور جانتا تھا کہ موجودہ حالات میں اُس کے تمام دوست

اور واقف کار اُس سے کنارہ کش ہو جاتے اور بڑی سرد مہری سے پیش آتے لیکن اُس کی مصیبت نے یوژرینی کے کردار کا سارا حسن اس پر واضح کر دیا اور وہ اس کے اطوار کی سادگی کا گرویدہ ہو گیا۔ حالانکہ کل ہی وہ اُس کا مذاق اڑا چکا تھا۔ چنانچہ جب یوژرینی نے بے تکلفانہ خیر خواہی کے انداز میں کھڑے ہو کر نانوں کے ہاتھ سے کافی کا پیالہ اور بالائی لے کر خود اس کے سامنے رکھی تو پیرس والے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور جب اُن کی نظریں ملیں تو شارل نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوم لیا۔

"ارے آپ کو کیا ہو گیا ہے"؟ یوژرینی نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں! یہ تو شکر گزاری کے آنسو ہیں"۔ اُس نے جواب دیا۔

یوژرینی نے فوراً منہ دوسری طرف پھیر لیا اور آتشدان سے موم بتیاں اٹھا کر نانوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی:-

"یہ لو انہیں یہاں سے لے جاؤ"۔

جب اُس نے ہمت کر کے اپنے چچا زاد بھائی کی طرف دوبارہ دیکھا تو اُس کا چہرہ اُس وقت تک تمتما رہا تھا۔ لیکن کم از کم آنکھوں نے خوشی کی اُس زیادتی کو آشکارا نہ ہونے دیا جو اُس کے دل میں اُمڈی پڑ رہی تھی۔ لیکن دونوں کے دل میں ایک ہی خیال پیدا ہو رہا تھا اور دونوں کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ اب مستقبل ہمارا ہے۔ خوشی کی یہ لہر شارل کو اس عظیم صدمے میں زیادہ ہی بھلی معلوم ہوئی کیونکہ اس کی تو اُسے ذرا بھی توقع نہ تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی اور دونوں عورتیں جلدی سے نیچے اُتر کے کھڑکی کے

پاس اپنی اپنی جگہوں پر جا بیٹھیں۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تیزی سے سیڑھیاں اُتر آئیں اور گراں دے کے اندر آنے تک کام میں مصروف ہوگئیں ورنہ اگر وہ اُسے ڈیوڑھی میں مل جاتیں تو اُس کے دل میں فوراً شبہات پیدا ہو جاتے۔ دوپہر کا کھانا اُس نے کھڑے کھڑے ہی کھایا۔ اتنے میں فردا فوں سے چوکیدار آ پہنچا جسے ابھی تک گراں دے کا موعودہ انعام نہ ملا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک خرگوش، باغیچے میں شکار کیے ہوئے چند تیتر اور کچھ مچھلیاں لایا تھا۔

"آہا! وہ بڈھا کورلو آ پہنچا۔ جب تمہاری ضرورت ہو تم ٹھیک اُسی وقت پہنچ جاتے ہو جیسے روزے کے دنوں میں نمکین مچھلی۔ یہ سب چیزیں تازی ہیں نا؟"

"جی ہاں صاحب پرسوں ہی ان کا شکار کیا ہے۔"

"دیکھو، نانوں ذرا چستی سے کام لو۔ یہ لے جاؤ۔ کھانے کا کام تو آج ان سے چل جائے گا۔ دو کروشو لوگ بھی آ رہے ہیں۔"

نانوں کی آنکھیں حیرت سے کھُلی کی کھُلی رہ گئیں اور وہ باری باری سے سب کے چہروں کی طرف تکنے لگی۔

"لیکن صاحب" وہ بولی "سبزی اور سُور کا نمکین گوشت کہاں سے آئیگا۔"

"بیوی،" گراں دے نے کہا "نانوں کو کچھ ذرا نک دے دینا اور مجھے یاد دلانا کہ میں تہ خانے میں سے چھانٹ کے اچھی سی شراب کی بوتل نکال لاؤں۔"

"اچھا تو موسیو گراں دے" چوکیدار نے کہنا شروع کیا (وہ اپنی تنخواہ کا تسلی بخش فیصلہ کرانا چاہتا تھا اور ایک پوری تقریر تیار کر کے لایا تھا) موسیو گراں دے۔"

"تت تت تت،" گراں دے نے کہا "میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

تم بہت اچھے آدمی ہو۔ ہم اس کے بارے میں کل بات کریں گے آج میں بڑا مصروف ہوں۔ بیوی، اسے پانچ فرانک دے دو۔" اس نے مادام گراں دے کی طرف دیکھ کر یہ جملہ کہا اور کمرے سے کھسک گیا۔ بے چاری عورت اسی میں خوش تھی کہ اس گیارہ فرانک کے عوض صلح صفائی تو ہو گئی۔ وہ تجربے کی بنا پر جانتی تھی کہ جب گراں دے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی دی ہوئی رقم واپس لے لیتا تو دس پندرہ دن ذرا اچھے گذر جاتے تھے۔

"یہ لو کورنوائیے" اس نے اس کے ہاتھ میں دس فرانک دیتے ہوئے کہا "ہم تمہاری خدمات کا جلد ہی انعام دینگے۔"

کورنوائیے کے پاس اس کا کوئی جواب تیار نہیں تھا۔ اس لئے وہ چلا گیا۔

"بیگم صاحب" نانوں نے کہا جو اس وقت اپنی کالی ٹوپی پہنے اور ٹوکری ہاتھ میں لئے تیار تھی "تین فرانک ہی کافی ہونگے، باقی آپ رکھئے۔ میں تین سے ہی کام چلا لونگی۔"

"کھانا نانوں ذرا اچھا پکانا، بھائی بھی نیچے آکر کھائیں گے۔" یوژینی بولی۔

"مجھے یقین ہے کہ کوئی بڑی غیر معمولی بات ہو رہی ہے۔" مادام گراں دے نے کہا "کیونکہ جب سے ہماری شادی ہے تیسری بار ہے کہ تمہارے ابا نے کسی کو کھانے پر بلایا ہے۔"

شام کے کوئی چار بجے ہونگے۔ یوژینی اور اس کی ماں نے کپڑا بچھا کر چھ آدمیوں کے لئے کھانا لگا دیا۔ گھر کا مالک دو تین بوتلیں اس عمدہ شراب کی لایا تھا جو انگوروں کی کاشت کرنے والے قصبے میں کوٹھڑیوں کے اندر چھپا کر رکھی جاتی ہے۔

شارل کھانے کے کمرے میں آیا تو بہت افسردہ اور زرد سا دکھائی دے رہا تھا۔ اُس کی حرکات میں ایک عجیب سی غمناک دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے، آواز اور نظروں میں رنج کی ایسی جھلک تھی جو عورتوں کو بے حد پسند آتی ہے۔ یوژینی نے اُس کا منہ غم سے اُترا دیکھا تو اُس کی محبت اور بھی بڑھ گئی۔ شاید مصیبت نے انہیں کئی اور طریقوں سے بھی ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا تھا۔ اب شارل وہ امیر خوبصورت نوجوان نہ رہا تھا جو یوژینی کی دُنیا سے بہت دور بستا تھا بلکہ اُس کا ایک مصیبت زدہ عزیز تھا اور غم کسی قسم کی تفراقات کو برقرار نہیں رہنے دیتا۔ عورتوں اور فرشتوں کی ایک مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ تمام مصیبت زدہ انسان اُن کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔

چنانچہ شارل اور یوژینی ایک لفظ کہے بغیر ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ بیچارہ کل کا رنگیلا اپنے بلند درجے سے گر کر آج محض ایک یتیم رہ گیا تھا، جو کمرے کے ایک کونے میں خاموش پُرسکون اور گمبھیر بنا بیٹھا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اُس کی نظریں اپنی چچا زاد بہن کی نظروں سے جا ٹکراتیں جو بڑی ہمدردی اور محبت سے اُس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یوژینی شارل کو نظروں ہی نظروں میں مجبور کر رہی تھی کہ وہ اپنے ان تکلیف دہ اور تاریک خیالات سے نکل کر امید افزا مستقبل کے بارے میں سوچے۔ ایسے مستقبل کے متعلق جس میں یوژینی کو اُس کی ساتھی بننے کی آرزو تھی۔

سومور بھر میں گراں دے کی دعوت کی خبر نے اُس کی شراب کی فروخت سے بھی زیادہ کھلبلی مچا دی تھی۔ حالانکہ انگوروں کے کاشتکاروں کے نزدیک یہ

یہ سخت ترین جُرم اور بدترین قسم کی غداری تھی۔ اگراں دسے نے کروشو لوگوں کو جو دعوت دی تھی اگر اُس کا محرک بھی وہی خیال ہوتا جس کی وجہ سے ایک مشہور موقعے پر ایسی بائیڈ ریز کے کُتّے کی دُم ضائع ہوئی تو شاید اس کنجوس کا نام تاریخ کے صفحوں کی زینت بن جاتا۔ لیکن وہ تو قصبے کی رائے عامہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اور اپنے آپ کو اُس سے کہیں بلند و برتر سمجھتا تھا۔ اُس کی نظروں میں سوموروکی ذرا بھی وقعت نہ تھی۔

دسے کراسیں لوگوں کو بھی جلد ہی گیوم گراں دسے کے یکایک دیوالیے ہو جانے اور اُس کے ہولناک انجام کی خبر مل گئی۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ شام کے وقت اپنے مؤکل کو بھائی کا پُرسا دینے جائیں گے۔ دوستانہ ہمدردی کا اظہار کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ اس فکر میں بھی لگ گئے کہ ایسے وقت گراں دسے نے کروشو لوگوں کو دعوت کیوں دی۔

ٹھیک پانچ بجے مجسٹریٹ دسے بوں فوں اور اس کا چچا یعنی سرکاری وکیل دونوں آپہنچے۔ اس دفعہ وہ بڑے اچھے کپڑے پہن کر آئے تھے۔ مہمان میز کے گرد بیٹھ گئے اور کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ گراں دسے بڑا سنجیدہ بنا ہوا تھا۔ شارل خاموش بیٹھا تھا اور یوژینی نے بھی کوئی بات نہ کی۔ مادام گراں دسے نے بھی معمول سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ اگر یہ ماتمی دعوت ہوتی تو بھی فضا کچھ اس سے زیادہ غمناک نہ ہوتی جب کھانا ختم ہوا تو شارل نے اپنے چچا اور چچی سے کہا:

"مجھے تو اب اپنے کمرے میں جانے کی اجازت دیجئے۔ کیونکہ مجھے کئی لمبے اور مشکل قسم کے خط لکھنے ہیں۔"

"ہاں بیٹے جاؤ۔"

جب شارل کمرے سے چلا گیا اور اُس کے چچا کو یقین ہو گیا کہ اب وہ اپنی خطوط کتابت میں مصروف ہو گا اور میری بات نہ سُن سکے گا تو اُس نے بیوی کی طرف بڑی خوفناک نظروں سے دیکھا۔

"مادام گراں دے، ہم اب جو باتیں کرنے والے ہیں وہ تمہاری سمجھ میں بالکل نہ آئیں گی۔ ساڑھے سات بج گئے ہیں۔ اس وقت تک تو تمہیں سو جانا چاہیئے۔ بیٹی، شب بخیر" اُس نے یوژینی کو پیار کیا اور ماں بیٹی دونوں کمرے سے نکل گئیں۔

تب یہ ڈرامہ شروع ہوا۔ گراں دے کو انسانوں کا اور تجارت کا طویل تجربہ تھا۔ جو لوگ اس سے چوٹ کھا چکے تھے انہوں نے اُسے "گرگِ باراں دیدہ" کا خطاب دے رکھا تھا۔ آج اس نے اپنی ساری ہوشیاری اور چالبازی صرف کر دی۔ اگر سومور کے اس سابق میئر کا حوصلہ ذرا اور بلند ہوتا یا وہ کسی اونچے مرتبے پر پہنچ گیا ہوتا اور اسے کسی ایسی جماعت کا رُکن بننے کا موقع ملتا جہاں قوموں کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں تو اس کی یہ قابلیت جو اس وقت ایک ذاتی اور چھوٹے سے مقصد پر صرف ہو رہی تھی۔ یقیناً فرانس کی بڑی شاندار خدمت انجام دیتی اور یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ اگر اُسے سومور سے باہر بھیج دیا جاتا تو یہ لائق فائق ٹین ساز بالکل بجھ کے رہ جاتا۔ کیونکہ بعض پودوں اور جانوروں کی طرح انسانی دماغ بھی اگر اجنبی ملک اور اجنبی آب و ہوا میں منتقل کر دیا جائے تو بنجر ہو جاتا ہے۔

"م... م... مجسٹریٹ صاحب! آپ ک... کہہ رہے تھے کہ د... د... دیوالہ۔"

یہ ہکلاہٹ کا مکر انگوروں کا کاشتکار مدت سے کرتا آرہا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اسے قدرتی عیب سمجھنے لگے تھے (اسی طرح وہ برسات کے زمانے میں بہرے پن کا بہانہ کرنے کا بھی عادی تھا) اس وقت گراں دسے کا ہکلانا کروشو لوگوں کے لئے انتہائی بیزارکن اور ناقابلِ برداشت ثابت ہو رہا تھا۔ تین ساز جب چاہتا کسی لفظ پہ اٹک جاتا اور انہیں بھی الجھا لیتا۔ وہ اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے عجیب عجیب طرح سے منہ بنا رہے تھے اور یوں ہونٹ ہلا رہے تھے جیسے گراں دسے کے بجائے خود ہی وہ لفظ پورا کر دینا چاہتے ہوں۔

غالباً یہ مناسب ہوگا کہ یہاں گراں دسے کے بہرے پن اور اس کے اٹک اٹک کر بولنے کی تاریخ بیان کر دی جائے۔ آں ژو کے علاقے میں اس سے اچھی سماعت کسی کی نہ تھی اور نہ کوئی اس علاقے کی بولی اس چالاک کاشتکار سے زیادہ صفائی اور روانی کے ساتھ بول سکتا تھا۔ لیکن یہ سب اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا تھا کہ اس کی عیاری کے باوجود ایک یہودی اسے چوٹ دے گیا۔ کاروباری گفتگو کے دوران میں یہودی نے کان پر اس طرح ہاتھ رکھ لیا تھا جیسے گراں دسے کی باتیں صاف صاف سننا چاہتا ہو۔ پھر جب اس کے بولنے کی باری آتی تو کسی لفظ کی تلاش میں اس بُری طرح ہکلاتا کہ گراں دسے خود اپنی انسانیت کا شکار بن کے مجبوراً اس مکار یہودی کو وہ الفاظ اور خیالات تجویز کر دیتا جن کی اسے تلاش تھی بلکہ یہودی کی طرف سے دلیلیں مہیا کرتا اور اس ملعون کی طرف سے وہ باتیں کہہ ڈالتا جو خود اسے کہنی چاہئیں تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو یہودی کی طرف سے بولنے لگا اور یہودی اس کی طرف سے۔

اس عجیب وغریب جنگ زرگری میں انگوروں کا کاشتکار فتحیاب نہ ہو سکا۔ عمر بھر میں یہ پہلا اور آخری واقعہ تھا کہ اُس نے بُرا سودا کیا۔ لیکن چاہے مالی اعتبار سے وہ گھاٹے میں رہا ہو۔ بہرحال اسے ایک بہت بڑا عملی سبق ملا تھا اور بعد میں گرآں دے نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ یہودی کو دعائیں دیا کرتا تھا کہ اس نے اُسے وہ طریقہ بتایا جس سے حریف جھنجلا اٹھے اور جس کی بدولت وہ اپنے مقابل والے آدمی کے خیالات ظاہر کرنے میں اتنا مصروف رہے کہ اپنی بات بالکل بھول جائے۔ بہرا بننا، ہکلانا، دُور از کار باتوں میں اُلجھ جانا۔ یہ سب چیزیں یوں تو گرآں دے کی عادت میں داخل ہی تھیں لیکن اپنی کاروباری زندگی میں اُسے ان حرکتوں کی اتنی ضرورت کبھی نہ پڑتی تھی جتنی آج پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ چاہتا تھا اپنے خیالات کی ذمہ داری کسی اور کے اوپر ڈال دے۔ اُس کی خواہش تھی کہ اُس کی تجاویز خود اُسی کے سامنے کوئی دوسرا پیش کرے۔ اُس کی بات اس کے دل میں رہے اور اُس کے اصلی مقاصد کی کسی کو ہوا تک نہ لگنے پائے۔

"موسیو دب۔۔۔۔ب۔۔۔۔ بوں فوں" (پچھلے تین سال کے عرصے میں یہ دوسری بار ایسا ہو رہا تھا کہ اُس نے نوجوان کروشو کو "موسیو دیوں فوں" کہا ہو۔ مجسٹریٹ اس بات سے بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ چالاک بڈھے نے مجھے تقریباً اپنا داماد تسلیم کر لیا)۔

"آپ ب۔۔۔ب۔۔۔بتا رہے تھے کہ بعض د۔۔۔د۔۔۔ دیوالے کے مقدموں میں ک۔۔۔ک۔۔۔ کارروائی اس طرح بھی روکی جا سکتی ہے کہ ک۔۔ک۔"

"ہاں تجارتی عدالت کے حکم سے آئے دن ایسا ہوتا ہی رہتا ہے"۔ موسیو

دلیوں خوں نے بڈھے گراں دسے کے خیالات کا اندازہ کرتے ہوئے جلدی سے کہا اور خود بھی اُسی رو میں بہہ گیا "سنیئے"! وہ بولا اور بڑے ملاطفت آمیز طریقے سے اُسے ساری باتیں سمجھانے کو تیار ہو بیٹھا۔

"میں س... سُن رہا ہوں" بڈھے نے بڑی نرمی سے کہا اور اُس کا چہرہ نہایت سنجیدہ ہو گیا۔ اُس کی کیفیت بالکل ایک چھوٹے لڑکے کی سی تھی جو بظاہر تو بڑے ادب اور غور سے سکول ماسٹر کا ہر لفظ سُن رہا ہو لیکن دراصل دل ہی دل میں اُس کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

"کوئی بہت بڑا تاجر ہو اور وہ لوگوں کی نظروں میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو جیسے کہ پیرس میں آپ کے بھائی مرحوم تھے تو اس صورت میں ..."

"میرے ب.... ب.... بھائی۔ ہاں پھر..."

"ایسی حیثیت رکھنے والا جب اپنے آپ کو دیوالیہ ...."

"د.... دیو.... والیہ۔ کیا ایسے لوگ دیوالیہ کہلاتے ہیں؟"

"ہاں جب دیوالہ نکالے بغیر چارہ نہ رہے تو آدمی جس تجارتی عدالت کے ماتحت ہو وہ چند مختارِ عام مقرر کر دیتی ہے تاکہ کاروبار بند کر دیا جائے (آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا؟) اس طرح کاروبار بند کرنے کے معنی دیوالے کے نہیں ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں نا! دیوالیہ ہو جانا تو بے عزتی کی بات ہے لیکن کاروبار بند کرنے میں کوئی بدنامی نہیں۔"

"ہاں۔ یہ تو بالکل م....م....م مختلف بات ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ خرچ نہ ہ... ہو۔" گراں دسے نے کہا۔

"اور ہاں اس طرح کاروبار ختم کرنے کا بندوبست تجارتی عدالت کی مدد کے بغیر بھی ذاتی طور پر کیا جا سکتا ہے۔" مجسٹریٹ نے نسوار کی چٹکی لیتے ہوئے کہا "اچھا، کسی کے دیوالیہ ہونے کا کس طرح اعلان ہوتا ہے۔"

"ہاں کس طرح؟" گراں دے نے دریافت کیا "میں نے توک... ک.... کبھی اس پر غور نہیں کیا۔"

"اوّل تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص ایک عرضی لکھے اور اپنے قرض خواہوں کی فہرست عدالت کو دے دے۔ یہ فہرست یا تو قرضدار خود تیار کرتا ہے یا کسی اور کو اس کا اختیار دے دیتا ہے اور پھر فہرست کی باقاعدہ رجسٹری ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت میں یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قرض خواہ اُسے دیوالیہ قرار دے دیں۔ لیکن فرض کیجئے کہ قرضدار کوئی عرضی نہیں دیتا اور نہ قرض خواہ اس کے دیوالیہ ہونے کی عدالت میں کوئی درخواست درج کراتے ہیں تو اب دیکھنا چاہیے کہ ایسے حالات میں کیا ہوتا ہے؟"

"اچھا تو ب... ب... بتائیے۔"

"ایسی حالت میں مرنے والے کا خاندان یا اُس کے نمائندے یا مختار کار یا خود وہ آدمی (اگر وہ مر نہ گیا ہو) یا پھر اُس کے دوست (بشرطیکہ وہ روپوش ہو گیا ہو) اُس کا کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ اب غالباً آپ اپنے بھائی کے معاملے میں یہی کرنا چاہتے ہوں گے؟" مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

"ارے! گراں دے" سرکاری وکیل بے اختیار بولا "یہ تو بڑی اچھی بات ہو گی۔ ہم قصباتی لوگ عزت کا الگ ہی نظریہ رکھتے ہیں اگر تم اپنے نام کو بے عزتی سے بچالو کیونکہ آخر یہ تمہارا ہی تو نام ہے تو یہ بڑی قابل تعریف بات ہو گی۔" مجسٹریٹ

نے اپنے چچا کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"بے شک۔ میرے ب۔۔۔ ب۔۔۔ بھائی کا نام گراں دسے تھا۔ یہ تو صحیح ہے اور مجھے اس سے ان۔۔۔ ان۔۔۔ کار نہیں اور پھر بہر حال یہ ت۔۔۔ ت۔۔۔ تجویز میرے ب۔۔۔ ب۔۔۔ بھتیجے کے لئے ا۔۔۔ا۔۔۔ اچھی چیز ثابت ہوگی۔ مجھے اس سے بڑی م۔۔۔ م۔۔۔ محبت ہے۔ لیکن خیر سوچیں گے۔ مجھے پیرس کے دھوکا بازوں اور ان کی ف۔۔۔ فریب کاریوں سے ذرا بھی تو واقفیت نہیں اور تم جانتے ہی ہو کہ میں س۔۔۔ سوموریں میں پڑا ہوں۔ میری انگور کی فصل کٹنے کو ہے۔ ن۔۔۔ ن۔۔۔ نالیوں کی کھدائی کا کام ہے۔ غرضکہ میرے اپنے م۔۔۔ معاملات ایسے ہیں جن کا مجھے د۔۔۔ د۔۔۔ دھیان رکھنا پڑتا ہے۔ میں نے ک۔۔۔ کبھی تمسک قبول نہیں کیا۔ تمسک ہونا کیا ہے؟ میں نے بہت سے ل۔۔۔ ل۔۔۔ لئے تو ہیں۔ ل۔۔۔ل۔۔۔ لیکن اپنا ن۔۔۔ ن۔۔۔ نام ک۔۔۔ کبھی کاغذ کے پرزے تک پر نہیں لکھا۔ تمسک ل۔۔۔ ل۔۔۔ لے کر اسے ب۔۔۔ ب۔۔۔ بھنایا جا سکتا ہے۔ بس میں تو اتنا ہی جانتا ہوں۔ میں نے لوگوں کو یہ ک۔۔۔ ک۔۔۔ کہتے سنا ہے کہ تمسک خ۔۔۔ خ۔۔۔ خریدے جا سکتے ہیں۔"

"ہاں" مجسٹریٹ بولا "آپ بازار سے سستی قیمت پر انہیں خرید سکتے ہیں۔ سمجھتے ہیں نا آپ؟"

گراں دسے نے نہ سننے کا بہانہ کرتے ہوئے کان پر ہاتھ رکھ لیا۔ مجسٹریٹ نے پھر اپنا فقرہ دہرایا۔

"لیکن ایسا م۔۔۔ م۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے د۔۔۔ د۔۔۔ دو رخ ہیں؟"

کاشتکار نے جواب دیا۔

"اس عمر میں میں ا... اس ق... قسم کی باتوں کے متعلق کچھ بھی ن... ن... نہیں جانتا۔ مجھے ا... انگوروں کا د... دھیان رکھنے کے لئے یہاں ر... رہنا ہی پڑیگا۔ پھر یہ فصل سدا ایک سی تو ر... رہتی نہیں۔ اسی پر تو ہماری تمام آ... م... مدنی موقوف ہے اس لئے سب سے پہلے انگور کی فصل کا ہی د... دھیان ک... کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ فرداً فوں میں میرا ب... ب... بہت سا کام پڑا ہے جو میں کسی اور پر نہیں چ... چھوڑ سکتا۔ پھر یہ م... معاملہ میری س... سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ عجیب گ... گ... گڑبڑ جھالا ہے۔ بھاڑ میں جائے ہیں گھر بج... چھوڑ کر اس کے پ... پیچھے نہیں پھر سکتا۔ آپ ک... ک... کہتے ہیں کہ اس کا فیصلہ کرنے کے لئے مجھے پیرس میں رہنا ہوگا۔ اب انسان پ... پرندہ تو ہے نہیں کہ ایک وقت میں د... دو جگہ پر رہ سکے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں" سرکاری وکیل چلایا۔ "دیکھو۔ تمہارے بہت سے پرانے یار دوست ایسے ہیں جو تمہارے لئے بہت کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔"

"ارے، بہت خوب،" کاشتکار نے اپنے دل میں کہا "تو گویا تم لوگ بھی کچھ ارادہ کر رہے ہو۔ ہے نا؟"

"اور اگر کوئی پیرس جائے اور وہاں تمہارے بھائی گیوم کے سب سے بڑے قرض خواہ کو ڈھونڈ ھ نکالے تو اُس سے کہنا چاہیئے کہ..."

"ہاں ذرا میری بات بھی س... سنو" ٹین ساز بیچ میں ہی بول اُٹھا "اس سے کہو کیا؟ ک... ک... کچھ اس طرح کہو: سومورئے موسیو گراں دے ا... ایسے

ہیں و... . ویسے ہیں وہ اپنے بھائی سے بے حدم... م... . محبت کرتے ہیں اُنہیں اپنے بھتیجے کا بھی بہت خ... خ... . خیال ہے ۔گراں دے کو اپنا خ... خاندان بھی ب... . بہت عزیز ہے، وہ سب کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے ابھی اپنی انگوروں کی فصل بڑے اچھے داموں پر ب... ب... . بیچی ہے۔ یہ معاملہ د... د... . دیوالیے تک نہ پہنچنا چاہیئے۔ قرض خواہوں کی ایک میٹنگ کی جائے اور م... م... . مختار کار مقرر کر دیئے جائیں۔ پھر دیکھنا کہ گراں دے کیا کرتے ہیں اور آپ کے لئے بھی یہ ب... . بہت ب... ب... . بہتر ہوگا کہ خود ہی کوئی تصفیہ کر لیں بجائے اس کے کہ د... . وکیل لوگ اس میں د... د... دخل دیں" کیوں ایسا ہی ہونا چاہیئے نا؟"

"ہاں۔ بالکل" مجسٹریٹ بولا۔

"بات یہ ہے موسیو د بوں بوں بوں فوں کہ آدمی کو کام کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا چاہیئے اور پھر انسان جس لائق ہو اتنا ہی تو کام کرے گا۔ اس قسم کا م... م... معاملہ تو بہت غ... . غور طلب ہے ورنہ تباہی کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ کیوں، میں سچ کہتا ہوں نا؟"

"یقیناً،" مجسٹریٹ نے کہا "میری بھی یہی رائے ہے کہ چند مہینوں تک آپ یہ قرضے مقررشدہ رقم پر خرید سکیں گے جن کی رقم قسطوں میں ادا ہو جائے گی۔ آہا! ایک ذرا سے گوشت کے ٹکڑے کے سہارے آپ بہت دُور تک کتے کو اپنے پیچھے لگائے رکھ سکتے ہیں۔ اگر آدمی کے دیوالیہ ہونے کا اعلان نہ ہوا ہو تو تمسک ہاتھ میں آتے ہی وہ شخص سب ذمہ داری سے بَری ہو جاتا ہے!"

"ذمہ داری سے ب . . . . ب . . . . بری ؟" گراں دسے نے کان پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ب . . . . ب . . . . بری ! میری کچھ س . . . . سمجھ میں نہیں آیا"۔

"ارے ، میں آپ کو ابھی بتائے دیتا ہوں۔ آپ ذرا دھیان سے سنیئے!" مجسٹریٹ زور سے بولا۔

"میں س . . . . سُن رہا ہوں ---"

"تمسک ایک ایسی چیز ہے جس کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ یہ نتیجہ جیری بنٹیم کے نظریۂ سُود سے اخذ کیا ہے۔ وہ ایک فلسفی تھا جس نے پوری طرح ثابت کر دکھایا تھا کہ ساہوکاروں کے خلاف جو تعصبات رائج ہیں وہ بالکل خلافِ عقل ہیں"۔

"بہت خوب" گراں دسے بول اٹھا۔

"ہاں اور یہ سب دیکھتے ہوئے بنٹیم کے نظریئے کے مطابق پیسہ بجائے خود ایک چیز ہے اور جو اس سے خریدا جائے وہ بھی ایک چیز ہوتی" مجسٹریٹ کہتا گیا "چونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ تمسک بھی ایک چیز ہونے کی حیثیت سے اسی قانون کے ماتحت آتا ہے کہ جتنی مانگ ہوگی اتنی ہی پیداوار ہوگی۔ لہٰذا دوسری چیزوں کی طرح تمسک بھی کبھی بازار میں بکثرت ملتا ہے کبھی کم۔ کبھی اُس کے دام بڑھ جاتے ہیں اور کبھی کم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ عدالت کا فیصلہ --- ارے ! میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ معاف کیجیئے گا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں آپ بڑی آسانی سے اپنے بھائی کے قرضے کو اُس کی قیمت سے پچیس فی صدی کم پر خرید سکیں گے"۔

"آپ نے ج . . . . ج . . . . جیری بنٹیم کا ن . . . . ن . . . . نام لیا تھا ---"

"بنیٹم ـــ انگریز تھا"

"وہ تو بر میاہ پیغمبر کی طرح ہے جو تجارتی معاملوں میں ہماری بہت سی تکالیف دُور کر سکتا ہے" سرکاری وکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انگریز ب.... بعض دفعہ بہت ع.... ع.... عقلمندی کی بات کہہ جاتے ہیں،" گراں دے نے کہا "لیکن اگر بنیٹم کے نزدیک میرے سب.... بھائی کے ت.... تمسک ب.... ب.... بیکار نکلے تو؟ اگر میرا اندازہ صحیح ہے تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرضخواہ یہ کریں گے.... ن.... ن.... نہیں یہ نہیں کریں گے۔ میں س.... س.... سمجھ گیا"

"سنیئے۔ میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتا ہوں" مجسٹریٹ نے کہا "اگر گراں دے کی فرم کے تمام تمسک آپ کے قبضے میں ہوں تو قانون کی رُو سے آپ کے بھائی یا اُن کے وُرثا کسی کے ایک پائی کے بھی قرضدار نہیں مانے جا سکتے۔ یہاں تک تو سب ٹھیک ٹھاک ہے"

"ٹھیک،" گراں دے نے دُہرایا۔

"اب ایک اور نکتہ سنیئے۔ فرض کیجیے کہ آپ کے بھائی کے تمسک کچھ نقصان کے ساتھ بازار میں بیچے جائیں اور فرض کیجیے کہ آپ ہی کا کوئی دوست اتفاق سے اُدھر سے گذرتے ہوئے تمسک خریدے تو ایسی حالت میں قرض خواہوں پر کسی جسمانی تشدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ تمسک تو انہوں نے اپنی مرضی سے دیئے ہیں اور اس طرح پیرس کے مرحوم گراں دے کی جائداد پر قانون کی رُو سے کوئی قرضہ باقی نہیں رہے گا"

"سچ ہے" ٹین ساز ہکلاتے ہوئے بولا "ت۔۔۔ت۔۔۔تجارت تو تجارت ہی ہے سو اس کا توف۔۔۔ف۔۔۔فیصلہ ہوگیا لیکن بہرحال یہ تو تم سمجھتے ہو کہ یہ سب کتنا م۔۔۔م۔۔۔مشکل کام ہے۔ میرے پاس پ۔۔۔پیسہ نہیں اور نہ و۔۔۔و۔۔۔وقت ہے اور پھر نہ۔۔۔"

"ہاں۔ہاں۔آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کے بدلے میں پیرس جانے کو تیار ہوں (سفر کے اخراجات آپ کو برداشت کرنا پڑیں گے جس کی رقم کچھ زیادہ نہیں) میں قرض خواہوں سے بات چیت کرکے انہیں ٹلا دونگا۔ یہ سب طے ہو جائے گا۔ کا۔ وبار ختم کرنے سے جو روپیہ حاصل ہوگا اس میں تھوڑا سا روپیہ آپ کو ملانا پڑے گا تاکہ تمسک آپ کے ہاتھ آجائیں۔ اس کے لئے تیار رہیئے گا۔"

"وہ تو ہم و۔۔۔و۔۔۔دیکھیں گے۔ میں کوئی ارادہ نہیں ک۔۔۔ک۔۔۔کرسکتا جب تک کہ مجھے پتہ نہ ہو کہ۔۔۔آپ جانتے ہیں میں اپنی حیثیت سے زیادہ تو کچھ ک۔۔۔کر نہیں سکتا۔"

"ہاں۔ یہ تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اور پھر آپ کی باتیں بھی سر چکرا دینے والی ہیں۔ میں تو سُن کے ب۔۔۔ب بھونچکا رہ گیا۔ یہ میری ز۔۔۔زندگی میں پ۔۔۔پ۔۔۔پہلا موقع ہے کہ مجھے ایسی باتوں کے بارے میں س۔۔۔س۔۔۔سوچنا پڑا ہے۔"

"ہاں۔ بے شک آپ کوئی بیرسٹر تو ہیں نہیں۔"

"میں تو ایک غ۔۔۔غریب انگوروں کا کاشتکار ہوں اور جو کچھ ابھی آپ نے

ب . . . ب . . . . بتایا ہے۔ اُس کے بارے میں بھی تو کچھ ن . . . . نہیں جانتا ۔ مجھے اِس کے بارے میں س . . . س . . . . سوچنا پڑے گا۔"

"اچھا! تو پھر" مجسٹریٹ نے کہا جیسے وہ پھر بحث شروع کرنا چاہتا ہو۔

"بیٹھے!" سرکاری وکیل نے ملامت آمیز انداز میں اُسے ٹوکا۔

"کیوں؟ چچا جان" مجسٹریٹ نے جواب دیا۔

"دیکھو۔ موسیو گراں دسے کو اچھی طرح سمجھ لینے دو کہ وہ کیا چاہتے ہیں یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور اس کے لئے تمہیں اُن سے ہدایات لے لینی چاہئیں۔ اب بہتر ہوگا کہ ہمارے عزیز دوست احتیاط کے ساتھ اپنی بات . . ."

اِتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور دسے گراسیں لوگ آ پہنچے۔ ان کی آمد اور مزاج پرسی وغیرہ میں بڈھا کرو شوا اپنا جملہ بھی ختم نہ کر سکا۔ بہرحال اُسے یہ مداخلت کچھ ناگوار نہ معلوم ہوئی۔ کیونکہ گراں دسے اُس کی طرف قدرے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور ٹین ساز کے چہرے کے مُتّے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس کے اندر ایک طوفان اُٹھ رہا ہے اور ذرا سنجیدگی سے غور کرنے پر محتاط سرکاری وکیل کو پتہ چلا کہ مجسٹریٹ جیسے شخص کو پیرس بھیجنا قطعی مناسب نہ ہوگا اور پھر قرض خواہوں سے بات چیت شروع کرنا اور اس طرح کے مشکوک قسم کے معاملے میں پڑنا کہ جس میں ایمانداری کا شائبہ تک نہ تھا اُس کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ گراں دسے کچھ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں۔ اس لئے وہ اپنے بھتیجے کے ایسے کام میں اُلجھنے کے خیال ہی سے لرزا اٹھا۔ چنانچہ وہ دسے گراسیں لوگوں

کی آمد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے بھتیجے کو بازو سے پکڑ کر ایک کھڑکی کی طرف لے گیا۔

"دیکھو۔ اب اس سے زیادہ بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے" وہ بولا "اتنا جوش ہی کافی ہے۔ تم تو لڑکی سے شادی کرنے کی بے تابی میں بہت ہی زیادتی کرنے لگے۔ لعنت بھیجو! تمہیں اس معاملے میں ایسی جلد بازی نہیں کرنی چاہئے جیسے کوئی منہ کھول کر اخروٹ کی طرف لپکتا ہے۔ تم تھوڑی دیر کے لیے اپنی کشتی مجھے بھی کھینے دو اور بادبان بس ہوا کے رُخ لگا دو۔ نہیں کیا یہ زیب دیتا ہے کہ مجسٹریٹ کے سے باوقار عہدے پر ہو کر تم ایک ایسے . . . . "

اُس نے جلدی سے بات یہیں ختم کر دی کیونکہ موسیو دسے گراسیں اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڈھے ٹین ساز سے کہہ رہا تھا۔

"گراں دسے۔ ہم نے آپ کے خاندان کی اس دردناک مصیبت کا حال سنا ہے۔ گیوم گراں دسے فرم کی تباہی اور آپ کے بھائی کی موت کا پتہ چلا تو ہم اس غم میں آپ سے ہمدردی کا اظہار کرنے آئے ہیں۔"

"بدقسمتی محض یہ ہے" سرکاری وکیل نے اسی وقت بات کاٹتے ہوئے کہا "کہ چھوٹے گراں دسے فوت ہو گئے۔ اگر انہیں اپنے بھائی سے مدد مانگنے کا خیال آ جاتا تو کبھی بھی وہ اپنی جان نہ لیتے۔ یہ ہمارے پُرانے اور عزیز دوست جو شرافت کا مجسمہ ہیں۔ پیرس میں گراں دسے فرم کے تمام قرضے چکا دینے کے لئے تیار ہیں۔ ہم اپنے دوست کو اس پریشانی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کام آخر وکیل کے ہی کرنے کا ہے۔ میرے بھتیجے نے ذمہ لیا ہے

کہ وہ فوراً پیرس پہنچ کر قرض خواہوں سے فیصلہ کر کے اُن کے مطالبات پورے کر دے۔"

یہ الفاظ سُن کر تینوں گراسین لوگ بھونچکے سے رہ گئے۔ گراں دسے نے ایسا ظاہر کیا جیسے مجبوراً یہ تجویز مان لی ہو کیونکہ وہ خیالات میں غرق اپنی ٹھوڑی تھپتھپا رہا تھا۔ گراسین لوگ یہاں آتے ہوئے گراں دسے کی کنجوسی کا تذکرہ کرتے رہے تھے اور اُسے برادر کُش کہنے کی حد تک پہنچ گئے۔

"آہ۔ وہی ہوا جس کی مجھے امید تھی" ساہوکار اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مادام دے گراسین، ابھی یہاں آتے ہوئے بھلا میں تم سے کیا کہہ رہا تھا؟ میں نے کہا تھا نا کہ گراں دسے تو ایسے آدمی ہیں کہ عزت برقرار رکھنے کے لئے وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔ اپنے نام پر وہ کسی قسم کا دھبہ لگنے کے خیال تک کو برداشت نہیں کریں گے۔ عزت بغیر پیسہ تو محض ایک بیماری ہے۔ اوہ۔ ہم قصباتی لوگ عزت کے معاملے میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں!

بہت خوب۔ گراں دسے واقعی تم بے حد شریف ہو۔ میں پرانا سپاہی ہوں اور مجھے لگی لپٹی باتیں نہیں کرنی آتیں۔ جو کچھ میرے دل میں آتا ہے میں صاف سیدھے طور پر کہہ دیتا ہوں۔ خدا کی قسم۔ کمال کر دیا ہے تم نے۔"

"لیکن یہ کہ ... کمال بہت م ... م ... مہنگا پڑتا ہے۔" ساہوکار کے پُرجوش مصافحے پر ٹین ساز نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"مگر میرے اچھے گراں دسے (مجسٹریٹ صاحب، آپ خفا نہ ہو جئے گا) یہ تو ایک کاروباری معاملہ ہے" دسے گراسین نے کہا "اور اس کا تصفیہ کرنے

کے لیئے ایک تجربہ کار تاجر کی ضرورت ہے۔ آمد و خرچ کا پورا حساب رکھنا پڑے گا، پھر سُود کی شرحیں آپ کو زبانی یاد ہونی چاہئیں۔ مجھے اپنے کاروبار کے سلسلے میں پیرس جانا ہوگا اور اُس کے ساتھ ہی میں آپکا کام ——"

"پھر ہم د۔۔۔د۔۔۔ دیکھیں گے اور ک۔۔۔ک۔۔۔ کوشش کریں گے کہ ایسا ب۔۔۔بندوبست ہو جائے جس سے میں اور آپ ہر م۔۔۔م۔۔۔ معاملہ آپس ہی میں طے کرلیں لیکن یہ میں ن۔۔۔ن۔۔۔ نہیں چاہتا کہ میں کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور ہو جاؤں جو مجھے نہیں ک۔۔۔ کرنا چاہیئے"۔ گراں دے نے سلسلۂ کلام جاری رکھا" کیونکہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مجسٹریٹ صاحب چاہتے ہیں کہ اخراجات میں ادا کروں اور بات بھی معقول ہے"۔ گراں دے اِن آخری الفاظ پر ذرا بھی نہ ہکلایا۔

"ارے!" مادام گراں دے بولیں "بھلا یہ کیوں؟ پیرس میں رہنا تو بڑی خوشی کی بات ہے! جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو وہاں اپنے خرچ پر بھی جانے کو تیار ہوں"۔

اُس نے اپنے خاوند کو اشارے سے اُکسایا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اُٹھائے تاکہ اُن کے رقیبوں کو جھینپنا پڑے اور اُن کے سارے منصوبے رکھے رہ جائیں۔ پھر اس نے شکست خوردہ کروشو لوگوں پر ایک ایسی نظر ڈالی کہ اُن پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ گراں دے ساہوکار کا کوٹ پکڑ کر اُسے ایک طرف لے گیا۔

"مجھے مجسٹریٹ سے زیادہ کہیں آپ پر بھروسہ ہوگا" اُس نے کہا" اور اس کے علاوہ" (اور اس کا منہ ذرا کسمسایا)، "مجھے وہاں اور بھی کچھ کام کرانا ہے۔ میں کسی کاروبار میں روپیہ لگانا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ ہزار فرانک ہیں جو میں سرکاری قرضے کے طور پر دینا چاہتا ہوں اور اُن کے لیئے اس سے زیادہ خرچ کرنے کا میرا ارادہ نہیں ہے۔ اب جہاں تک

میرے علم میں ہے ہر مہینے کے آخر میں دام گر جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے آپ یہ ساری باتیں اچھی طرح جانتے ہونگے؟"

"بہت خوب! ہاں خیال تو ہے کہ مجھے کچھ آتا ہے۔ اچھا تو پھر مجھے آپ کے لئے ہزاروں لیور کی رقم کے سرکاری قرضے خریدنا ہونگے؟"

"ہاں۔ شروع میں تو اتنا ہی پیسہ لگاؤں گا۔ لیکن آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کیجئے گا۔ میں یہ کھیل بغیر کسی کو بتائے ہی کھیلنا چاہتا ہوں۔ آپ مہینے کے آخر میں میرے لئے خرید لیجئے گا۔ البتہ کروشو لوگوں کو قطعاً اس کی خبر نہ ہو کیونکہ اس سے وہ چڑ جائیں گے۔ اب چونکہ آپ پیرس تو جا ہی رہے ہیں لگے ہاتھوں یہ بھی دیکھ لیں کہ میرے بے چارے بھتیجے کے لئے کیا داؤ کھیلا جا سکتا ہے۔"

"وہ تو خیر واضح چیز ہے۔ میں کل ہی پیرس روانہ ہو جاؤں گا" دے گراسین بلند آواز میں بولا "اور پھر میں آپ کی ہدایات لینے کسی اور وقت چلا آؤنگا۔ کونسا وقت زیادہ مناسب رہے گا؟"

"کھانے سے پیشتر، کوئی پانچ بجے" انگوروں کے کاشتکار نے ہاتھوں کو ملتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تک دونوں مخالف گروہ ایک دوسرے کو تکتے رہے۔ آخر دے گراسین نے خاموشی کو توڑا۔ وہ گراں دے کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"آپ جیسا اچھا چچا ملنا بھی کتنی خوش قسمتی کی . . . ."

"ہاں ہاں" گراں دے نے پھر ہکلاتے ہوئے کہا "کسی قسم کا . . . م . . . مظاہرہ کئے ب . . . بغیر میں ایک اچھا ہی چچا ہوں مجھے اپنے بھائی سے م . . . محبت تھی میں

اس کاش۔ ۔ ۔ ثبوت بھی دے دونگا۔ اگر۔ ۔ ۔ اگر۔ ۔ ۔ اگر اس میں ز۔ ۔ ۔ زیادہ خرچ۔ ۔ ۔"

خوش قسمتی سے اس جملے پر ساہوکار نے اُسے ٹوک دیا۔

"اچھا۔ گراں دے۔ اب ہمیں چلنا چاہیے۔ مَیں نے جو دن طے کیا تھا اگر اُس سے پہلے ہی روانہ ہونا ہے تو کچھ معاملات ایسے ہیں جنہیں جانے سے پہلے مجھے دیکھنا ہوگا"

"اچھا۔ ٹھیک ہے مجھے بھی م۔ ۔ ۔ ۔ مجسٹریٹ کردشو صاحب کے کہنے کے مطابق اس سلسلہ میں کچھ غ۔ ۔ ۔ ۔ غور و فکر کرنا ہے"

"لعنت ہو اس سارے قصے پر! مجھے موسیو دلبوں خوں بھی نہیں کہا گیا" مجسٹریٹ نے جل کر سوچا اور وہ افسردہ ہو کر رہ گیا۔ وہ ایسے جج کی طرح دکھائی دے رہا تھا جو مقدمے سے تنگ آچکا ہو۔

دونوں فریقوں کے سردار ایک ساتھ باہر نکلے۔ دونوں کے دونوں اس وقت گراں دے کا صبح والا فریب کارانہ فعل قطعاً فراموش کر چکے تھے۔ اور اُس کی بے وفائی بھی اُن کے ذہن سے نکل چلی تھی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی ٹوہ لینی چاہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ حالات نے جو یہ نیا پلٹا کھایا تھا اس میں گراں دے کا اصل مقصد (اگر اس کا کوئی مقصد تھا تو) کوئی بھی نہ جان سکا۔

"کیا آپ ہمارے ساتھ مادام دورسوں وال کے ہاں چلیں گے؟" دے گراسیں نے سرکاری وکیل سے پوچھا۔

"ہم ان کے ہاں بعد میں جائیں گے" مجسٹریٹ نے جواب دیا "اگر میرے چچا راضی ہوں تو پہلے ہم مادموازیل گرہبو کور کے پاس جائیں گے۔ مَیں نے اُن سے وعدہ کیا تھا

کہ رات کو تھوڑی دیر کے لئے میں ضرور آؤنگا "

"اچھا تو ہم پھر ملیں گے" مادام دے گراسیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جب دے گراسیں لوگ کروشو لوگوں سے کچھ دور نکل گئے تو آدولف نے اپنے باپ سے کہا "یہ لوگ عجب مخمصے میں پھنس گئے ہیں نا؟"

"چُپ" اس کی ماں نے جواب دیا "بہت ممکن ہے کہ وہ ہماری باتیں سُن لیں۔ اس کے علاوہ ایسی بات مُنہ سے نکالنا بدتمیزی ہے۔ یہ تو کالج کے لڑکوں کی سی باتیں ہیں"

"کیوں چچا!" مجسٹریٹ نے جب دیکھ لیا کہ گراسیں لوگ دُور نکل گئے ہیں تو زور سے کہا "مجھے شروع میں تو مجسٹریٹ دبواں نوں سمجھا گیا اور آخر میں محض کردشو ہی رہ گیا"

"میں نے بھی محسوس کیا تھا کہ تمہیں ایسی بات بہت بُری لگی اور پھر گراسیں لوگوں نے تو ہمارا بیڑا ہی غرق کر دیا۔ تم ذہین تو ضرور ہو لیکن ساتھ ہی بے وقوف بھی ہو! گراں دے نے کہا ہے 'اچھا دیکھیں گے۔' اس بات سے اُنہیں امید بندھ گئی ہے مگر ذرا دیکھتے جاؤ۔ تم تسلی رکھو بیٹے۔ یوژینی آخر تمہیں سے شادی کرے گی"

چند لمحوں کے بعد گراں دے کی بلند ہمتی کی خبر تین گھروں تک پہنچ گئی اور تمام شہر میں گراں دے کی اپنے بھائی سے محبت کا چرچا ہونے لگا۔ انگور کے کاشت کاروں سے کئے ہوئے معاہدے کے خلاف اپنی فصل کا سودا کر لینے کا معاملہ سب ہی بھول چکے تھے اور ہر ایک اُس کی دیانتداری اور فیاضی کی تعریف کر رہا تھا۔ اُس میں ایسی صفت پائے جانے کا لوگوں کو گمان بھی نہ تھا۔ فرانسیسی کردار کی خصوصیت ہے کہ جب اُن کے افق پر کوئی ستارہ اُبھرتا ہے تو اُن کے جذبات فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں اور وہ یا تو جوش میں آجاتے ہیں یا بگڑ اُٹھتے ہیں۔ کوئی بات ذرا مبالغہ آمیز ہو سہی، بس وہ مسحور ہو کے رہ جاتے

ہیں۔کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر لوگوں میں حافظہ ہوتا ہی نہیں ؟

گراں ڈسے نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرتے ہی ناتوں کو آواز دی۔

"دیکھو۔سو نہ جانا" وہ بولا "اور کُتے کو بھی ابھی مت کھولنا۔ایک کام ہے جو تمہیں اور مجھے مل کر کرنا ہو گا۔کار تو ایٹے گیارہ بجے فرداؔ فوں سے گاڑی لے کر آئے گا۔تم بیٹھ کر اُس کا انتظار کرو اور خاموشی سے اُسے اندر بلا لینا۔خیال رکھنا کہ وہ دروازہ نہ کھٹکھٹائے اور اُسے بتا دینا کہ وہ شور نہ مچائے۔اگر رات کو کوئی گڑبڑ کرے تو پولیس والے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔اس کے علاوہ میرے باہر جانے کی اطلاع سارے محلّے کو دینی ضروری نہیں۔"

یہ ہدایات دینے کے بعد گراں ڈسے اوپر اپنے کمرہ میں چلا گیا۔ناتوں کو اُس کے چلنے پھرنے اور کھڑبڑ کرنے کی آواز آ رہی تھی۔وہ بڑی احتیاط سے کمرے کا کونہ کونہ چھانتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔یہ تو ظاہر تھا کہ وہ اپنی بیوی یا بیٹی کو جگانا نہ چاہتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اپنے بھتیجے کے دل میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔اسی لئے جب اُس نے نوجوان کے کمرے میں بتّی جلتی دیکھی تو دل ہی دل میں اُسے کوسنے لگا۔

بیچ رات میں یوژینی کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی مرتا ہوا آدمی کراہ رہا ہو۔اُس کے خیالات میں ہر وقت اُس کا چچا زاد بھائی بسا رہتا تھا اور یہ مرنے والا بھی اُسے شارل ہی معلوم ہوا۔جب وہ سونے کے لئے گیا تھا تو اُس کی رنگت بالکل سفید پڑ چکی تھی اور وہ بہت ہی مایوس معلوم ہو رہا تھا۔بہت ممکن ہے کہ اُس نے خودکشی کر لی ہو۔اُس نے جلدی سے ایک لبادہ اپنے گرد لپیٹ لیا جس کے ساتھ ٹوپی بھی تھی اور اُسے دیکھنے کے ارادے سے چل دی۔شروع میں تو جھروکوں میں سے آتی ہوئی روشنی دیکھ کر وہ ڈر سی

گئی کہ کہیں گھر کو آگ نہ لگ گئی ہو لیکن جلد ہی اُس کا ڈر دُور ہو گیا۔ باہر اُسے نانوں کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی اور بہت سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ نوکر کی بھی آواز آ رہی تھی۔

"کیا میرے ابا شارل کو کہیں لے جا رہے ہیں؟" اُس نے اپنے دل میں سوچا پھر اُس نے بڑی احتیاط سے اپنے کواڑ کھولے کہ کہیں قبضوں میں سے چرچراہٹ کی آواز نہ پیدا ہو اور دیکھنے لگی۔

اچانک اُس کی نظریں اپنے باپ کی نظروں سے جا ملیں جن میں غیریت اور بے پروائی کا سا انداز تھا کہ یوفرینی کے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ نانوں اور ٹمین ساز کوئی چیز اُٹھائے باہر جا رہے تھے جو زنجیر سے ایک موٹے ڈنڈے میں لٹکی ہوئی تھی۔ ڈنڈے کا ایک سرا گراں دے کے کندھے پر تھا اور دوسرا نانوں کے کندھے پر۔ یہ چیز ایسے لمبے سے کنستر کی وضع کی تھی جیسے اکثر گراں دے فرصت کے اوقات میں باورچی خانے کے اندر بیٹھ کر بنایا کرتا تھا۔

"بی بی مریم کی قسم! صاحب یہ تو بہت ہی بھاری ہے" نانوں نے ہلکے سے کہا۔

"افسوس یہ ہے کہ اس میں صرف پیسے بھرے ہوئے ہیں" ٹمین ساز نے جواب دیا

"ذرا ہوشیاری سے چلو ورنہ تم موم بتی گرا دو گی۔"

جنگلے کے درمیان روشنی کے لیے صرف ایک بتّی جل رہی تھی۔

"کارنوائیے" گراں دے نے چوکیدار سے بڑے رازداری کے انداز میں پوچھا۔ "کیا تم اپنا پستول ساتھ لائے ہو؟"

"نہیں صاحب۔ خدا کی مہربانی چاہیئے! پیسوں کے ایک پیپے کے لئے ڈرکس بات

کا ہے؟"

"ہاں خیر کوئی بات نہیں" گراں دسے نے کہا۔

"اور پھر ہم جلد ہی راستہ طے کر لیں گے" چوکیدار نے بات جاری رکھی "آپ کے کرایہ داروں نے آپ کے لئے بہت ہی تیز گھوڑے چن کر بھیجے ہیں"

"بہت خوب! تم نے انہیں یہ تو نہیں بتایا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟"

"یہ تو مجھے خود بھی پتہ نہ تھا"

"اچھا، گاڑی خوب مضبوط ہے نا؟"

"جی ہاں بہت مضبوط ہے۔ ان جیسے چھوٹے چھوٹے پیپوں کا تو وزن ہی کیا ہے؟ یہ گاڑی تو ایسے دو تین ہزار ڈبے لے جا سکتی ہے"

"اچھا" نانوں بولی" ان سب کا وزن کم از کم اٹھارہ بیس من تو ضرور ہوگا!"

"نانوں تم اپنی بکواس بند کرو۔ امیری بیوی سے کہہ دینا کہ میں ذرا گاؤں جا رہا ہوں اور رات کے کھانے کے وقت تک واپس آ جاؤں گا۔ جلدی کرو کورنو اپنے۔ ہمیں نو بجے سے پہلے آن تز پہنچ جانا چاہیئے"

گاڑی روانہ ہو گئی۔ نانوں نے پھاٹک کی کنڈی چڑھا دی کتے کو کھول دیا اور پھر کندھے پر چوٹ آ جانے کے باوجود لیٹ کر سو گئی۔ محلے بھر میں کسی کو گراں دسے کے سفر یا اس کے ارادے کی خبر تک نہ ہوتی۔ یہ شخص ہوشیاری کا مجسمہ تھا۔ اس سونے سے بھرے گھر میں کبھی کسی نے ایک پیسہ بھی ادھر ادھر پڑا نہ دیکھا تھا۔ آج صبح اس نے گھاٹ پر لوگوں کو کہتے سنا تھا کہ نانت میں کچھ جہاز تیار کئے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے سونا اس قدر نایاب ہو گیا ہے کہ وہاں عام قیمت سے دگنے داموں پر سونا فروخت ہو رہا ہے اور

اس لئے آں تزرے میں نفع کی امید پر بہت سے لوگ سونا خرید رہے ہیں۔ بڈھے ٹین ساز نے یہ ترکیب نکالی کہ اپنے کرایہ داروں کے گھوڑے مانگے اور آں تزرے جا کر سونا بیچنے کی تیاری کر لی۔ اس کے بدلے میں اُسے ہنڈی مل سکتی تھی جس سے سرکاری قرضے کے کاغذ لئے جا سکتے تھے اور سونے کی فروخت میں اوپر سے کچھ رقم ٹیھا ویں ملنے والی تھی۔

"میرے ابا کہیں باہر جا رہے ہیں" یوژینی نے اپنے دل میں سوچا۔ اس نے سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے ساری گفتگو سن لی تھی۔

گھر پر ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ سوتے ہوئے سومور کی گلیوں میں گاڑی کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ دور تر ہوتی گئی اور آخر کار بالکل ختم ہو گئی۔ اتنے میں یوژینی کو وہ آواز سنائی دی جو اُس کے کانوں تک پہنچنے سے پہلے ہی دل میں اُتر گئی۔ یہ دردناک آواز اوپر کی پتلی سی دیواروں میں گونج رہی تھی یعنی اُس کے چچازاد بھائی کے کمرے سے آ رہی تھی۔ اُس کے دروازے کے نیچے روشنی کی ایک باریک سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ یہ کرنیں اندھیرے میں سے گزرتی ہوئی بوسیدہ زینے پر پڑ رہی تھیں جہاں روشنی کی ایک دھاری سی بن گئی تھی۔

"وہ بے حد غمگین ہیں" اُس نے ذرا آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

دوسری آہ سنتے ہی وہ اوپر دہلیز تک پہنچ گئی۔ سامنے دروازہ کھلا پڑا تھا۔ یوژینی نے اسے دھکا دے کر چوپٹ کھول دیا۔ شارل ٹوٹی پھوٹی پرانی سی آرام کرسی پر پڑا سو رہا تھا۔ اُس کا سر ایک طرف کو ڈھلکا ہوا تھا اور اُس کا لٹکا ہوا ہاتھ تقریباً فرش کو چھو رہا تھا۔ قلم اُس کے ہاتھ سے گر کر نیچے اُس کی انگلیوں کے پاس پڑا تھا۔ اس حالت میں لیٹے ہوئے اُس کا سانس تیز جھٹکوں کے ساتھ آ رہا تھا جس سے یوژینی ڈر گئی اور جلدی

سے کمرے میں چلی گئی۔

"وہ بہت تھک گئے ہونگے" اُس نے میز پر بند کیئے ہوئے دس بارہ خطوں کو پڑے دیکھ کر دل میں سوچا۔ اُس نے پتے پڑھے۔ میسرز فاری برائل مان اینڈ کو۔ گاڑی ساز۔ موسیو لوئیسوں پارچہ فروش وغیرہ وغیرہ۔

"معلوم ہوتا ہے یہ اپنا حساب کتاب بے باق کر رہے ہیں تاکہ جتنی جلدی ہو سکے فرانس سے چلے جائیں" اُس نے سوچا۔

اُس کی نظر دو کھُلے خطوں پر جا پڑی۔ اُن میں سے ایک پر لکھا تھا "میری پیاری آنیت،،"

وہ بھونچکی سی رہ گئی اور ایک لمحے تک وہ اور کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔ اُس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور اُسے ایسا محسوس ہُوا جیسے اُس کے پاؤں فرش پر چپک کر رہ گئے ہوں۔

"اُن کی پیاری آنیت! یہ کسی سے محبت کرتے ہیں۔ کوئی ان کو چاہتا ہے ... پھر تو ذرا بھی کسی قسم کی امید نہیں کی جا سکتی ..... دیکھوں تو انہوں نے اُسے لکھا کیا ہے"۔ یہ خیالات اُس کے دل و دماغ میں کوند گئے۔ اُسے یہ حروف دیواروں پر، فرش پر، ہر جگہ لکھے ہوئے نظر آنے لگے۔ جیسے ان الفاظ میں آگ کی سی دمک ہو۔

"کیا مجھے ابھی سے اُن کی طرف سے مایوس ہو جانا چاہیئے؟ نہیں۔ میں خط نہیں پڑھونگی۔ مجھے یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیئے ..... لیکن اگر میں اسے پڑھ لُوں تو!"

اُس نے شارل کی طرف دیکھا اُس کا سر بڑی آہستگی سے اپنے ہاتھوں میں لیا اور کرسی کی پشت سے لگا دیا۔ شارل بالکل بچے کی طرح اُس کے ہاتھوں میں آ گیا جو سوتے ہوئے بھی یہ جانتا ہے کہ اُس کی ماں اُس پر جھکی ہوئی ہے اور بغیر جاگے ہی اپنی ماں کے

بوسوں کو محسوس کر لیتا ہے۔ یوژینی نے بھی ماں کی مانند اُس کا لٹکتا ہوا ہاتھ اٹھا کر سیدھا کیا اور ماں کی طرح ہی اس کے بالوں کو نرمی سے چوم لیا۔ پیاری آئینت، کوئی تضحیک آمیز آواز اُس کے کانوں میں یہ الفاظ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی:

"میں جانتی ہوں کہ یہ بات ہے تو خراب، لیکن میں یہ خط ضرور پڑھونگی" وہ بولی۔ اُس نے اپنی نظریں ہٹالیں۔ اُس کی شرافت کا احساس یوژینی کو ملامت کر رہا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار اُس کی روح میں نیکی اور بدی کی یہ جنگ ہورہی تھی۔ اس سے پیشتر اُس نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی تھی جس کی وجہ سے اُسے شرمندہ ہونا پڑے۔ محبت اور نیاز جوئی کی خواہش نے اُس کے سب اندیشوں کو خاموش کر دیا۔ خط کے ایک ایک جملے پر اُس کے دل کی دھڑکنیں بڑھتی گئیں۔ اور نبض کی تیزی نے اُس کے تن بدن میں آگ سی بھر دی اور اُس کی پہلی محبت کے نازک ترین جذبات بھڑک اُٹھے۔

"میری پیاری آئینت!

دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہ کر سکتی تھی سوائے اس صدمے کے جس سے مجھے دوچار ہونا پڑا ہے۔ یہ ایک ایسا صدمہ ہے جو انسان کے تصور میں بھی نہ آسکتا تھا۔ میرے والد نے اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی ہے۔ میری اور اُن کی جائداد ایسی لُٹی ہے کہ اُس کے پھر حاصل ہونے کی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔ میں ایسی عمر میں یتیم ہوا ہوں جب مجھ جیسی تربیت پانے والا نوجوان محض بچہ ہی گردانا جاتا ہے لیکن اب مجھے کوشش کر کے اپنی مردانگی سے اُس تاریک گڑھے میں سے نکلنا ہے جس میں مجھے قسمت نے دھکیل دیا ہے۔ آج کی رات میں نے اپنے مستقبل کی تجاویز پر غور و فکر کرنے میں گزاری ہے۔ میں ایک نہایت ایماندار شخص کی حیثیت سے فرانس چھوڑ کر چلا جانا چاہتا ہوں لیکن اس وقت

میرے پاس سو فرانک بھی تو نہیں ہیں جنہیں میں اپنا کہہ سکوں۔ اور جن سے میں امریکہ یا انڈیز جا کر اپنی قسمت آزمائی کر سکوں۔ ہاں میری عزیزہ آئینت۔ میں دولت کی تلاش میں دُور دراز اور خوفناک ملکوں میں جا رہا ہوں، ایسی جگہوں میں سُنا ہے قسمت ضرور اور بہت جلد یاوری کرتی ہے۔ جہاں تک پیرس میں ہی رہنے کا تعلق ہے تو ایسا کرنے کو میرا جی نہیں مانتا۔ ایک دیوالیئے کے بیٹے کو جس سرد مہری اور حقارت و نفرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکے گی۔ خدایا! میں بیس لاکھ کا مقروض ہوں! . . . میں تو ایک ہفتے کے اندر ہی ضرور کسی نہ کسی سے بھڑ پڑوں گا۔ اس لئے میں پیرس نہیں لوٹونگا۔ وہ لطیف ترین جذبہ وہ بے غرض لگاؤ جو انسان کے دل کو موہ لیتا ہے یعنی تمہاری محبت بھی مجھے واپس نہ بُلا سکے گی۔ افسوس، میری پیاری۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں کہ تم تک پہنچ سکوں اور آخری بار تمہیں پیار کر سکوں۔ ایسا پیار جو مجھے آنے والے معرکے میں تقویت پہنچاتا رہے ؟"

میرے پیارا شارل! میں نے اچھا ہی کیا جو یہ خط پڑھ لیا۔ میرے پاس پیسے ہیں۔ وہ میں انہیں دے دونگی ؟" یوژینی نے کہا اور جب اُس کے آنسو تھمے تو اُس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔

"میں نے تو ابھی غربت کی سختیوں کا خیال بھی نہیں کیا ہے۔ فرض کرو کہ میرے پاس سو لوئی نکل بھی آئے تو وہ میرا کرایہ ہو جائے گا۔ پھر تجارت کرنے کے لئے تو میرے پاس ایک پائی بھی نہ بچے گی۔ لیکن نہیں، میرے پاس تو سو لوئی کیا سو پیسے بھی نہ نکلیں گے۔ مجھے تو کچھ اندازہ ہی نہیں کہ پیرس میں قرضہ چکانے کے بعد میرے پاس کچھ بچیگا بھی یا نہیں۔ اگر کچھ بھی نہ بچا تو میں نانت پہنچ کر محنت مزدوری سے

کرایہ جمع کروں گا۔ میں سب سے نچلی سیڑھی سے چڑھنا شروع کروں گا جیسے کہ اکثر اند
جانے والے باہمت لوگوں نے کیا ہے اور پھر وہاں سے دولت مند ہو کر پلٹے ہیں
آج صبح میں نے بڑی سنجیدگی سے اپنے مستقبل کا جائزہ لیا۔ میرے لئے یہ کام دو
کی بہ نسبت زیادہ مشکل ہے کیونکہ میں ایسی ماں کا لاڈلا ہوں جو مجھے دیوتا کی طرح
پوجتی تھی اور باپ نے میرے چاؤ چونچلوں میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی تھی اور پھر مجھے
اس دنیا میں آتے ہی آنا کی سی محبت نصیب ہوئی! ابھی تک میں نے زندگی کی صرف
بہاریں ہی دیکھی ہیں اور ایسی خوشی کبھی دائمی نہیں ہو سکتی تھی۔ بہر حال پیاری آینت
مجھ میں اتنی ثابت قدمی اور استقلال ہے کہ جس کی مجھ جیسے بے پروا نوجوان سے
توقع نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً ایسے جوان سے جس نے بچپن سے خوشیوں کے سوا
کچھ دیکھا ہی نہ ہو جس کی عادتیں پیرس کی دلفریب ترین عورت نے بگاڑ دی ہوں
دولت جس کی زر خرید لونڈی ہو اور جس کی خواہشات اُس کے باپ کے لئے قانون
کی حیثیت رکھتی ہوں وہ باپ جو...... آہ! میرے ابا!... آینت۔ وہ مر چکے
ہیں!..... اچھا تو میں نے سنجیدگی سے اپنے اور تمہارے حالات کے بارے
میں سوچا ہے۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں کے اندر میں بہت بڑا ہو گیا ہوں۔ پیاری آنا
اگر مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے تم اپنی عیش و آرام کی زندگی، تھیٹر کا وہ باکس اور
اپنے سنگار کی چیزیں سبھی کچھ تج دو تب بھی تم میری عشرت پسندانہ زندگی کے ضروری
اخراجات برداشت نہ کر سکو گی اور اس کے علاوہ میں اپنے لئے تمہیں ایسی قربانیاں
کرنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتا۔ اس لئے آج ہم ہمیشہ کے لئے جدا ہوتے ہیں۔"
"اچھا تو یہ خط اس سے رخصت لینے کے لئے لکھا گیا ہے! کنواری مریم کی قسم!

خوشی کی بات ہے"

یوژینی خوشی سے کانپ رہی تھی۔ شارل کرسی پر ذرا کسمسایا اور یوژینی نے خوف کی ایک
لہر سی محسوس کی۔ بہرکیف خوش قسمتی سے وہ جاگا نہیں۔ اُس نے پھر پڑھنا شروع کیا۔
"میں واپس کب آؤنگا؟ یہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اِن گرم ملکوں میں یورپ کے رہنے
ے اپنے وقت سے پہلے بوڑھے ہو جاتے ہیں خصوصاً وہ لوگ جنہیں سخت کام کرنا پڑتا
۔ آؤ ہم مستقبل کے بارے میں سوچیں اور کوشش کریں کہ اپنے آپ کو دس سال بعد کے
نے میں دیکھیں۔ اس دس سال کے عرصے میں تمہاری چھوٹی لڑکی اٹھارہ برس کی ہو چکی ہوگی
ہمیشہ تمہارے ساتھ رہا کرے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جاسوسی کا کام کیا کریگی۔
ہ دنیا تمہیں سختی کے ساتھ جانچے گی تو ممکن ہے تمہاری بیٹی اس سے بھی زیادہ سختی سے
اپنے اور اس قسم کی ناشکری ایک جوان لڑکی کا عام خاصہ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ دنیا
ی چیزوں کے متعلق کیا رائے رکھتی ہے۔ آؤ ہم اس سے سبق سیکھیں اور عقلمندی سے کام
ں۔ تم صرف اتنا کرنا کہ ان مسرت بھرے چار سالوں کی یاد اپنی روح کی گہرائی میں محفوظ رکھنا
ے میں اسے اپنے دل میں سنبھال کے رکھوں گا۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو اپنے اس بے کس
ست سے وفاداری کرنا۔ پیاری آنیت میں زیادہ مطالبات نہیں کرونگا۔ کیونکہ تم جانتی
۔ مجھے اپنے بدلے ہوئے حالات کا عادی بننا ہے۔ مَیں زندگی کو ایک بیوپاری کی سی
ر سے دیکھنے پر مجبور ہوں اور مجھے اپنی تجاویز بالکل غیر شاعرانہ اور بے رنگ حقائق کی
یاد پر مرتب کرنی ہیں۔ لہٰذا زندگی کی اس نئی راہ پر میں شادی کرانا ضروری خیال کرتا ہوں
یں تمہارے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ سومور شہر میں میری ایک چچا زاد بہن ہے جس
شکل وصورت، عادات و اطوار اور نیک دلی کو تم ضرور پسند کروگی اور طرّہ یہ ہے کہ

معلوم ہوتا ہے اُس کے پاس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اُسے خط لکھتے ہوئے وہ بہت ہی تھک گئے ہونگے تبھی تو یُوں بیچ میں چھوڑ دیا! یوژینی نے خط کو یوں بیچ جملے میں چھُٹا دیکھ کر دل میں کہا ۔ وہ اُس کی طرف سے کئی ایک عذ پیش کرنے کو تیار تھی۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک ناتجربہ کار لڑکی اس خط کی خود غرضی اور سرد مہری کو بھانپ لے نوجوان لڑکیوں کی تربیت مذہبی طریقوں پر ہو جیسے کہ یوژینی کی ہوئی تھی تو وہ ہمیشہ معصوم اور بھولی بھالی رہتی ہیں اور جب وہ محبت کی سحر آگیں وادی میں قدم رکھتی ہیں سوائے محبت کے انہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ ان کا حساب کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے خود اُن کی روح میں آسمان سے کوئی روشنی آ چمکی ہو جو اُن کے راستے میں اُجالا بکھیر تی جاتی ہے اور اُن کا محبوب اس تجلّی سے منور ہو کر ایک نیا ہی روپ دھار لیتا ہے محبت کی سحر آفریں آگ سے اُس کا چہرہ روشن نظر آنے لگتا ہے اور وہ ایسے عالی شان خیالات کا مجسمہ بن جاتا ہے جو درحقیقت اُن کے قطعاً نہیں ہوتے۔ عورتوں کی اکثر خطا زیادہ تر اُن کے سچائی پر یقین اور اچھائی پر بھروسہ رکھنے سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ یوژینی کے دل میں یہ الفاظ "میری پیاری انیت ـــ میری محبوبہ" محبت کی میٹھی راگنی بن کر گونج رہے تھے۔ ان الفاظ نے کسی ساز کی موسیقی کی طرح اُس کی روح میں ہلچل مچا دی اور اُس کا وہی حال ہو گیا جو بچپن میں گرجا کے دعائیہ نغمے سن کر ہوا کرتا تھا۔

غالباً وہ آنسو جو ابھی تک اس کے چچا زاد بھائی کی پلکوں پر خشک نہیں ہوئے تھے ایک ایسی شریفانہ سیرت کا مظاہرہ کر رہے تھے جو کسی جوان لڑکی کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ وہ کیسے جان سکتی تھی کہ شارل کا یہ رنج اور محبت حقیقی سہی مگر یہ جذبات

اپنے باپ سے کسی گہرے لگاؤ کے مظہر نہ تھے۔ بلکہ اس غم کی وجہ یہ تھی کہ باپ کو اُس سے بڑا پیار تھا۔ موسیو اور مادام گیوم گراں دوسے نے اُسے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا۔ جو خوشی بھی دولت سے خریدی جاسکتی تھی وہ اُس کے لئے موجود ہوتی تھی۔ اُس لئے اُسے کبھی یہ موقع ہی نہیں ملا تھا کہ پیرس میں رہنے والے خاندانوں کے نوجوان افراد کی طرح چاروں طرف بکھرے ہوئے لذائذ کو دیکھ کر بڑے تنفر سے اندازہ کرے کہ جب تک اُس کے والدین زندہ رہیں گے اُسے یہ رنگ رلیاں میسر نہ آسکیں گی۔ باپ کی اس حد سے بڑھی ہوئی مہربانی کا عجیب نتیجہ یہ نکلا کہ بیٹے کا دل اُس کی محبت سے لبریز ہوگیا۔ یہ ایسی محبت تھی جس میں اور کسی خیال کو دخل بھی نہ تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود شارل پکا پیرس زدہ نوجوان تھا۔ اُس کا دماغی رجحان کلیتہً پیرس والوں کا سا تھا۔ خود آنیت نے اُسے ہر فعل کے نتائج پر پوری طرح غور و فکر کرنے کی اہمیت کا درس دیا تھا۔ ظاہر میں تو وہ ضرور نوجوان تھا مگر اُس کے دل و دماغ جوانوں کے سے نہ تھے۔

شارل نے اس دنیا کی نفرت انگیز تعلیم پائی تھی جہاں ایک شام میں اتنے جرم سرزد ہو جاتے ہیں (کم از کم لفظ اور خیال کی حد تک) کہ عدالت کے پورے سیشن کے دوران میں پیش نہ ہوتے ہوں گے۔ یہ وہ دنیا ہے جہاں بڑے بڑے خیالات محض ایک چبھتے ہوئے فقرے سے فنا ہو کر رہ جاتے ہیں اور جہاں چیزوں کو اصلی روپ میں نہ دیکھنا کمزوری کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ چیزوں کی اصلیت دیکھنا ۔ اس کا مطلب ہے کسی بھی چیز پر یقین نہ رکھنا کسی شخص کا اعتبار نہ کرنا۔ کیونکہ اس دنیا میں سچی دوستی یا صحیح رائے کا وجود ہی نہیں ہے۔ واقعات پر بھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ بعض اوقات واقعات بھی گھڑ لئے جاتے ہیں۔ لہذا چیزوں کو اصل شکل میں دیکھنے کے لئے تمہیں اپنے دوست کی

دولت کا صبح شام جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور تمہیں اپنے آپ سے اپنے آپ صحیح موقع کا پتہ چل جانا چاہئے کہ کس وقت تمہیں دخل دینے سے فائدہ کی امید ہو سکتی ہے۔ تم اپنی رائے کو تعطل میں ڈالے رہو، کسی ہنر یا نیک کام کی تعریف کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ البتہ جب کوئی اپنا فائدہ مدِنظر ہو تو ہر کام کی تعریف ضرور کرو۔ بہت سی احمقانہ باتوں کے بعد اس محترم خاتون یعنی حسین آئینت نے شارل کو سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اپنے معطر ہاتھ سے شارل کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اس کے مستقبل کے بارے میں باتیں کی تھیں اور اس کی بکھری ہوئی زلف کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے اس دنیا میں ترقی کرنے کے فن کے متعلق مشورہ دیا تھا۔ اس میں نسوانیت پیدا کر دینے کے بعد آئینت اب اسے مادہ پرستی کی طرف مائل کر دینا چاہتی تھی اور اس طرح بداخلاقی کا دُہرا سبق دے رہی تھی۔ اس قسم کی بدکاری اونچی سوسائٹی کے قوانین، اس کے آداب و اطوار، یا اس کے حسن ذوق کے خلاف تو نہیں مگر اس کے باوجود ہے بڑی مہلک۔

"شارل تم تو بہت ہی سیدھے سادے ہو" وہ کہا کرتی تھی "مجھے معلوم ہے تمہیں اس دنیا کے طور طریقے سکھانا آسان کام نہیں۔ تم موسیو دے لوپو کے ساتھ بہت بُری طرح پیش آئے۔ میں مانتی ہوں کہ وہ کچھ ایسا محتاط آدمی نہیں ہے لیکن تمہیں یہ تو انتظار کرنا چاہئے کہ وہ اپنا اقتدار کھو دے۔ تب تمہارا جتنا جی چاہے اس سے نفرت کرنا۔ تمہیں معلوم ہے مادام کاں پاں ہم سے کیا کہا کرتی تھیں؟" میرے بچو۔ جب تک کوئی آدمی وزیر ہو اس کی پرستش کرو۔ اگر وہ اپنے اس درجے سے گر جائے پھر اسے اچھی طرح ذلیل کرو۔ کیونکہ جب تک وہ بڑے مرتبے پر ہے اس کی حیثیت دیوتا کی مانند

ہوتی ہے لیکن جب تباہ ہو جائے تو مارا سے بھی زیادہ ذلیل شخص بن جاتا ہے کیونکہ وہ زندہ ہوتا ہے جبکہ مارا تو مر مرا گیا ہے اور نظروں سے اوجھل ہے۔ زندگی محض اتفاقات کا ایک سلسلہ ہے جس میں اگر کامیابی کے ساتھ ایک اچھے درجے پر رہنا ہے تو پھر ان اتفاقات، کا بڑی احتیاط سے جائزہ لے کر اُن کی پیروی کرنی چاہیے۔"

شارل کے ارادے کچھ زیادہ پابند نہ تھے۔ وہ بہت دنیادار قسم کا آدمی تھا۔ والدین کے لاڈ پیار اور سماج کی چاپلوسی نے اُسے ایسا بگاڑ دیا تھا کہ اس کے دل میں کسی قسم کا جوش یا ولولہ پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ ماں کی اعلیٰ تربیت کے سبب سے اس مٹی کے ڈھیر میں تھوڑا سا سونا ضرور تھا لیکن پیرس کی آنچ میں تپنے کے بعد اس کی مثال بس ایک ہلکے سے ملمع کی رہ گئی تھی اور وہ بھی دنیا کی رگڑ گھس میں جلد ہی مٹ جانے والا تھا۔

اس وقت شارل کی عمر صرف اکیس[۲۱] سال کی تھی اور عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ نوجوانی کی تازگی کے ساتھ دل کی تازگی بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آدمی کا دماغ تر و تازہ چہرے، شگفتہ آواز اور معصومانہ نظروں سے اتنا مختلف ہو گا۔ ایک سخت ترین جج، ایک شکی مزاج وکیل اور ایک سنگ دل مہاجن بھی یہ یقین کرتے ہوئے جھجکے گا کہ ایسے شگفتہ صورت انسان کا دل ایسا مکروہ اور اس کی فطرت ایسی ذلیل ہو گی خصوصاً جب کہ پیشانی اتنی کشادہ ہو اور آنکھوں میں اتنی جلدی آنسو بھر آئیں۔

آج تک شارل کو اپنے ان پیرس والے مقولوں کو عملی صورت دینے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اس کے چال چلن کی کبھی آزمائش ہی نہ ہوئی تھی کہ اس کے نقائص کا پتہ چلتا۔ لیکن لاشعوری طور پر خود غرضی اُس کے اندر پوری طرح گھر کر چکی تھی۔ اس زہریلے معاشی فلسفے

کا بیج اُس کے دل میں بویا جا چکا تھا۔ اب تو صرف کوئی دم کی بات تھی کہ جونہی اُن خصائل کو چھیڑا گیا یہ فوراً اُبھر کر سطح پر آ رہیں گے۔ وہ اب جلد ہی ایک تماش بین کی حیثیت سے ہٹ کر اصل زندگی کے ڈرامے میں ایک کردار کی صورت میں رُونما ہونے والا تھا۔

ایک نو عمر لڑکی ہمیشہ غور و فکر کے بغیر ظاہری حُسن پر یقین لے آتی ہے لیکن لیوزہینی اگر قصبے کی اکثر لڑکیوں کی طرح زیادہ ہوشیار اور محتاط ہوتی تب بھی بھلا وہ اپنے چچازاد بھائی سے کس طرح بدگمان ہو سکتی تھی۔ خصوصاً جبکہ اُس کی ہر بات اور ہر حرکت شرافتِ نفس کی شاہد تھی؟ شارل کی زندگی میں یہ اُس کے حقیقی جذبات کا آخری اظہار اور اُس کے ضمیر کی آخری ملامت آمیز کراہ تھی۔ تقدیر نے لیوزہینی اور شارل دونوں کو اس لمحے اکٹھا کر دیا تھا اور یہ لیوزہینی کی بدقسمتی تھی کہ اُس کی تمام تر ہمدردی اب اپنے چچازاد بھائی سے وابستہ ہو گئی تھی۔

لیوزہینی نے وہ خط جو اُسے محبت سے بھرپور معلوم ہوا تھا، میز پر رکھ دیا اور اپنے سوتے ہوئے بھائی کو دیکھ کر خوش ہونے لگی۔ اُس کے چہرے پر لیوزہینی کو جوانی کی امنگیں اور امیدیں رقص کرتی نظر آ رہی تھیں اور اُس نے فوراً ہی قسم کھالی کہ وہ اس سے ہمیشہ ہمیشہ محبت کرے گی ۔۔ اب اُس نے دوسرے خط پر نظر ڈالی اور سوچا کہ اس کے پڑھ لینے میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ ہر عورت کی طرح وہ اُس مرد کو دیوتا مان چکی تھی اور اِس خط میں وہ اس کے شریفانہ خصائل کے تازہ ثبوت پانے کی ہی توقع رکھتی تھی۔

"میرے پیارے الفونس"۔ خط اس طرح شروع ہوتا تھا "جس وقت یہ خط تمہارے ہاتھوں میں ہوگا اُس وقت اس دنیا میں میرا کوئی دوست باقی نہ ہوگا۔ حالانکہ مجھے اُن

دنیا دار لوگوں کا ذرا بھی یقین نہیں جو اس لفظ کو نہایت آزادی سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مجھے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ تم مجھے دوست رکھتے ہو۔ چنانچہ میں اپنے چند کاروباری معاملات تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے تم یہ کام پوری کوشش سے سرانجام دو گے کیونکہ میرے پاس جو بھی دو چار پیسے ہیں وہ سب اسی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس وقت تک تمہیں یہ پتہ تو چل جانا چاہیئے کہ میرے حالات کیا ہیں۔ میں بالکل کنگال ہوں اور میں نے انڈیز جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ جن لوگوں کا مجھ پر قرض تھا میں نے ابھی ابھی اُن سب کو اطلاع دے دی ہے۔ جہاں تک میری یاد نے کام کیا ہے اُن کے ناموں کی فہرست تمہیں بھیج رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میری کتابوں، تصویروں، گاڑیوں اور گھوڑوں کے بکنے سے کافی رقم مل جائے گی جس سے میرا قرضہ اُتر سکے گا۔ میں اپنے پاس صرف چند ایک چھوٹی موٹی چیزیں رکھنا چاہتا ہوں جو میرے تجارتی کاروبار میں میرے کچھ کام آئیں گی۔ میں تمہیں اپنی چیزوں کے بیچنے کا اختیار دینے کے لئے باقاعدہ مختارنامہ لکھوا کر بھیج دونگا تاکہ کسی قسم کی دشواری نہ رہے۔ تم میری بندوقیں اور اسی قسم کی دوسری سب چیزیں مجھے یہاں بھجوا دو۔ کتا تم لے لینا۔ اس شاندار جانور کی اصلی قیمت مجھے کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ میرا خیال ہے میں اُسے تمہارے حوالے کر دوں تو بہتر ہے جس طرح ایک مرتا ہوا آدمی اپنی وصیت میں انگوٹھی اپنے وارث کو سونپ جاتا ہے اسی طرح تم اس کُتے کو سمجھنا۔ فیری، براٹل مان اینڈ کو میرے لئے ایک بہت آرام دہ گاڑی بنا رہے ہیں لیکن انہوں نے ابھی وہ گھر نہیں بھیجی۔ کوشش کرو کہ کسی طرح وہ اسے اپنے پاس ہی رکھ لیں اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کریں تو جس طرح ممکن ہو موجودہ حالات میں میری لاج رکھنے کا حل سوچو۔ میں اُس انگریز کے ساتھ تاش کھیلتے ہوئے چھ لوئی ہار گیا ہوں۔

دھیان رکھنا کہ وہ . . . . "

"میرے عزیز بھائی" یوژینی نے آہستہ سے کہا۔ کاغذ اُس کے ہاتھ سے گر پڑے اور وہ جلتی ہوئی موم بتی اٹھا کر جلدی سے پنجوں کے بل اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہاں پہنچتے ہی اُس نے بڑی خوشی کے ساتھ پرانے شاہ بلوط کی لکڑی کے صندوق کا ایک خانہ کھولا۔ یہ نشاۃ ثانیہ کی کاریگری کا ایک خوبصورت نمونہ تھا۔ صندوق کے اوپر شاہی نشان اب بھی آدھا مٹا سا نظر آ رہا تھا۔ اس دراز سے اُس نے ایک بڑی سی مخملی تھیلی نکالی جس میں سنہری پھندنے لگے ہوئے تھے اور تھوڑی تھوڑی سنہری کناری بچی باقی تھی۔ یہ اُس کی دادی کی شان و شوکت کی ایک بچی کھچی نشانی تھی۔ اُس کا وزن محسوس کر کے اُس کا دل فخر سے بھر گیا۔ اور وہ جلدی جلدی مختلف سکے الگ الگ کر کے اپنی پونجی کا حساب لگانے لگی۔ اُس کے پاس بیس پرتگالی سکے تھے۔ جن کی قیمت اُس کے والد کے قول کے مطابق ایک سو اسی فرانک فی سکہ تھی۔ یہ سکے سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ اُن کے حسن اور ندرت کی وجہ سے قیمت بڑھ بھی گئی تھی۔ پھر جینیوا کے پانچ سکے تھے جن کی قیمت یوں تو اسی فرانک تھی لیکن نوادرات جمع کرنے والے سو فرانک بھی دے دیتے تھے۔ یہ اُسے بڑھے موسیو دے لا بارتیلیر سے ورثے میں ملے تھے۔ اور پھر بادشاہ فلپ پنجم کے زمانے کے تین سنہری سکے تھے جن پر ۱۷۲۹ء کی تاریخ تھی۔ یہ مادام ژاں تیئے نے ایک ایک کر کے اُسے دیئے تھے اور دینے سے پہلے وہ ہمیشہ یہی کہا کرتی تھی "یہ لو تمہیں ایک سنہری چڑیا دیتی ہوں اس کی قیمت اٹھانوے لیور ہے! اس کو احتیاط سے رکھنا بیٹی۔ تمہارے خزانے میں اس کے برابر ایک سکہ نہ ہوگا" پھر سو سکے ہالینڈ کے تھے جن میں سے ہر ایک کی قیمت تقریباً تیرہ فرانک تھی۔ ان سکوں کا اُس کے باپ

کو بہت خیال رہتا تھا کیونکہ اُن میں کافی سونا تھا۔ پھر ان کے علاوہ اس کے پاس چند
اور سونے کے سکّے تھے جن میں سے تین پر ترازو بنی ہوئی تھی اور پانچ پر حضرت مریم کی
تصویر تھی۔ یہ سب خالص سونے کے تھے اور مغلِ اعظم کے زمانے سے تعلق رکھتے تھے۔
یہ نادر سکّے کنجوس کو بے حد عزیز تھے۔ اُن میں کی دھات ہی کی قیمت ساڑھے سینتیس
فرانک تھی۔ لیکن بعض شوقین لوگ ان سکّوں کے لیئے پچاس فرانک
بھی دینے کو تیار تھے۔ پھر ایک سکّہ اُس کے باپ نے اُسے پرسوں ہی دیا تھا جو اُس
نے بڑی بے پروائی سے اپنی لال مخملی تھیلی میں ڈال دیا تھا۔

اُس کے خزانے میں کچھ نئے سونے کے سکّے بھی تھے جو ٹکسال سے ابھی ابھی نکلے تھے
اور فن کاری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ انہیں گرانڈے وقتاً فوقتاً دیکھا کرتا تھا اور اپنی بیٹی کو
اُن کی قیمت، بناوٹ کی خوبصورتی اور اُن پر جو الفاظ کندہ تھے اُن کی نفاست اور نزاکت
سمجھایا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت یوژینی کو ان کی خوبصورتی اور نایابی کا ذرا بھی خیال نہ آیا۔
اپنے باپ کا جنون اور جو خزانہ باپ کی نظروں میں اتنا قیمتی تھا اُسے کھو بیٹھنے کا خطرہ
یہ دونوں باتیں وہ بالکل بھول چکی تھی۔ اس وقت اسے صرف اپنے چچا زاد بھائی کا
خیال تھا اور بہت کچھ حساب کتاب کرکے اُسے اندازہ ہوا کہ اس وقت وہ تقریباً
اٹھارہ سو فرانک کی مالک تھی اور اگر سکّے عجائبات کی حیثیت سے بیچے جاتے تو کوئی
دو ہزار فرانک کی رقم بنتی تھی۔

اپنی دولت دیکھ کر وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔ اُس کی حالت ایسی ہی تھی جیسے
کوئی بچہ اپنی بے اندازہ خوشی میں ناچنے لگے۔ اس رات باپ بیٹی دونوں نے اپنی اپنی دولت
کا تخمینہ لگایا تھا۔ باپ نے تو سونا بیچنے کی غرض سے اور بیٹی نے اپنا یہ پیسہ محبت کی راہ

میں لگانے کے لئے ۔ اس نے پیسے پرانے بٹوے میں ڈالے اور اسے اٹھا کر بغیر کسی جھجک کے اوپر چڑھ گئی۔ اس کے ذہن میں اگر کوئی خیال تھا تو بس اپنے چچا زاد بھائی کی مصیبت کا۔ اسے یہ بھی یاد نہ تھا کہ یہ رات کا وقت ہے۔ رسم و رواج کو وہ قطعاً فراموش کر چکی تھی اس کا ضمیر بھی اسے ملامت نہیں کر رہا تھا۔ محبت اور خوشی نے اس میں ہمت پیدا کر دی تھی۔ وہ ایک ہاتھ میں مخمل کی تھیلی اور دوسرے میں موم بتی پکڑے دہلیز پر پہنچی ہی تھی کہ شارل جاگ اٹھا۔ اپنی چچا زاد بہن کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ یوجینی نے آگے بڑھ کر بتی کو میز پر رکھا اور لرزتی سی آواز میں بولی:-

"شارل بھائی، میں نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ میں نے بہت برا کیا لیکن اگر آپ اس کا برا نہ مانیں تو خدا بھی مجھے معاف کر دیگا۔"

"وہ ایسا کیا کام ہو سکتا ہے؟" شارل نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"میں نے وہ دو خط پڑھ لئے ہیں۔"

شارل شرم سے سرخ ہو گیا۔

"اب آپ پوچھیں گے کہ میں یہاں کیوں آئی اور یہ خط کیسے پڑھے؟" وہ کہتی گئی "یہ تو اب میں بھی ٹھیک سے نہیں بتا سکتی لیکن بہر حال مجھے خوشی ہے کہ میں نے یہ خط پڑھ لئے کیونکہ ان کو پڑھ کر مجھے آپ کی دلی کیفیت کا اندازہ ہو گیا اور ــــ"

"اور کیا؟" شارل نے پوچھا۔

"اور آپ کے ارادوں کا بھی ــــــــ اور یہ بھی کہ آپ کو پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مشکلوں کا سامنا۔ ۔ ۔"

"میری پیاری بہن ــــ"

"شش! شش! اتنے زور سے نہ بولیئے۔ ایسا نہ ہو کوئی جاگ جائے۔ یہ ایک غریب لڑکی کی ساری جمع پونجی ہے جس کی اُسے کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اُس نے بٹوہ کھول دیا اور بولتی گئی "شارل بھائی۔ آپ کو یہ پیسے لینے پڑیں گے۔ آج صبح تک مجھے پتہ نہیں تھا کہ پیسہ کیا چیز ہے۔ یہ آپ نے مجھے سکھایا ہے کہ روپیہ تو بس ایک مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ چچازاد بھائی آخر سگے بھائی کی مانند ہوتا ہے۔ آپ اپنی بہن سے تو قرض لے سکتے ہیں۔"

یوژینی کو جو بیک وقت ایک لڑکی بھی تھی اور عورت بھی، کسی انکار کی توقع ہی نہ تھی۔ لیکن شارل خاموش رہا۔

"کیوں؟ کیا آپ انکار کر دیں گے؟" یوژینی نے پوچھا۔ خاموشی اتنی گہری تھی کہ اُس کے دل کی دھڑکن تک سُنائی دے رہی تھی۔ اپنے چچازاد بھائی کی جھجک سے اُس کے وقار کو ٹھیس لگی تھی لیکن شارل کی بے کسی کا خیال آتے ہی وہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

"میں تب تک نہیں اُٹھوں گی" وہ بولی "جب تک کہ آپ یہ پیسے نہ لے لیں گے۔ اوہ! بھیّا۔ خدا کے لیئے کچھ تو بولیئے! ۔ ۔ ۔ تاکہ میں یہ سمجھوں کہ آپ میری عزت کرتے ہیں اور آپ نیک دل ہیں اور ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ اذیت ناک فریاد سُن کر شارل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اُس کو گھٹنوں کے بل بیٹھے نہ دیکھ سکا۔ اُس کے گرم گرم آنسو یوژینی کے ہاتھوں پر گرے۔ وہ اُچھل کر اُٹھی اور بٹوے کو میز کے اوپر اُلٹ دیا۔ "اچھا تو پھر آپ نے منظور کر لیا نا؟" اُس نے خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔ "اسے لیتے ہوئے آپ کسی فکر میں نہ پڑیئے بھائی۔ آپ بہت جلد

امیر ہو جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس روپے میں بڑی برکت ہو گی۔ آپ جب چاہیں روپیہ واپس کر دیجئے گا۔ اور اگر آپ پسند کریں تو ہم دونوں کاروبار میں ساجھی بن جائیں گے۔ میں آپ کی ہر طرح کی شرائط ماننے کو تیار ہونگی۔ لیکن آپ اس تحفے کو بڑی چیز نہ سمجھئے۔"

آخر شارل کی طبیعت ذرا سنبھلی اور وہ بولا۔

"ہاں یوژینی۔ اگر میں اس پیشکش کو ٹھکرا دوں تو میں انسان نہیں۔ لیکن تمہیں مجھ پر اعتماد ہے تو مجھے بھی تم پر اعتماد ہونا چاہئے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" اُس نے چونک کر پوچھا۔

"سنو۔ میری پیاری بہن۔ میرے پاس وہ ——————"

اس نے اُٹھ کر خانوں والی میز پر سے چمڑے کے تھیلے میں سے ایک چوکور ڈبہ نکال کر یوژینی کو دکھایا۔

"یہ ایک ایسی چیز ہے جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ یہ ڈبہ مجھے میری ماں نے تحفے میں دیا تھا۔ آج صبح سے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر وہ پھر زندہ ہو سکتیں تو وہ خود اس سونے کو بیچ ڈالتیں جو انہوں نے بڑی محبت سے مجھے سنگار کیس کی صورت میں دیا تھا۔ لیکن میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہو گا جیسے میں کوئی گناہ کر رہا ہوں۔"

یوژینی نے یہ آخری الفاظ سُن کر اپنے چچا زاد بھائی کا ہاتھ زور سے بھینچ لیا۔

"نہیں" وہ کچھ دیر آنسو بھری آنکھوں سے ایک دوسرے کو تکتے رہے اور پھر وہ بولا "میں اس پر سے سونا نہیں اتارنا چاہتا اور نہ اپنے سفر میں اسے ہمراہ لے جانے کا

خطرہ مول لونگا۔ پیاری لوئزینی۔ میں اِسے تمہاری حفاظت میں چھوڑ جاؤنگا۔ کبھی کسی دوست نے دوسرے کے پاس اتنی مقدس امانت نہ چھوڑی ہو گی لیکن تمہیں خود ہی اس کا اندازہ ہو جائے گا۔"

اُس نے چمڑے کے کیس سے ڈبہ نکالا۔ اور اپنی چچا زاد بہن کی حیرت زدہ نظروں کے سامنے یہ سونے کا سنگار بکس کھول کے رکھ دیا۔ کاریگر کی صناعی نے دھات کی قیمت کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔

"تم جیسے سراہ رہی ہو یہ کچھ بھی نہیں ہے" اُس نے ایک خفیہ خانے کا بٹن دباتے ہوئے کہا "اس میں ایک ایسی چیز ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ پیاری ہے" اُس نے بڑے رنج سے کہا۔

اُس نے دو تصویریں نکالیں۔ یہ دونوں مادام دھرمل کے شاہکار تھے اور ان میں بڑی خوبصورتی سے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

"یہ کس قدر خوبصورت ہے، کیا یہ وہی خاتون نہیں ہیں جنہیں آپ خط لکھ رہے تھے؟"

"نہیں" اُس نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا "یہ میری اماں ہیں اور یہ میرے ابا۔ تمہاری چچی اور چچا۔ لوئزینی، میں تمہارے قدموں پہ گر کے التجا کرتا ہوں کہ تم میری امانت جو بہت قیمتی ہے سنبھال کے رکھنا۔ اگر میں مر گیا اور تمہاری جمع پونجی گنوا بیٹھا تو یہ سونا تمہارے نقصان کی تلافی کر دے گا۔ یہ دونوں تصویریں میں صرف تمہیں کو سونپ سکتا ہوں۔ تم ہی ان کی حفاظت کر سکتی ہو لیکن انہیں کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہ دینا۔ اس سے تو بہتر ہو گا کہ تم انہیں پھاڑ ڈالو۔ . . . ."

لوئزینی خاموش رہی۔

"اچھا، اب تو میں نے تمہاری بات مان لی نا؟" اس نے کہا اور اس کے انداز میں ایک عجیب دلکشی تھی۔

ان الفاظ پر لوئیزینی نے اُس کی طرف پہلی بار ایسی نظر سے دیکھا جس سے ایک محبت کرنے والی عورت ہی دیکھ سکتی ہے۔ اس نگاہ میں ایسی چمک تھی جو اُس کے دل کے تمام راز کہے دے رہی تھی۔

شارل نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔

"لوئیزینی۔ تم تو فرشتوں کی طرح معصوم ہو۔ ہم دونوں کے درمیان اب پیسہ کیا چیز ہے؟ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ٹھیک ہے نا؟ اصل چیز تو وہ احساس ہے جس کی وجہ سے یہ روپیہ اتنی قیمتی چیز بن گیا ہے۔"

"تم بالکل اپنی ماں سے ملتے جلتے ہو۔ معلوم نہیں۔ کیا اُن کی آواز بھی ایسی ہی سُریلی تھی؟"

"ارے! اس سے بھی زیادہ . . ."

"ہاں۔ تمہارے لئے" اُس نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے کہا۔ "اچھا شارل اب میرا خیال ہے تمہیں سو جانا چاہیئے۔ تم بہت تھک گئے ہو۔ شب بخیر۔"

اس کے چچازاد بھائی نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا جو اُس نے آہستہ سے کھینچ لیا اور اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اُس کا چچازاد بھائی موم بتی لئے اُسے راستہ دکھا رہا تھا۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر دونوں رُک گئے۔

"اُف! میں برباد کیوں ہو گیا؟" وہ بولا۔

"اب یہ باتیں جانے بھی دو۔ مجھے یقین ہے میرے ابا کے پاس بہت روپیہ

ہے،" یوتزینی نے جواب دیا۔

"بھولی بچی،" شارل نے ایک قدم اُس کے کمرے میں رکھ کر دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہارے ابا امیر ہوتے تو وہ کبھی میرے ابا کو مرنے نہ دیتے اور تم بھی اس طرح کے گندے سے مکان میں نہ رہا کرتیں۔ اس صورت میں اُن کے رہنے سہنے کا اور ہی انداز ہوتا۔"

"لیکن اُن کے پاس فروآفوں بھی تو ہے۔"

"فروآفوں آخر کتنی مالیت کا ہوگا؟"

"مجھے یہ تو پتہ نہیں۔ لیکن ایک نوآبیٹے بھی تو ہے۔"

"کوئی گھٹیا سی اراضی ہوگی؟"

"پھر اُن کے پاس چراگاہیں اور انگوروں کے کھیت بھی تو ہیں۔"

"ان کا تو ذکر ہی نہیں کرنا چاہیئے۔" شارل نے حقارت سے کہا "اگر تمہارے والد کی آمدنی چوبیس ہزار لیور سالانہ بھی ہوتی تو کیا تم ایسے ہی ٹھنڈے اور بغیر آگ کے کمرے میں سوتیں؟"

یہ کہتے ہوئے وہ ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔ "اچھا وہ جگہ کونسی ہوگی جہاں میری یہ قیمتی امانت رکھی جائے گی؟" اُس نے پرانے سے بکس کی طرف اشارہ کیا اور اس طرح اپنے خیالات کو اس سے چھپانے کی ترکیب نکالی۔

"جاؤ،" وہ بولی "اور سونے کی کوشش کرو۔" اور اس طرح یوتزینی نے اُسے گندے کمرے میں آنے سے روک دیا۔ شارل پیچھے کو مڑا اور دونوں نے مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو شب بخیر کہا۔

وہ دونوں سو گئے اور ایک ہی سے سپنے دیکھنے لگے۔ شارل کو ایسا محسوس ہوا کہ رنج کے باوجود دنیا میں اُس کے لئے خوشی موجود ہے۔ صبح کو ناشتے سے پہلے مادام گراں دے نے اپنی بیٹی کو شارل کے ساتھ ٹہلتے دیکھا۔ وہ ابھی تک خاموش اور اُداس سا تھا۔ اور پھر اُسے آخر رنج کیسے نہ ہوتا؟ اُس کی تباہی کوئی چھوٹا سانحہ نہیں تھی۔ اُسے آہستہ آہستہ پتہ چل رہا تھا کہ وہ کتنے گہرے گڑھے میں گر پڑا ہے اور مستقبل کا خیال اُسے بُری طرح ستا رہا تھا۔

"ابا کھانے سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔" یوژینی نے اپنی ماں کی آنکھوں میں تشویش جھلکتے دیکھ کر بتایا۔

یوژینی کی آواز میں ایک عجیب مٹھاس آ گئی تھی اور اُس کی صورت اور انداز دیکھ کر آسانی سے پتہ چل جاتا تھا کہ ان چچا زاد بہن بھائی میں کوئی خیال مشترک ہے۔ اُن کی روحیں بڑی تیزی سے ایک دوسرے میں سما گئی تھیں۔ حالانکہ شاید اس وقت تک وہ اُس قوت کی ماہیت اور زور سے بے خبر تھے جو انہیں اس طرح ایک دوسرے سے باندھے دے رہی تھی۔

شارل کھانے کے کمرے میں بیٹھا رہا اور کوئی بھی اس کے غم میں مخل نہ ہوا تینوں عورتوں کو خود اپنا کافی کام تھا۔ گراں دے بغیر کسی کو اطلاع دیئے چلا گیا تھا اس لئے اس کا سارا کام رُک گیا تھا۔ مزدور، بڑھئی، مستری، مزارعے، اور انگوروں کے کھیت میں کام کرنے والے سبھی باری باری چلے آ رہے تھے۔ بعض لوگ کچھ رقم چکانے آئے تھے۔ اور چند ایک کو پیسے وصول کرنا تھے۔ اور کچھ لوگ مرمت کے کام کا ٹھیکہ لینے کے لئے گھر پہ پہنچ رہے تھے۔ غرضکہ مادام گراں دے اور یوژینی کو بار بار اندر باہر

جانا پڑ رہا تھا جہاں انہیں مزدوروں اور قصبے والوں کی لمبی چوڑی باتیں سننا پڑ رہی تھیں۔

جو چیزیں گھر میں آ رہی تھیں، نانوں انہیں حفاظت سے اپنے باورچی خانے میں رکھتی جاتی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے مالک کی ہدایات کا انتظار کرتی تھی کہ کونسی چیز گھر میں رکھنی چاہیئے اور کیسے بازار میں بیچ ڈالنا ہو گا۔ ہمارا ٹیمن سارے دیہات کے اور چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں کی طرح اپنی بدترین قسم کی شراب استعمال کرتا تھا۔ اور گرے پڑے یا بیکار پھل گھر میں خرچ کے لئے رکھتا تھا۔

شام کو پانچ بجے کے قریب گراں دسے آں تزے سے واپس آ گیا۔ اُس نے سونے کی فروخت میں چودہ ہزار فرانک کمائے تھے اور ساتھ گورنمنٹ کا سرٹیفکیٹ لایا تھا جس پر مدت تک سود ملنے والا تھا۔ وہ کارنواٹیے کو بھی آں تزے میں چھوڑ آیا تھا تاکہ گھوڑوں کا خیال رکھے جو رات بھر کے سفر سے اَدھ موئے ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ چوکیدار کو یہ کہہ کر آ گیا تھا کہ جب گھوڑے خوب آرام کر لیں تو انہیں آہستہ آہستہ واپس لے آئے۔

"بیوی میں آں تزے سے ہو کر آ رہا ہوں" وہ بولا "اور مجھے بہت بھوک لگی ہے۔"

"کیا کل سے آپ نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے؟" نانوں نے باورچی خانے سے پکار کر پوچھا۔

"نہیں، کچھ بھی نہیں۔" گراں دسے نے کہا۔

نانوں شوربا اندر لے آئی۔ دسے گراسیں لوگ ملاں اُس وقت ہدایات لینے آئے

جب یہ سب کھانا کھانے بیٹھ گئے تھے۔ گراں دے نے اب تک اپنے بھتیجے کا کچھ دھیان ہی نہیں کیا تھا۔

"گراں دے آپ کھانا کھائیے۔" ساہوکار نے کہا۔ "ہم اتنے میں باتیں کرتے ہیں۔ کیا آپ نے سنا ہے کہ آں تز سے میں سونا کس بھاؤ بک رہا ہے اور نانت کے لوگ وہاں اسے خرید رہے ہیں؟ میں بھی کچھ سونا بھیجنے والا ہوں۔"

"آپ بھیجنے کی تکلیف نہ کیجئے۔" اس کے مؤکل نے جواب دیا۔ "اس وقت تک تو انہیں بہت سونا مل چکا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی محنت رائگاں جائے۔ میں جو مشورہ دینے کو موجود ہوں۔ آخر ہم دونوں بہت پکے دوست ہیں۔"

"لیکن سونا تو تیرہ فرانک پچاس سینٹ کے حساب سے بک رہا ہے۔"

"یہ کہیئے کہ اس بھاؤ بک رہا تھا۔"

"آپ کو اس کی کیسے خبر ہوئی؟"

"میں کل رات خود آں تز سے گیا تھا۔" گراں دے نے آہستہ سے بتایا۔

ساہوکار چونک گیا۔ پھر سرگوشیوں میں باتیں ہونے لگیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دسے گراسیں اور گراں دے دونوں شارل کی طرف دیکھتے۔ اور ایک دفعہ پھر ساہوکار نے اپنے انداز سے بڑی حیرانی کا اظہار کیا یعنی جب بڈھے ٹمن ساز نے اسے ایک لاکھ لیور کے منافع والا سرکاری قرضے کا سرٹیفکیٹ خریدنے کو کہا۔

"موسیو گراں دے"۔ دسے گراسیں نے شارل سے مخاطب ہو کر کہا "میں پیرس جا رہا ہوں۔ اگر وہاں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکوں تو . . . ."

"جناب، آپ کا شکریہ۔ میرا کوئی کام نہیں ہے۔" شارل نے جواب دیا

"بیٹے۔ تمہیں اُن کا زیادہ گرمجوشی سے شکریہ ادا کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تمہارے والد کے قرض خواہوں سے حساب کتاب کا تصفیہ کرنے جا رہے ہیں۔"

"تو کیا کسی ایسے تصفیے کی امید کی جا سکتی ہے؟" شارل نے پوچھا۔

"کیوں کیا تم میرے بھتیجے نہیں ہو؟" ٹین سانز نے فخریہ انداز اختیار کرتے ہوئے زور سے کہا۔ "اس میں ہماری عزت کا بھی تو سوال ہے۔ کیا تمہارا نام بھی گراں دے نہیں ہے؟"

شارل کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار اپنی باہیں چچا کے گلے میں ڈال دیں۔ اُس کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ یوژینی نے اپنے باپ کی طرف بڑی محبت اور فخر سے دیکھا۔

"ہاں تو میرے اچھے دوست، اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔" گراں دے نے کہا۔ "میں ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ کوشش کیجئے گا کہ وہ قرض خواہ راہِ راست پر آجائیں۔"

دونوں معاملہ فہم دوستوں نے مصافحہ کیا اور ٹین سانز اپنے پڑوسی کو دروازے تک چھوڑنے گیا۔ دے گراسیں کو رخصت کرکے اس نے دروازہ بند کیا اور آرام کرسی پر آکے دراز ہو گیا، اور نانوں سے کہا "کچھ پینے کے لئے لاؤ۔"

لیکن خوشی سے وہ اس قدر بیتاب ہو رہا تھا کہ آرام سے نہ بیٹھ سکا اور اٹھ کر آگے موسیو دے لا بارتیلیٹر کی تصویر دیکھنے لگا۔ پھر ناچنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ ایک فوجی گیت بھی چھیڑ دیا۔

نانوں، مادام گراں دے اور یوژینی گھبرا کر چپ چاپ ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے لگے۔ انگوروں کے کاشتکار کی یہ مذہبی حرکتیں ہمیشہ خطرناک ثابت ہوتی تھیں۔ شام جلد ہی ختم ہو گئی۔ بڈھا گراں دسے سویرے ہی سونے چلا گیا اور اس کے بعد کسی کو وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جب وہ سوجاتا تو سب کو ہی سوجانا پڑتا تھا۔ یہ معاملہ کچھ ایسا ہی تھا جیسے کہ پولینڈ کے شاہ آگسٹس کے زمانے میں جب کبھی بادشاہ شراب پیتا تو وفاداری جتانے کے لئے ساری رعایا کو ہی نشے میں بدمست ہونا پڑتا۔

ویسے نانون، شارل اور یوتیرینی بھی گھر کے مالک سے کچھ کم تھکے ہوئے نہیں تھے اور جہاں تک مادام گراں دسے کا تعلق ہے اُس کا تو سونا، جاگنا، کھانا پینا سب ہی اپنے خاوند کے اشاروں پر ہوتا تھا۔ بہرحال جو دو گھنٹے ٹین ساز نے اپنا کھانا ہضم کرنے میں گزارے اُن میں وہ ایسی خوش طبعی اور ظرافت کا اظہار کر رہا تھا کہ زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہ کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے بہت سے مقولے بھی دہرائے جا رہا تھا۔ ٹین ساز کے دماغ کی گہرائیوں کا اندازہ ایک مثال ہی سے ہو سکتا ہے۔ جب اس نے شربت ختم کر لیا تو بڑی فکرمندی کے انداز میں گلاس کی طرف دیکھا اور یوں گویا ہوا۔

"گلاس کو ہونٹوں سے لگایا اور وہ خالی ہوا! زندگی بھی کچھ اسی قسم کی چیز ہے۔ چیزیں اور دو دو والا معاملہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ تم پیسے خرچ کرتے رہو اور بٹوا بھی بھرا رہے یہ ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہو سکتا تو زندگی نہایت شاندار ہوتی۔"

وہ صرف ظریف ہی نہیں بلکہ نیک دل بھی ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب نانون اپنا چرخہ لیکر اندر آئی تو وہ بولا۔

"تم بہت تھک چکی ہو گی اب یہ روئی کاتنا چھوڑ دو۔"

"اگر میں نہیں کاتوں گی تو پھر مجھے بیکار بیٹھنا پڑے گا۔" نوکرانی نے جواب دیا۔

"بے چاری نانوں! کیا تم شربت پیو گی؟"

"شربت؟ ارے! میں نہ تو نہیں کروں گی۔ بیگم صاحب تو عطاروں سے کہیں اچھا شربت بناتی ہیں۔ جو بازار میں بکتا ہے وہ تو بالکل دوا معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ لوگ تو زیادہ چینی ڈال کے اُس کا ذائقہ ہی بگاڑ دیتے ہیں۔" گراں دے نے کہا۔

اگلے دن صبح آٹھ بجے ناشتے کے وقت پہلی بار سب لوگ ایک خاندان کے افراد معلوم ہو رہے تھے۔ مادام گراں دے، یوژینی اور شارل کو ان مصیبتوں نے ایک دوسرے کے قریب کر دیا تھا اور نانوں بھی غیر شعوری طور پر اُن کے رنج میں شریک تھی۔ رہا بڈھا کاشتکار، تو اُسے گھر میں اپنے بھتیجے کی موجودگی کا بہت ہی خفیف احساس تھا۔ اُس کی روپے کی ہوس پوری ہو چکی تھی اور وہ نانت تک کا کرایہ دے کر بہت جلد اور آسانی کے ساتھ اس لڑکے سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے والا تھا۔

اس عرصے میں یوژینی اور شارل آزاد تھے کہ جو جی چاہے کریں۔ وہ مادام گراں دے کی زیرِ نگرانی تھے اور مذہب یا رکھ رکھاؤ کے معاملے میں گراں دے کو اپنی بیوی پہ پورا بھروسہ تھا۔ اس کے علاوہ اُسے بہت سی اور باتوں کا بھی تو خیال کرنا تھا۔ چراگاہوں میں سے پانی نکلوانا تھا۔ دریا کے کنارے پوپلر کے درخت لگوانے تھے اور پھر معمول کے مطابق فرد اعنوں اور دوسری جگہوں پر سردیوں کا کام بھی باقی تھا۔ غرضکہ وہ بُری طرح مصروف تھا۔

اور اب یوژینی کے لئے محبت کا پُر بہار موسم شروع ہو چکا تھا۔ رات کے جس لمحے اُس نے اپنا روپیہ چچا زاد بھائی کے حوالے کیا تھا اُس وقت سے اُس کا دل بھی

اُس کی نذر ہو گیا تھا۔ اُن دونوں کے درمیان ایک راز تھا اور جب کبھی وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تو انہیں فوراً اپنی اس مفاہمت کا احساس ہوتا۔ اُن کی یہ ہم شناسی اُنہیں ایک دوسرے سے بہت قریب لے آئی تھی اور دوسری طرف روزمرّہ کی زندگی نے انہیں بہت دُور جا پھینکا تھا اور کیا یہ تعلق لہجے سے ٹپکتے ہوئے پیار اور آنکھوں سے چھلکتے ہوئے گداز کے لئے کافی جواز فراہم نہیں کرتا تھا؟ چنانچہ یوژینی نے بیڑا اٹھا لیا کہ اپنے چچا زاد بھائی کے رنج کو روزافزوں محبت کی طفلانہ مسرتوں میں گُم کر دے گی۔

محبت اور زندگی کی ابتدا میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ کیا بچہ مسکراہٹوں، لوریوں اور مستقبل کے سنہرے خوابوں سے نہیں بہل جاتا؟ اس کے اُوپر بھی اُمید کے سنہرے پَر ہمیشہ پھیلے رہتے ہیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوتا اور آنسو بہاتا ہے۔ کنکروں اور سنگریزوں سے بنائے ہوئے محل کے ڈھے جانے پر جھگڑنے لگتا ہے اور چنے ہوئے پھولوں کے بکھرنے پر بھی مرنے مارنے کو تُل جاتا ہے حالانکہ تھوڑی دیر بعد اُسے یہ بات یاد بھی نہیں رہتی۔ کیا وہ بھی موجودہ زمانے کو بھول کر مستقبل میں رہنے کا خواہشمند نہیں ہوتا؟ محبت روح کی دوسری تبدیلی کا نام ہے۔

محبت اور بچپن شارل اور یوژینی کے لئے تقریباً ایک ہی چیز تھے۔ رنج اور غم نے محبت کی اس طفلانہ مشروعات کو اور بھی دلفریب بنا دیا تھا اور یہ محبت جس کا آغاز ہی غمناکیوں سے ہوا تھا، اس افسردہ اور ٹوٹے پھوٹے مکان کے گھریلو ماحول سے پوری مطابقت رکھتی تھی۔ کبھی تو یہ دونوں خالی صحن میں کنوئیں کے پاس کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے دو چار لفظ کہہ لیتے۔ کبھی سورج غروب ہونے کے وقت چھجے سے

باغیچے میں باہر نکل کر بیٹھتے اور محبت کی پیاری پیاری باتوں میں کھو جاتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ فصیل اور مکان کے درمیان جو خاموشی چھائی رہتی تھی اُس کے مزے لیتے۔ غرض اِن سب باتوں نے شارل کو یہ سکھایا کہ محبت ایک پاکیزہ جذبہ ہے۔ اب تک تو اُس معزز خاتون یعنی "پیاری آنیت" کے ساتھ اُسے محبت کے خطرات اور طوفانوں سے ہی سابقہ پڑا تھا لیکن پیرس کا یہ معاشقہ اپنی تمام عشوہ طرازیوں، شدتوں، خود نمائیوں اور کھوکھلے پن سمیت ختم ہو چکا تھا۔ اور اب وہ محبت کی پاکیزگی اور سچائی کی طرف مائل ہوا تھا۔

اُسے اس پرانے سے گھر سے ایک دلبستگی سی پیدا ہو گئی تھی اور اِن لوگوں کے رہن سہن کا انداز بھی اب اُسے ناگوار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ بڈھے کے رسد نکالنے کے وقت سے پہلے پہلے صبح سویرے ہی یوژینی سے دو ایک باتیں کر لینے کے لئے نیچے اُتر آتا اور جونہی گرانڈے کے بھاری قدموں کی چاپ سنائی دیتی، بھاگ کر باغ کی طرف نکل جاتا۔ اِن خفیہ ملاقاتوں کا یوژینی کی ماں کو بھی علم نہ تھا۔ اور نانون بھی یہ ظاہر کرتی جیسے وہ کچھ دیکھ ہی نہ رہی ہو۔ چوری کا گڑ میٹھا ہوتا ہے۔ اُن کی یہ ذراسی بے باکی اُن کی معصومانہ محبت میں اور بھی لطف پیدا کر دیتی تھی۔ پھر جب ناشتہ ختم ہوتا اور گرانڈے اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر چلا جاتا تو شارل ماں بیٹی کے درمیان اُس ٹیالی سی نشستگاہ میں بیٹھا رہتا۔ وہ تو تاکہ پٹیاں اور شارل لچھیاں پکڑے رکھتا۔ اُن کی باتیں سنا کرتا اور انہیں سیتے دیکھتا رہتا، اور ان سب باتوں میں اُسے ایسا مزہ آتا کہ زندگی میں پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ اِن لوگوں کی سادہ سی راہبانہ زندگی میں اُسے بڑی کشش محسوس ہوتی اور ان دُنیا سے بے نیاز قسم کی عورتوں میں

اُسے سچی شرافت کی جھلک نظر آتی۔ اُسے کبھی یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ اس قسم کی ہستیاں فرانس میں بھی مل سکتی ہیں۔ جرمنی میں تو اُسے معلوم تھا کہ پرانی دنیا کے طور طریقے اب بھی رائج ہیں، لیکن فرانس میں تو وہ صرف اوگیوست لافوں تین کے ناولوں میں ہی دکھائی دیتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں یہ حال ہوا کہ شارل کو اپنے خواب یوژینی کی شکل میں زندہ نظر آنے لگے۔ وہ اُس کے لئے بالکل گیٹے کی مارگریٹ بن گئی۔ لیکن اس میں کسی قسم کی خامی نہ تھی۔

قصہ مختصر، بیچاری لڑکی روز بروز شارل کی باتوں اور شکل وصورت پر فریفتہ ہوتی چلی گئی۔ محبت کی رَو میں دُور تک بہہ گئی۔ وہ ہر خوشی پر اس طرح جھپٹتی تھی جیسے کوئی تیراک کنارے پر اُگے ہوئے بید مجنوں کی ٹہنی کو تھام لیتا ہے تاکہ وہ کنارے پر پہنچ کر کچھ دیر آرام کرلے۔

کیا جدائی کا زمانہ بہت قریب نہیں آگیا تھا؟ جدائی کا یہ ہولناک سایہ اُن پُرمسرّت لمحوں پر چھایا رہتا تھا جو اتنی تیزی سے گزرتے جارہے تھے اور کوئی لمحہ بھی ایسا نہ گزرتا تھا کہ یوژینی کو یہ احساس نہ ہوتا ہو کہ وہ کس قدر جلد بچھڑ جائیں گے۔

مثال کے طور پر دےَ گراسیں لوگوں کے پیرس چلے جانے کے بعد گرانْدے شارل کو ایک مجسٹریٹ کے پاس لے گیا اور قصباتی لوگوں کی سی تعزیتی سنجیدگی کے ساتھ اس حاکم کے سامنے شارل کے ایک بیان پر دستخط کروائے کہ میں اپنے والد کی جائداد کے کل حقوق سے دستبردار ہوتا ہوں۔ یہ کتنا ہولناک اقدام تھا! اس میں اس کے باپ کی کتنی بے حرمتی تھی۔ پھر شارل موسیو کروشو کے پاس گیا اور دو مختار نامے لکھوائے۔ ایک تو دےَ گراسیں کے لئے اور دوسرا اُس دوست کے لئے جسے اُس نے اپنی

ذاتی چیزیں بیچنے کو لکھا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے پاسپورٹ کے سلسلے میں اُسے چند ایک ضروری کام کرنے تھے اور پھر پیرس سے جو سادہ تعزیتی لباس منگوایا تھا وہ آ گیا تو اُس نے سومور کے بزاز کو بلا کر اپنے کل کپڑے (جو اب اُس کے لئے بیکار تھے) اُس کے ہاتھ بیچ دیئے۔ یہ کارروائی بڈھے گراں دے کو خاص طور سے پسند آئی۔

"آہا! اب تم ایسے آدمی لگتے ہو جو سفر پہ جانے کو تیار ہو اور دنیا میں ترقی کرنے کا مضبوط ارادہ رکھتا ہو۔" اُس نے اپنے بھتیجے کو سادہ کھردرے سے کپڑے کا کالا اوور کوٹ پہنے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "خوب۔ بہت خوب۔"

"جناب، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں،" شارل نے جواب دیا "کہ میں بڑی ہمت سے اپنے حالات کا مقابلہ کروں گا۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" اُس کے چچا نے پوچھا۔ شارل نے مٹھی بھر سونا اُس کی طرف بڑھا دیا تھا جسے دیکھ کر اس مردِ معقول کی آنکھوں میں آرزومندی کی جھلک آ گئی تھی۔

"میں نے اپنے بٹن، انگوٹھیاں اور جو چیزیں ذرا بھی قیمتی ہیں اُنہیں اکٹھا کر لیا ہے۔ مجھے تو شاید اب ان کی کوئی ضرورت نہ پڑے۔ لیکن میں سومور میں کسی کو نہیں جانتا اور آج صبح میں نے سوچا کہ آپ سے کہوں گا۔ . . ."

"کہ انہیں خرید لوں؟" گراں دے بیچ ہی میں بول اٹھا۔

"نہیں چچا جان۔ میں آپ سے کسی ایماندار آدمی کا نام پوچھنا چاہتا تھا جو"—"جب بیٹے یہ مجھے دے دو۔ میں اوپر جا کر پتہ چلاتا ہوں کہ اس کی کیا قیمت ہو گی اور پھر میں تمہیں اس کے صحیح دام بھی بتا دوں گا۔ جوہری سے لیا ہوا سونا ہے؟" اس نے

ایک لمبی سی زنجیر کا معائنہ کرنے کے بعد رائے دی "یہ جوہری کا دیا ہُوا سونا ہے میرے خیال میں کوئی اٹھارہ اُنیس قیراط کا ہوگا"۔

گراں دسے نے اپنا بڑا سا ہاتھ آگے بڑھایا اور سب چیزیں لے کر چل دیا۔

"لو ٹیبی بہن، مجھ سے یہ دو بکسوئے تحفے میں لے لو۔ یہ تمہاری کلائیوں کے گرد ربن باندھنے کے کام آئیں گے۔ اس قسم کے کنگنوں کا آج کل بہت فیشن ہے۔"

"بھیا مجھے ان کے لینے میں بالکل عذر نہیں ہے۔" اُس نے بڑی ذہانت کے انداز میں کہا۔

"اور چچی جان۔ یہ میری ماں کا انگشتانہ ہے۔ اب تک میں نے اسے اپنے سنگار دان میں بڑی حفاظت سے رکھا ہُوا تھا۔" اور اُس نے ایک خوبصورت سا سونے کا انگشتانہ مادام گراں دسے کو دیا جس کے لئے وہ گذشتہ دس سال سے ترس رہی تھی۔

"پیارے بیٹے۔ الفاظ میں تو تمہارا شکریہ ادا ہی نہیں کیا جا سکتا" بڑھی چچی بولی اور یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے "لیکن میں روز صبح و شام مسافروں والی مناجات پڑھا کروں گی اور خصوصاً تمہارے لئے تو نہایت عاجزی سے دُعا مانگتی رہوں گی۔ اگر میں ختم ہوگئی تو یو ٹیبی اس کا خیال رکھے گی۔"

"بیٹے۔ اس کی قیمت نو سَو نواسی فرانک اور ستر سینٹ ہوتی ہے۔" گراں دسے نے دروازے میں سے داخل ہوتے ہوئے کہا "لیکن تمہیں بیچنے کی زحمت سے بچانے کے لئے میں خود اس کی قیمت لیور کی شکل میں ادا کر دوں گا۔"

لیور کا مطلب لوآر کے علاقے میں یہ لیا جاتا تھا کہ چھ لیور کا ایک کراؤن بغیر کسی کمی کے چھ فرانک کے برابر ہوتا ہے۔

"میری ہمت نہ پڑی کہ آپ سے ایسی بات کہوں" شارل نے جواب دیا "لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ ایسی چھوٹی موٹی چیزوں کا ایسے شہر میں سودا چکاتا پھروں جہاں آپ رہتے ہیں اور جیسے نپولین کہا کرتا تھا دُھر کی گندگی گھر ہی میں رہنی چاہیئے، آپ کے اس احسان کا میں بہت مشکور ہوں۔"

گراں دے نے اپنا کان کھجایا اور کمرے میں ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا گئی۔

"اور پیارے چچا جان" شارل گھبراہٹ کے سے لہجے میں بولا جیسے ڈرتا ہو کہ کہیں چچا کے جذبات مجروح نہ ہو جائیں "میری چچی جان اور بہن نے تو مجھ سے کچھ چھوٹی چھوٹی نشانیاں قبول کر لی ہیں۔ اب آپ بھی یادگار کے طور پر مجھ سے یہ کفوں کے بٹن لے لیجیئے جو میرے لئے تو اب بیکار ہیں۔ انہیں دیکھ کر ممکن ہے آپ کو کبھی ایک غریب لڑکے کا خیال آ جائے جو پردیس جا چکا ہو گا۔ اُسے اکثر آپ سب لوگوں کی یاد ستایا کرے گی۔ کیونکہ اُس کے کُل خاندان میں بس آپ ہی لوگ تو رہ گئے ہیں۔"

"اوہ! بچے۔ میرے بیٹے۔ تمہیں اپنا سب کچھ اس طرح ہمیں نہ دے ڈالنا چاہیئے ۔۔۔"

"بیوی تمہیں کیا ملا ہے؟" بٹن سازنے بڑی بے تابی سے اُس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا "اوہو۔ سونے کا انگشتانہ! اور تمہارے پاس کیا ہے بیٹی؟ ہیرے کے بکسوئے! بہت خوب۔ لاؤ میرے بیٹے۔ میں یہ بٹن لئے لیتا ہوں" اُس نے شارل کا ہاتھ دباتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا "لیکن ۔ ۔ ۔ تم مجھے اپنے راستے کا خرچ ۔ ۔ ۔ ہاں انڈیز تک کا کرایہ ادا کرنے دینا۔ ہاں میرا ارادہ ہے کہ

تمہارے راستے کا کرایہ میں بھروں گا۔ اس کے علاوہ میرے بیٹے، جب میں نے تمہارے زیورات کا تخمینہ کیا ہے تو میں نے صرف سونے کا بھاؤ لگایا تھا لیکن اُن کی بناوٹ اور مینا کاری وغیرہ کی وجہ سے ان کی قیمت کچھ اور زیادہ ہوگی۔ بس اس بات کا تو فیصلہ ہو گیا میں تمہیں پندرہ سو فرانک دوں گا لیور کی شکل میں۔ یہ رقم میں کروشو سے قرض لوں گا کیونکہ اس وقت گھر میں تو میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے یا شاید پیروسے جس پر بہت لگان چڑھ گیا ہے مجھے کچھ پیسے دیدے۔ ہاں، یہ ٹھیک ہے، میں ابھی جا کر اس کا بندوبست کرتا ہوں۔" اُس نے اپنا ہیٹ اُٹھایا، دستانے پہنے اور باہر نکل گیا۔

"اچھا تو تم جا رہے ہو؟" یوژینی نے محبت بھری اُداس نظروں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں مجبور ہوں۔ یوژینی" اُس نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

بہت دنوں تک شارل کی صورت، بات چیت اور حرکات و سکنات سے یہ ظاہر ہوتا رہا جیسے کوئی آدمی سخت مصیبت میں ہو لیکن جسے اپنے فرض کا احساس ہو اور جس کی بدقسمتی نے اُسے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنے کے لئے اُبھار دیا ہو۔ اُس نے اپنے آپ پر ترس کھانا چھوڑ دیا تھا اور اب ایک بہادر انسان بن گیا تھا۔ جس دن شارل اپنا سادہ کالا ماتمی سوٹ پہن کر نیچے آیا اُس روز یوژینی اُس کے کردار سے اتنی متاثر ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ ان کپڑوں میں اُس کا اُداس اور زرد سا چہرہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ان دونوں عورتوں نے بھی ماتمی لباس پہن لیا تھا۔ اور گیوم گرانڈے کی مغفرت کے لئے گرجا میں جو دُعا مانگی گئی اُس میں وہ

شارل کے ساتھ گئی تھیں۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شارل کو پیرس سے خط موصول ہوئے۔ اُس نے انہیں کھول کر پڑھا۔

"کیوں۔ بھیا" یوژینی نے آہستگی سے کہا "سب معاملات ٹھیک سے طے ہو گئے ہیں نا؟"

"میری بچی۔ اِس قسم کے سوال کبھی نہیں پوچھنے چاہئیں" گراں دے نے کہا "میں اپنے معاملات کا کبھی تم سے ذکر نہیں کرتا۔ پھر بھلا تمہیں اپنے چچا زاد بھائی کی باتوں میں اُلجھنے کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ تم اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔"

"جی۔ کوئی ایسی خفیہ بات تو ہے نہیں" شارل نے کہا۔

"تت۔ تت تت۔ بیٹے تمہیں پتہ چلے گا کہ تجارت کے معاملے میں تمہیں اپنی زبان قابو میں رکھنی چاہئے۔"

جب دونوں چاہنے والے باغ میں اکیلے رہ گئے تو شارل یوژینی کو اخروٹ کے درخت نیچے پرانے بنچ کی طرف کھینچ لے گیا جہاں وہ اکثر بیٹھا کرتے تھے۔

"مجھے الفونس پر بھروسہ تھا اور میری بات ٹھیک ہی نکلی" وہ بولا "اُس نے بڑی عمدگی، ہوشیاری اور ایمانداری سے میرا کام کر دیا ہے۔ پیرس میں اُس نے میرا سب قرضہ چکا دیا ہے۔ میرا فرنیچر اچھی قیمت پر بیچ ڈالا ہے اور اُس نے لکھا ہے کہ اُس نے ایک بڈھے بحری کپتان کی رائے پر جو انڈیز ہو آیا ہے میرے روپے سے جواہرات اور بہت سی چھوٹی موٹی چیزیں خرید لی ہیں جن کی انڈیز میں بہت مانگ ہے۔ اُس نے میری یہ چیزیں نانت پہنچا دی ہیں جہاں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک

جہاز جاوا کو سامان لے جا رہا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے یوژینی کہ پانچ دن کے بعد ہمیں ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑے گا یہ جدائی مدت دراز کے لئے ہوگی اور بہت ممکن ہے کہ ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں۔ میرا تجارت کا سامان اور دس ہزار فرانک کی رقم جو میرے دو دوستوں نے مجھے بھیجی ہے۔ ان سب سے میں کوئی اچھا بیوپار نہیں کر سکتا اور اس طرح مجھے کئی سال تک واپس آنے کی امید نہیں۔ پیاری بہن۔ ہمیں ایک دوسرے سے زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنی چاہئیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں مر کھپ جاؤں اور بہت ممکن ہے کہ تمہیں شادی کے لئے کوئی بہتر۔ ۔ ۔"

"تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" یوژینی نے پوچھا۔

"ہاں۔ یقیناً" اُس نے ایسے وثوق کے انداز میں جواب دیا کہ معلوم ہوتا تھا اُس کے احساسات کا پورا اخلاص ان الفاظ میں شامل ہے۔

"شارل۔ پھر میں تمہارا انتظار کروں گی۔ خدا کے لئے! ابا کھڑکی سے باہر جھانک رہے ہیں" اُس نے شارل سے بچتے ہوئے کہا۔ جو اُسے چمٹانے کے لئے قریب سرک آیا تھا۔

وہ ڈیوڑھی کی جانب بھاگی اور یہ دیکھ کر کہ شارل بھی اس کے پیچھے آ رہا ہے وہ اور دور چلی گئی۔ پھر بلا کسی خاص ارادے کے وہ ڈیوڑھی کے تاریک ترین کونے کی طرف دوڑ گئی جہاں نانوں کے سونے کی کوٹھڑی تھی۔ وہاں شارل نے جو بالکل قریب پہنچ چکا تھا اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر اُسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ شارل کے بازو یوژینی کی کمر کے گرد لپٹ گئے۔ یوژینی نے اب

کوئی مزاحمت نہ کی اور اپنے محبوب کی چھاتی سے لگ گئی۔ یہاں کھڑے ہو کر انہوں نے ایک نہایت پاکیزہ اور شیریں بوسہ لیا۔

"پیاری لیوژرینی۔ چچازاد بھائی سگے بھائی سے بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ تم سے شادی کر سکتا ہے۔" شارل نے کہا۔

"آمین۔ خدا ایسا ہی کرے۔" نانون نے پیچھے سے دروازہ کھولتے ہوئے پکار کر کہا۔ وہ اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔ اُس کی آواز نے دونوں دیوانوں کو چونکا دیا اور وہ کھانے کے کمرے کی سمت بھاگ گئے۔ وہاں پہنچ کر یوژرینی نے اپنی سلائی سنبھال لی اور شارل نے مادام گرانڈے کی دعاؤں کی کتاب اٹھا کر حضرت مریم کی مناجاتوں کا قصہ کھولا اور نہایت تندہی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

"اچھا!" نانون بولی "تو ہم سب دُعا مانگ رہے ہیں۔"

جونہی شارل نے اپنی روانگی کا دن مقرر کیا، گرانڈے دوڑ دھوپ میں لگ گیا اور اِس سارے معاملے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کرنے لگا۔ وہ بڑی فراخدلی سے مشورے دیتا اور ہر ایسا کام خوشی سے کرنے کو تیار رہتا جس میں اُس کا پیسہ خرچ نہ ہوتا ہو۔ پہلے اُس نے شارل کا سامان باندھنے کے لیئے آدمی کا انتظام کیا لیکن پھر یہ کہہ کر کہ یہ بہت پیسے مانگتا ہے خود ہی پرانے تختے لے کر اس کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ ہر صبح وقت سے پہلے ہی بستر سے اُٹھ جاتا اور تختوں کو جوڑنے توڑنے اور کیلیں ٹھونکنے میں لگ جاتا اور اُس نے واقعی کئی صندوق بنا لیئے، جن میں شارل کی ساری چیزیں بند کر دیں اور خود ہی دریا کے جہاز سے وقت پر نانٹ پہنچا دینے کا انتظام بھی کر دیا۔ پھر سفر کے دوران میں اُن کے بیمہ کرانے

کا کام بھی اپنے ذمّہ لے لیا۔

ڈیوڑھی میں بوسہ لینے کے بعد کا زمانہ لوئزینی کو بے حد جلدی گزرتا ہوا معلوم دیا۔ بعض اوقات وہ سوچتی کہ شارل کے ساتھ ہی چلی جائے کیونکہ جو بندھن ایک انسان کو دوسرے سے وابستہ کر دیتے ہیں اُن میں یہ محبت کا جذبہ سب سے زیادہ مضبوط اور قریبی ہوتا ہے اور جو لوگ اس جذبے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ محبت کی عمر کس طرح ہر روز کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور صرف وقت ہی نہیں بلکہ ہر طرح کے غیر متوقع حادثات، بیان لیوا بیماریاں اور زمانہ مل جُل کر اسے فنا کر دینے پر تُل جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ لوئزینی کی روحانی اذیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اُس نے باغیچے میں اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے ڈھیروں آنسو بہا ڈالے۔ یہ باغیچہ، صحن، پُرانا گھر اور شہر سب کے سب اب اُس کے لئے نہایت محدود ہو کر رہ گئے تھے اور اس کے خیالات ابھی سے سمندر کی لامحدود پہنائیوں میں بھٹکنے لگے تھے۔

یہ روانگی سے ایک دن پہلے کا ذکر ہے۔ اُس دن صبح کو گراں دے اور نانوں گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ شارل نے وہ بیش قیمت صندوقچہ جس میں دو تصویریں رکھی تھیں لوئزینی کے صندوق میں رکھوایا۔ یہ اُسی خانے میں رکھا گیا جس میں اب مخمل کی تھیلی خالی پڑی تھی۔ صندوق میں صرف اس ایک خانے کو تالا لگایا جا سکتا تھا۔ یہ صندوقچہ رکھواتے ہوئے شارل نے اُسے بار بار چوما تھا اور بہت سے آنسو بہائے تھے۔ جب لوئزینی نے خانے کو چابی لگا کر چابی اپنی انگیا میں چھپا لی تو شارل نے وہیں مُہر محبت ثبت کر دی اور لوئزینی کو بھی انکار کی ہمت

نہ ہوتی۔

"پیارے! یہ چابی ہمیشہ یہیں محفوظ رہے گی۔"

"اچھا! تو میرا دل بھی اسی میں اٹکا رہے گا۔"

"شارل! تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیئے" اُس نے قدرے ملامت کے ساتھ کہا۔

"کیوں؟ کیا ہماری شادی نہیں ہو چکی ہے؟" شارل نے جواب دیا۔ "تم نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے اور میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

"ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے رہیں گے!" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور ایک بار پھر یہی جملہ دُہرایا۔ اس سے زیادہ پاکیزہ قسم دنیا میں آج تک کبھی نہ کھائی گئی ہوگی۔ کیونکہ شارل کی محبت بھی یوجینی کے سیدھے سادے خلوص کے سامنے ایک لمحے کے لئے مقدس بن گئی تھی۔

دوسری صبح کو ناشتے کے وقت میز پر بہت اُداسی رہی۔ نانوں کو شارل نے ایک نیا گاؤن اور ایک ملمع دار صلیب دی تھی۔ لیکن ان تحائف کے باوجود اُس کی آنکھ میں آنسو بھر آئے۔ چونکہ وہ اپنے احساسات کا اظہار آزادی سے کر سکتی تھی اس لئے وہ رو رہی تھی۔

"ہائے بے چارہ دھان پان سا لڑکا سمندر پر جا رہا ہے" وہ بار بار اپنی باتوں میں اسی کا ذکر کر رہی تھی۔

ساڑھے دس بجے سارا خاندان شارل کو نانت جانے کے لئے ڈاک گاڑی میں سوار کرانے نکلا۔ نانوں نے کُتّے کو کھلا چھوڑ دیا۔ دروازے کو تالا لگایا اور شارل

کا ہینڈ بیگ اُٹھا کر جلدی۔ پُرانی گلی کا ہر دوکاندار دروازے میں کھڑے ہو کر اس مختصر سے جلوس کو گزرتا ہوُا دیکھنے لگا۔ موسیو کروشوٹھی بازار میں اُن سے آملا۔

"یوژینی" اُس کی ماں نے کان میں کہا" دیکھو! تم کہیں رونے نہ لگنا"!

سرائے کے پھاٹک پر پہنچ کر گراں دے نے شارل کے دونوں گالوں پہ بوسہ دیا۔

"اچھا۔ بیٹا" وہ بولا" غریب بن کے جارہے ہو، امیر بن کے آنا۔ تمہارے والد کی عزت تو بالکل محفوظ رہے گی۔ میں۔ گراں دے اِس معاملے میں تمہارا جواب دہ رہوں گا۔ بس تم اب اپنا کام کرو ـــــ"

"آہ! چچا جان۔ اس وعدے سے تو جدائی کی تلخی میں شیرینی پیدا ہوگئی ہے آپ اس سے بڑا تو کوئی اور تحفہ مجھے دے ہی نہ سکتے تھے۔"

شارل نے بوڑھے ٹین ساز کے الفاظ کا پوری طرح مطلب سمجھنے سے پہلے ہی اُس کی بات کاٹ دی تھی اُس نے اپنی باہیں اپنے چچا کی گردن میں حمائل کردیں اور کاشتکار کے جُھلسے ہوئے گالوں پر احسان مندی کے آنسو بہا ڈالے۔

یوژینی نے ایک ہاتھ میں شارل کا ہاتھ لے لیا اور دوسرے میں باپ کا ہاتھ اور دونوں کو زور سے دبایا۔ بس ایک سرکاری وکیل دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کیونکہ صرف وہ ہی گراں دے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ اُس کی ہوشیاری اور مکاری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ سوموُر کے چار شہری اور چند تماشائی دیر تک گاڑی کو جاتا دیکھتے رہے یہاں تک کہ گاڑی پل کے پرے جاکر نظروں سے اوجھل ہوگئی

اور پہیوں کی آواز دور ہو کر مدھم پڑتی گئی۔

"چلو سنتے ہی چھٹے!" ٹین ساز نے کہا۔

خوش قسمتی سے سوائے موسیو کروشو کے اور کسی نے یہ جملہ نہ سنا۔ یوژینی اور اُس کی ماں گھاٹ کے اُس سرے پر پہنچ گئی تھیں جہاں سے وہ اب تک شارل کی گاڑی کو دیکھ سکتی تھیں۔ وہاں کھڑی ہو کر وہ شارل کی طرف اپنے رومال ہلاتی رہیں اور وہ بھی گاڑی میں سے جواباً ہاتھ ہلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تب یوژینی ماں کی سمت مڑی۔

"آہ! اماں۔ اماں۔ اگر صرف ایک لمحے کے لئے مجھے خدا کی قدرت حاصل ہو جاتی" وہ بولی۔

کہانی کا سلسلہ بار بار نہیں ٹوٹنا چاہیے۔ اس لئے یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پیرس کے حالات کا مختصراً جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ گراں دے نے کیا کیا قیاس آرائیاں کیں اور اُس کے لائق اور فائق نائب یعنی ساہوکار نے گیوم گراں دے کے معاملات کو کس طرح سلجھایا۔

دے گراسیں کے جانے کے ایک ماہ بعد گراں دے کو ایک لاکھ لیور سالانہ کا ایک سرٹیفکیٹ موصول ہوا جو اسٹی فرانک میں خریدا گیا تھا۔ اس کی کوئی اطلاع ہی نہ آئی تھی کہ اصل رقم کب ادا کی گئی اور کب رسید ہوئی جسے کچھ عرصے بعد سرٹیفکیٹ کی صورت میں تبدیل کرا یا گیا۔ اس راز کا کنجوس کی موت کے بعد جائداد کی فرد مشرح اور اس کے دوسرے کاغذات سے بھی کچھ پتہ نہ چل سکا۔ کروشو کا خیال یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے نانوں کو کچھ بتلائے بغیر آلۂ کار بنا یا گیا ہو گا۔ کیونکہ تقریباً اسی زمانے میں یہ وفادار خادمہ گھر سے

چار پانچ روز کے لئے باہر گئی تھی۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ وہ فرواً فرواً مخطوں میں کچھ دیکھنے بھالنے گئی ہے گویا اُس کا ہوشیار مالک کسی بات سے غافل بھی رہ سکتا تھا۔ جہاں تک گیوم گراں دے کے قرض خواہوں کا تعلق تھا وہ سارا معاملہ عین ٹین ساز کی توقعات اور ارادوں کے مطابق طے پایا۔

فرانس کے قومی بنک میں (جیسا کہ ہر ایک کو معلوم ہے) پیرس اور صوبوں کی بڑی بڑی جائدادوں کی صحیح فہرستیں رکھی رہتی ہیں۔ وہاں دستے گراسیں اور سومور کے فیلکس گراں دسے کے نام بھی درج تھے اور تجارتی حلقوں میں اُن کے نام کافی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ نہ صرف بہت سی دولت کے مالک تھے بلکہ اُن کے پاس ایسی زمینیں بھی تھیں جنہیں گروی رکھنے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ اور اب یہ بات مشہور تھی کہ سومور سے دستے گراسیں اس ارادے سے پیرس آیا ہے کہ گیوم گراں دسے فرم کے قرض خواہوں کو بلا کر اُن سے بات چیت کرے۔ گویا اب مرحوم تاجر کی تُرح بے عزت ہونے سے بچ گئی تھی۔ مُہریں قرض خواہوں کی موجودگی میں توڑی گئیں اور خاندانی وکیل باقاعدہ جائداد کی فردِ مشرح بتاتا چلا گیا۔

دراصل تھوڑے ہی عرصے بعد موسیو دستے گراسیں نے قرض خواہوں کی ایک مجلس طلب کی، جنہوں نے یک زبان ہو کر سومور کے ساہوکار اور فراں سوا کیلر کو (جو بہت بڑی تجارتی کوٹھی کا مالک تھا اور قرض خواہوں میں پیش پیش تھا) مرحوم کی جائداد کا امانت دار مقرر کر لیا اور انہیں حق دیا کہ جو چاہیں کریں تاکہ خاندان کا نام بھی رسوائی سے بچ جائے اور روپیہ بھی ادا ہو جائے۔

دستے گراسیں کا گراں دسے کے مختارِ عام کی حیثیت سے موجود ہونا ہی بڑا

اُمید افزا ثابت ہوا۔ اور شروع ہی سے ہر بات آسانی سے طے ہونے لگی کیونکہ کسی نے بھی تو اس کی مخالفت نہ کی اور کسی کو بھی اس بات کا خیال نہ آیا کہ وہ اپنے فائدے یا نقصان کا اندازہ لگائے۔ ہر ایک اپنے آپ سے یہی کہتا رہا کہ —

"سوموروالا گراں دسے سب کچھ ادا کر دے گا۔"

چھ مہینے گزر گئے۔ پیرس کے سوداگروں نے اپنے بلوں کو واپس لے کر مشتہر ہونے سے روک دیا اور انہیں اُٹھا کے الماری میں ڈال دیا۔ ٹین ساز کو اپنے پہلے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ پہلی میٹنگ کے نو مہینے بعد دونوں امانت داروں نے سینتالیس فیصدی کے حساب سے قرض خواہوں میں رقم تقسیم کر دی۔ یہ رقم مرحوم گیوم گراں دسے کی جائداد، ذاتی سامان اور کچھ اِدھر اُدھر کی چیزیں فروخت کر کے اکٹھی کی گئی تھی۔ یہ سب کچھ نہایت سمجھداری اور ایمانداری سے کیا گیا اور قرض خواہوں نے خوش ہو کر گراں دسے کی بے مثل دیانتداری اور بلند ہمتی کو بہت سراہا۔ جب یہ تعریفیں کافی عرصہ چلتی رہیں تو پھر قرض خواہوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ اب ہماری باقی ماندہ رقمیں کب تک وصول ہونگی اور پھر ان سب نے مل کر ایک خط گراں دسے کو لکھ دیا۔

"اچھا تو یہ معاملہ ہے!" بڈھے ٹین ساز نے اس تبصرے کے ساتھ خط آگ میں جھونک دیا۔

"میرے پیارے دوستو ذرا صبر سے کام لو!"

اس خط میں لکھی ہوئی تجاویز کے جواب میں سوموروالے گراں دسے نے انہیں کہلوا بھیجا کہ آپ سب لوگ میرے مرحوم بھائی کے نام کے تمام بل اور استغاثے کے

کاغذات سرکاری وکیل کے پاس جمع کرادیں اور ساتھ ہی وصول شدہ رقوم کی رسیدیں بھی جسپاں کر دیں تاکہ سارے حساب کی جانچ پڑتال کر کے اصل حالات کا پتہ چلایا جاسکے۔ کاغذات جمع کرانے کی تجویز سے بہت سی مشکلات کی وضاحت ہو گئی۔

دراصل قرض خواہ کی کیفیت دیوانے کی سی ہوتی ہے۔ وثوق کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیا کر بیٹھے۔ اگر ایک دن وہ جلدی سے سب قصّہ نپٹا دینے کی دُھن میں ہے تو دوسرے دن لڑنے مارنے پر آمادہ۔ اور اگر کچھ دیر بعد اسے دیکھئے تو وہ خوش خُلقی اور رحم دلی کا پُتلا معلوم ہوگا۔ بہت ممکن ہے کہ آج اس کی بیوی ذرا ترنگ میں ہو۔ سب سے چھوٹے بچے کے دانت نکل آئے ہوں اور گھر میں ہر طرح خیریت ہو تو وہ اپنے مطالبے میں ذرّہ بھر کمی کرنے کو راضی نہیں ہوگا۔ لیکن فرض کیجئے دوسرے دن بارش ہونے کے سبب وہ گھر سے باہر نہ نکل سکے تو اُس پر پژمردگی چھا جاتی ہے اور جلدی سے معاملہ چکا لینے کی دُھن میں ہر قسم کی شرط ماننے کو تیار ہو جاتا ہے۔ صبح تک اُسے عقل آجاتی ہے اور وہ ضمانت طلب کرنے لگتا ہے اور مہینے کے اخیر پر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ ظالم اور سفّاک آدمی مقروض کو پھانسی دلوانے کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ قرض خواہ کی مثال عام گھریلو چڑیا کی سی ہوتی ہے جس کی دُم پر چھوٹے بچوں کو نمک کی ڈلی رکھنے کی کوشش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہ نہایت نفیس تشبیہ ہے جسے تو ڑمروڑ کر قرض خواہ اپنے بلوں کے سلسلے میں بھی استعمال کر سکتا ہے کیونکہ آخر وہ ان سے فائدے کی بہت سی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ گراں ڈسے کو قرض خواہوں کی ان موسمی تبدیلیوں کا خوب اندازہ تھا اور موجودہ حالات میں اُس کی سب پیشین گوئیاں صحیح ثابت ہو رہی تھیں۔ اُس کے بھائی کے قرض خواہ جیون اس کی

حسب منشا کارروائیاں کر رہے تھے۔ بعض تو غصے میں ایسے بپھر گئے کہ کاغذات جمع کرانے سے صاف ہی انکار کر دیا۔

"خوب" گراں دسے نے کہا "یہ تو اچھا ہی ہے!" گراں دسے نے اس سلسلے میں جو خط لکھے تھے انہیں پڑھ کر وہ اپنے ہاتھ ملنے لگا۔

ان کے علاوہ بعض نے یہ کہا کہ جب تک ان کی حیثیت کی وضاحت نہ کر دی جائیگی وہ اپنے کاغذات جمع کرانے پر راضی نہ ہونگے۔ پھر وہ چاہتے تھے کہ اُن پر کوئی ذمہ داری نہ آئے اور اُن کا یہ حق بھی قائم رہے کہ وہ جب مناسب خیال کریں جائداد کو دیوالیہ قرار دے دیں۔

اب خط و کتابت کا نیا سلسلہ شروع ہو گیا اور دیر میں دیر ہوتی چلی گئی۔ آخرکار گراں دسے نے تمام شرطیں قبول کر لیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصالحت پسند قرض خواہوں نے ضدی لوگوں کو معقول بات سننے پر آمادہ کر لیا اور کچھ پس و پیش کے بعد کاغذات جمع ہو گئے۔

"وہ بڈھا دل ہی دل میں ہمارا اور آپ کا مذاق اڑا رہا ہے" قرض خواہوں نے دسے گراسیں سے کہا۔

گیوم گراں دسے کو مرے تئیس مہینے گزر چکے تھے اور اس عرصے میں پیرس کی کاروباری زندگی کی گہما گہمی میں بہت سے تاجر اپنے دعوے فراموش کر بیٹھے تھے۔ اب تو محض انہیں کسی وقت ایک خیال سا آجاتا تھا اور وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے :۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سینتالیس فیصدی کے علاوہ اب اور کچھ نہیں ملے گا"

ٹین ساز کو وقت پر بڑا بھروسہ رہتا تھا اور اس معاملے میں بھی اُس نے وقت ہی

سے مدد چاہی تھی۔ تیسرے سال کے اختتام پر دتے گراسیں نے ایک خط میں اسے بتایا کہ میں نے بہت سے قرض خواہوں کو راضی کر لیا ہے کہ وہ اپنے دعوے واپس لے لیں اور اب چوبیس لاکھ فرانک کے قرضے کا صرف دس فی صدی حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے جواب میں گراں دے نے لکھا کہ سرکاری وکیل اور دلال جن کا دیوالہ نکلنے کے سبب سے میرے بھائی کی موت واقع ہوئی تھی ابھی زندہ ہیں۔ اس وقت تک اُن کا نقصان پورا ہو چکا ہو گا اور اب کارروائی اُن کے خلاف ہونی چاہیئے۔ اس طرح ممکن ہے کچھ رقم اُن سے وصول ہو جائے۔ پھر خسارے کی رقم اور بھی کم ہو جائے گی۔

چوتھے سال کے اخیر میں خسارے کی رقم صرف بارہ لاکھ رہ گئی اور معلوم ہوتا تھا کہ بس اب اور کم نہ ہو سکے گی۔ اس کے بعد قرض خواہوں اور امانت داروں میں بات چیت ہوتی رہی۔ گراں دے اور امانتداروں کے درمیان صلح صفائی کی گفتگو میں چھ مہینے اور گذر گئے۔ قصہ مختصر، جب سوموروالے گراں دے پر بہت دباؤ ڈالا گیا تو کہیں اُس سال کے نویں مہینے میں جا کر اُس نے اعلان کیا کہ ایسٹ انڈیز میں میرے بھتیجے نے بہت سی دولت کمائی ہے اور اُس نے ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے باپ کا قرضہ پورا پورا چکا دے گا۔ چنانچہ میں اس عرصے میں اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتا اور نہ جلدی سے فیصلہ کر کے قرض خواہوں کو دھوکا دینا چاہتا ہوں میں اس بارے میں اپنے بھتیجے کو خط لکھ چکا ہوں اور اُس کی رائے کا منتظر ہوں۔

پانچواں سال بھی تقریباً آدھا گذر گیا لیکن قرض خواہ اب بھی تمامہ شی سے انتظار کر رہے تھے۔ کیونکہ ہمارا عظیم الشان ٹین ساز بڑی عقلمندی سے کام لے گا ہے پورے پورے دام چکا دینے کے لالچ سے انہیں روکے جا رہا تھا، حالانکہ وہ اندر ہی اندر

اُن کی سادگی پر ہنس رہا تھا "ارے یہ پیرس کے رہنے والے کیا سمجھیں" وہ دل ہی دل میں خوش ہو کر کہتا اور نہایت پُرفریب مسکراہٹ اس کے چہرے پر بکھر جاتی۔

دراصل ان قرض خواہوں کی قسمت میں ایسی شہادت لکھی تھی جو کاروباری حلقوں میں آج تک سننے میں بھی نہ آئی تھی اور اس کہانی کے دوران ہیں جب اُن کا دوبارہ تذکرہ آئے گا تو اُن کی حالت بالکل ہی ہو گی جس پر اس وقت گراں دے نے انہیں پہنچایا تھا۔ سرکاری قرضوں کا بھاؤ اب ایک سو پندرہ تک چڑھ گیا تھا۔ بڈھے گراں دے نے انہیں بیچ ڈالا اور اُن کے عوض پیرس سے اُسے چوبیس لاکھ فرانک سونے کی شکل میں پہنچ چکے تھے۔ یہ سب اُس نے سود میں ملی ہوئی چھ لاکھ فرانک کی رقم کے ساتھ ہی لکڑی کے ڈبوں میں ڈال دیئے۔

دے گراسیں چند وجوہات کی بنا پر پیرس ہی میں مقیم رہا۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ وہ وہاں پارلیمنٹ کا ممبر ہو گیا تھا۔ دوسرے وہ بچوں کا باپ ہونے کے باوجود سومور کی بے رنگ زندگی سے اُکتا گیا تھا اور پیرس کے تھیٹر کی حسین ترین ایکٹرس مادموازیل فلوریَن کو دل دے بیٹھا تھا اور ساہوکار کی طبیعت میں کچھ آوارگی آ چلی تھی۔ یہاں اُس کے چال چلن پر تبصرہ کرنا بے سود ہے۔ سومور بھر میں وہ اپنی بدعنوانیوں کی وجہ سے بدنام تھا۔ یہ تو اُس کی بیوی کی خوش قسمتی تھی کہ اُس نے عقلمندی سے کام لیا اور سومور کا کاروبار اپنے نام پر چلاتی رہی اور اس طرح کچھ تھوڑی بہت جائداد بچ رہی ورنہ موسیو دے گراسیں کی حماقتوں اور فضول خرچیوں سے تو سب کچھ ختم ہو گیا ہوتا۔ مادام دے گراسیں کی حالت قابلِ رحم تھی۔ اس کی حیثیت تقریباً بیوہ کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اُوپر سے کروشو لوگوں نے اُس کے حالات اور بگاڑنے میں اپنا پورا زور

صرف کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے سے یوژینی گراں دے کے رشتے کی تو اُسے اُمید ہی نہ رہی اور اُس نے اپنی بیٹی کی بھی ایک بہت بُری جگہ شادی کر دی۔ رُدولف دے گراسیں اپنے باپ کے پاس پیرس چلا گیا اور کہتے ہیں کہ وہاں باپ دادا کا نام خوب روشن کیا۔ چنانچہ کروشو لوگوں کی فتحمندی اب مکمل ہو چکی تھی۔

"آپ کے خاوند تو بالکل عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں"، گراں دے نے یہ جملہ ایسے وقت کہا جب وہ مادام دے گراسیں کو کچھ قرضہ نہایت معقول ضمانت پر دے رہا تھا۔ "مجھے آپ سے بڑی ہمدردی ہے۔ آپ تو اتنی اچھی ہیں۔"

"ہائے! بے چاری عورت نے آہ کھینچتے ہوئے کہا "جس روز وہ آپ کے کام کے سلسلے میں پیرس روانہ ہوئے تو کون کہہ سکتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو تباہ کرنے جا رہے ہیں؟"

"مادام۔ خدا گواہ ہے کہ آخر وقت تک مَیں نے انہیں روکنے کی پوری کوشش کی اور مجسٹریٹ صاحب بھی جانے کے لئے بڑی خوشی سے تیار تھے لیکن اب ہمیں پتہ چلا کہ آپ کے شوہر نے اتنا اصرار کیوں کیا؟"

لہٰذا ظاہر ہے کہ گراں دے پر دے گراسیں کا کوئی احسان نہیں تھا۔

عورت کو ہر حالت میں بہت سی ایسی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن سے مرد کو کبھی سابقہ نہیں پڑتا۔ اور پھر عورت کو اپنی تکالیف کا احساس بھی مرد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد کی قوت اور ہمت کا مستقل مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ عمل بھی کرتا ہے اور سوچتا بھی ہے۔ اِدھر اُدھر آتا جاتا ہے۔ زمانۂ حال میں مصروف رہ کر وہ مستقبل کے سُنہرے خوابوں سے تسکین حاصل کر لیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت شارل

کی تھی۔ لیکن عورت ہر طرح مجبور رہے۔ اُسے سب کچھ چُپ چاپ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنی مصیبتوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے اور اُس کا دماغ کسی وقت بھی ان تفکرات سے نجات نہیں پاتا۔ وہ غم کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہے اور آنسوؤں یا دعاؤں کے سوا اُس کا کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت لیوتزینی کی تھی۔ اُسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ عورت کی زندگی کا تانا بانا محبت، غم، امید، خوف اور قربانی کے تاروں سے بُنا ہُوا ہے۔ اُس کے مقدر میں بھی وہی کچھ لکھا تھا جو ازل سے عورت کے حصے میں آیا ہے لیکن عورت کی زندگی میں جو سکون اور مسرت کے لمحے آتے ہیں وہ اُن سے محروم تھی۔

بوسوئے کی عجیب و غریب تشبیہ کے مطابق اُس کی خوشی کے لمحوں کا کچھ ایسا حساب تھا جیسے دیوار پر مختلف جگہ کیلیں گڑی ہوں۔ لیکن جب ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو مٹھی بھر بھی نہ نکلیں۔ تکالیف ہیں کبھی انتظار میں نہیں رکھتیں اور لیوتزینی کے لئے تو وہ بڑی تیزی سے اور بہت بڑی تعداد میں جمع ہو رہی تھیں۔

شارل کی روانگی کے بعد گراں دے کا گھرانا پھر اپنے پُرانے معمول پر آ گیا۔ لیوتزینی کے علاوہ کسی کے لئے بھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی ــــ اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گھر اچانک خالی ہو گیا ہو۔ اُس نے شارل کا کمرہ ویسے ہی سجا رہنے دیا جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ مادام گراں دے اور نانون نے بھی اس میں کوئی مزاحمت نہ کی اور جان بوجھ کر اُس کے باپ سے اس بات کو چھپائے رکھا۔

"کیا معلوم؟" لیوتزینی کہتی "ہم نے جتنے دن کا اندازہ لگایا ہے ممکن ہے وہ اُس

سے پہلے ہی ہمارے پاس واپس آ جائیں۔"

"ارے! کاش میں انہیں پھر یہاں دیکھ پاؤں" نانوں جواب دیتی "میں بڑی اچھی طرح اُن کا کام کر سکتی ہوں! وہ بہت ہی اچھے اور شریف، آدمی تھے۔ اور اُن کے لڑکیوں کی طرح سے بنے ہوئے گھونگھریالے بال بڑے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔"

لوتزینی نانوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگتی۔

"پاک مریم کی قسم بی بی! آپ ایسی نظروں سے نہ دیکھا کریں ورنہ گناہ ہوگا۔ لوگوں کی طرف آپ کو اس طرح کبھی نہیں دیکھنا چاہیئے۔"

اُس دن کے بعد مادموازیل گراں دیے کی خوبصورتی نے نیا ہی روپ دھار لیا۔ محبت کے وہ سنجیدہ خیالات جنہوں نے آہستہ آہستہ اُس کی رُوح کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور اُس عورت والا وقار جس سے محبت کی جا رہی ہو، ان دونوں نے مل کر اُس کے چہرے میں ایسی چمک پیدا کر دی تھی جیسے ظاہر کرنے کے لئے پہلے زمانے کے مصوّر چہرے کے گرد ہالہ بنا دیا کرتے تھے۔ جب تک لوتزینی کا چچازاد بھائی اس کی زندگی میں نہ آیا تھا اُس کی مثال کنواری مریم کی سی تھی جنہیں اپنی قسمت کا ابھی کچھ پتہ نہیں تھا۔ لیکن اب کہ وہ اس کی زندگی سے دور جا چکا تھا، اس کی کیفیت بالکل کنواری ماں کی سی ہو گئی تھی۔ کیونکہ حضرت مریم کی طرح اُس کے دل میں بھی محبت نے جنم لے لیا تھا۔ ہسپانوی مصوروں نے بی بی مریم کی ان دونوں حالتوں کو پیش کیا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ عیسائیت اپنی بہت سی علامات کے باوجود ان سے زیادہ شاندار مثالی نمونے پیش نہیں کر سکتی۔

شارل کی روانگی کے دوسرے ہی دن یوژینی گرجے میں دعا کے لئے گئی۔ (اور اب اُس نے ہر روز دعا کے لئے گرجا جانے کا ارادہ کر لیا تھا) وہاں سے واپسی پر اُس نے کتابوں کی دوکان سے دنیا کا نقشہ خریدا۔ شہر بھر میں کتابوں کی یہ صرف ایک دوکان تھی۔ اِس نقشے کو اُس نے اپنے شیشے کے پاس ایک کیل میں ٹانگ دیا تاکہ وہ اپنے چچا زاد بھائی کے انڈیز تک پہنچنے کا راستہ دیکھ سکے اور تصور کی مدد سے اُس دُور جاتے ہوئے جہاز پر اپنے دن رات کا کچھ حصہ شارل کی قربت میں گزارے۔ اور اس سے مِل کر اپنے دل میں پیدا ہونے والے بے شمار سوالات کے جوابات پُوچھے۔

"سناؤ تم ٹھیک ہونا؟ اُداس تو نہیں ہو گئے؟ اور وہ ستارہ جس کے بارے میں تم نے مجھے بتایا تھا دیکھ کر تمہیں میرا خیال آتا ہے نا؟ تم نے مجھے اس ستارے کی خوبصورتی کا احساس دلایا تھا۔"

صبح کے وقت وہ اخروٹ کے درخت تلے بچھے ہوئے دیمک خوردہ پُرانے کائی جمے ہوئے بنچ پر اس طرح بیٹھی رہتی جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ یہیں بیٹھ کر ان دونوں نے بہت سی میٹھی میٹھی احمقانہ باتیں کی تھیں اور اپنے مستقبل کے لئے بہت سے خوبصورت ہوائی قلعے بنائے تھے۔ وہ چاروں طرف کی اونچی دیواروں میں سے جھلکتے ہوئے آسمان پر نظر ڈالتی اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہتی۔ پھر اُس کی نگاہیں پرانی دیوار اور چھت کی ڈھلان پر سے ہوتی ہوئی شارل کے کمرے پر جا رکتیں جو عین اُس چھت کے نیچے تھا۔ غرضکہ یہ سچی اور تنہائی کی محبت یوژینی کے خیالات کے ساتھ مل جل کر اُس کی زندگی کا لازمی جزو ہو کر رہ گئی تھی۔

اگر کسی شام گراں دے کے نام نہاد دوست آ جاتے تو وہ کافی خوش نظر آتی۔

لیکن یہ خوشی محض بناوٹی ہوتی تھی۔ وہ صبح کا سارا وقت اپنی ماں اور نانوں سے شارل کی باتیں کرنے میں گذار دیتی اور نانوں بھی یہ سوچتے ہوئے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت گزاری میں کسی قسم کا فرق آئے بغیر اپنی چھوٹی بی بی کی تکالیف میں شرکت کر سکتی ہے کچھ اسی طرح کی باتیں کرتی۔

"اگر میرا کوئی چاہنے والا ہوتا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو میں اس کے ساتھ دوزخ میں جانے کو بھی تیار ہو جاتی اور میں تو ۔ ۔ ۔ میں اس کے لئے اپنی جان تک دے ڈالتی۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ میرے لئے تو کوئی ایسا موقع آئے گا ہی نہیں، میں تو یہ جانے بغیر ہی کہ جینا کسے کہتے ہیں ایک دن مر جاؤں گی۔ آپ یقین نہ کریں گی بی بی، وہ جو اپنا کارنوائیے ہے نا! اچھا آدمی ہے بے چارہ۔ میری جمع پونجی کے لالچ میں میرے پیچھے لگا پھرتا ہے۔ وہ بھی کچھ انھیں لوگوں کی طرح ہے جو مالک کے پیسے کی فکر میں آپ سے محبت جتانے آیا کرتے ہیں۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔ میں سوکھی گھاس کے ڈھیر کی طرح بے ڈول سہی مگر بی بی میرا دماغ ابھی بہت تیز ہے اور پھر بی بی! ہو سکتا ہے کہ اُسے مجھ سے محبت نہ ہو لیکن مجھے اس کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے۔"

اسی طرح دو مہینے بیت گئے اور جس راز نے ان تینوں عورتوں کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب کر دیا تھا اس کی وجہ سے گھر میں کچھ نئی دلچسپی سی پیدا ہو گئی تھی ورنہ اس سے پہلے یکسانیت اور بے رنگی کے سوا وہاں اور کچھ بھی نہ تھا۔ اُن کے لئے شارل اب بھی اس گھر میں رہتا تھا اور نشستگاہ کے ٹمیالے شہتیروں تلے آیا جایا کرتا تھا۔ ہر روز صبح شام یوژینی سنگار میز کا خانہ کھول کر اپنے چچی کی تصویر دیکھا کرتی تھی۔ ایک دن اتوار کی صبح کو اُس کی ماں اچانک کمرے میں آگئی۔ اُس وقت

یوژینی بڑے انہماک سے چچی کی تصویر میں شارل سے مشابہت تلاش کرنے میں مصروف تھی۔ تب مادام گراں دے کو اس خوفناک راز کا علم ہوا کہ یوژینی نے اپنا خزانہ اس سنگار بکس کے عوض دے دیا ہے۔

"کیا تم نے سب ہی کچھ اُسے دے دیا؟" خوفزدہ ماں نے چیخ کر پوچھا۔ "نئے سال پر جب تمہارے ابا تمہارا سونا دیکھنا چاہیں گے تو تم انہیں کیا جواب دو گی؟"

یوژینی کی آنکھیں حیرانی اور پریشانی کے سبب کھلی کی کھلی رہ گئیں اور اس خوف سے دونوں عورتوں کے حواس اس قدر گم ہوئے کہ صبح کا آدھا وقت اسی میں گزر گیا اور صبح کی دعا کا وقت بھی نکل گیا۔ آخر وہ بمشکل نو بجیوں کی دُعا کے وقت گرجے پہنچ سکیں۔

۱۸۱۹ء کا سال ختم ہونے کے قریب تھا۔ صرف تین دن اور باقی رہ گئے تھے۔ ان تین دن کے بعد ایک نہایت خوفناک ڈرامہ شروع ہونے والا تھا جس میں زہر، خنجر اور کشت و خون کا ذکر نہ ہوگا لیکن قسمت نے ایٹریوس کے شاہی گھرانے پر بھی اتنا ظلم نہ کیا ہوگا جو اس متوسط طبقے کے کرداروں کے ساتھ کرنے والی تھی۔

"اب ہمارا کیا حشر ہوگا؟" مادام گراں دے نے اپنی بُنائی گھٹنے پر رکھتے ہوئے کہا۔

بے چاری ماں! پچھلے دو مہینے کے تمام واقعات نے اُس کی بُنائی میں بہت خلل ڈالا تھا۔ سردیوں کے لئے وہ اپنے آستین بند ابھی تک ختم نہ کر پائی تھی۔ گو بظاہر یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن اسی وجہ سے اُسے آگے چل کر بڑی مصیبت اٹھانی پڑی۔ کیونکہ ایک بار اپنے خاوند کے خوفناک غصّے پر اُسے بہت پسینہ آیا اور اُس

وقت گرم آستین بند نہ ہونے کے باعث اُسے سردی لگ گئی۔

"میری پیاری بیٹی۔میں یہ سوچ رہی ہوں کہ اگر تم مجھے اس کے بارے میں پہلے بتا دیتیں تو کافی وقت تھا، ہم پیرس میں موسیو دے گراسیں کو خط لکھتے اور ممکن تھا وہ تمہاری طرح کے چند سنہری سکے ہمیں بھجوا دیتے۔اگرچہ گراں دے کو تمہارے سکوں کی بہت پہچان ہے لیکن شاید۔ ۔ ۔ ۔"

"لیکن ہم اتنا پیسہ کہاں سے لاتے؟"

"یہ میں اپنی جائداد بیچ کر بھی حاصل کر سکتی تھی۔پھر اس کے علاوہ موسیو دے گراسیں کی دوستی ہی میں شاید ہمیں کچھ۔ ۔ ۔"

"اب تو اس کا وقت ہی نہیں رہا" یوژینی نے بجھے ہوئے سے انداز اور لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا "کل صبح تو ہمیں اُن کے کمرے میں نئے سال کی مبارکباد دینے جانا ہوگا۔ہے نا؟"

"ارے یوژینی۔کیوں نہ ہم اس سلسلے میں کر ونشو لوگوں سے بات کریں؟"

"نہیں۔نہیں۔اس طرح تو ہم بالکل ان کے قبضے میں ہو کر رہ جائیں گے۔میں تو بالکل ہی اُن کی زرخرید بن جاؤں گی۔جو کچھ میں نے کیا ہے ٹھیک تھا۔اس لئے مجھے ذرا بھی ندامت نہیں ہے۔میں نے اپنا دل مضبوط کر لیا ہے۔خدا اب میری حفاظت کرے گا۔اس کی جو مرضی ہوگی وہی ہوگا! آہ۔اماں۔اگر آپ نے وہ خط پڑھا ہوتا تو اس وقت یقیناً آپ کو بھی سوائے شارل کے اور کسی بات کا خیال ہی نہ آتا۔"

دوسری صبح نئے سال ۱۸۲۰ء کا آغاز تھا۔جنوری کی پہلی تاریخ تھی۔ماں بیٹی

دونوں اس درجہ فکرمند تھیں کہ پریشانی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ خوف نے ایک سیدھی سادی ترکیب انہیں یہ سجھائی کہ صبح کو گراں دے کے کمرے میں جا کر نئے سال کی مبارک دینے کا مقدس فرض ادا ہی نہ کریں۔ سخت سردی کا ایک بہانہ بھی ہاتھ آگیا۔ کیونکہ اس سال اس قدر پالا پڑا کہ کئی سال سے ایسا نہیں پڑا تھا۔ چھتوں پر برف کی گہری تہیں جم گئی تھیں۔

مادام گراں دے نے سب اپنے خاوند کے چلنے پھرنے کی آہٹ سنی تو اس نے پکار کر کہا "گراں دے۔ ذرا نانوں سے کہئے میرے کمرے میں آگ جلا دے۔ ہوا نئی سرد ہے کہ میں بستر میں پڑی ٹھٹھری جا رہی ہوں اور اس عمر میں مجھے احتیاط برتنی چاہیئے" اور پھر وہ کچھ رک کر کہنے لگی "لیوزنی یہاں آکر کپڑے تبدیل کرے گی۔ ورنہ اتنی سردی میں اگر اس نے اپنے کمرے میں لباس بدلا تو کہیں اُسے سردی نہ لگ جائے۔ ہم نیچے بیٹھک میں آجائیں گے اور وہیں آگ کے پاس بیٹھے آپ کو نئے سال کی مبارک باد بھی دیں گے۔"

"تت تنت تنت کیا زبان ہے تمہاری بھی! مادام گراں دے۔ نیا سال شروع کرنے کا یہ کونسا طریقہ ہے! تم نے تو اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی ایک وقت میں اتنی باتیں نہیں کیں۔ میرے خیال میں ابھی تم نے شراب میں ڈبل روٹی کا ٹکڑا بھگو کر کھایا ہے؟"

ایک لمحہ خاموشی رہی۔ معلوم ہوتا تھا اُسے اپنی بیوی کی رائے سے اتفاق ہے کیونکہ اُس نے کہا "بہت اچھا۔ مادام گراں دے۔ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ میں ابھی کرواتا ہوں۔ تم بڑی اچھی عورت ہو۔ اگر تم وقت سے پہلے ختم ہوگئیں تو بہت بُرا

ہوگا۔ حالانکہ اصول کے مطابق لا بار تیلیئر خاندان والوں کی تو بہت عمریں ہُوا کرتی ہیں۔ ہے نا؟" کچھ رُک کر وہ پھر زور سے بولا" بہر حال آخران کا روپیہ تو مل ہی گیا۔ اِس لئے میں انہیں معاف کرتا ہوں" اور وہ کھلکھلا کر ہنسا۔

" آج تو آپ بڑے خوش معلوم ہوتے ہیں" بے چاری بیوی نے کہا۔

" مَیں تو ہمیشہ خوش رہتا ہوں" یہ کہہ کر وہ ٹین سازوں کے متعلق ایک گیت گانے لگا۔

اُس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور اپنی بیوی کے کمرے میں آ پہنچا" تو یہ ہے! آج تو بہت ہی سخت دُھند چھائی ہوئی ہے۔ آج ناشتہ ذرا اچھا سا کریں گے مدے گرائیں نے مجھے کچھ مٹھائی بھیجی ہے۔ مَیں اسی کا پتہ کرنے گاڑیوں کے دفتر جا رہا ہوں۔ اُسے چاہیئے تھا کہ اس کے ساتھ یوژرینی کے لئے دو سنہری سکے بھی بھیجتا" ٹین ساز نے قریب آکر آہستہ سے کہا" میرے پاس سونا بالکل نہیں رہا۔ کچھ سکے بچے ہوئے تھے لیکن وہ میں نے کاروبار کے سلسلے میں خرچ کر دیئے ہیں۔ یہ راز کی بات مَیں نے تم پر بھروسہ کر کے بتا دی ہے" اور پھر نئے سال کی خوشی میں اُس نے اپنی بیوی کی پیشانی چوم لی۔

" یوژرینی" گرانڈے کے جاتے ہی مہربان ماں زور سے چلائی " نہ جانے آج صبح سویرے تمہارے ابا کس کا منہ دیکھ کر اُٹھے ہیں کہ بڑے خوش نظر آتے ہیں۔ چلو شکر ہے۔ ہم کسی نہ کسی طرح بات ٹال ہی جائیں گے"

" آج تو مالک بڑے بدلے ہوئے ہیں" نانون نے کمرے میں آگ جلانے کے لئے آتے ہوئے کہا" سب سے پہلے تو وہ بولے " احمق! صبح بخیر! نیا سال مبارک ہو! اوپر جا کر میری بیوی کے کمرے میں آگ جلاؤ۔ انہیں سردی لگ رہی ہے" جب مَیں نے

ایک سالم چھ فرانک کا سکّہ انہیں اپنی طرف بڑھاتے ہوئے دیکھا تو پہلے میں سمجھی شاید میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ دیکھئے بیگم صاحب، یہ رہا وہ سکّہ۔ ماجی یہ بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ اس میں کوئی شک کر ہی نہیں سکتا۔ بعض لوگ جوں جوں بڈھے ہوتے جاتے ہیں اُن کا دل پتھر کی طرح سخت ہوتا جاتا ہے لیکن یہ تو اور اچھی طبیعت کے بنتے جا رہے ہیں۔ جس طرح آپ کا بنایا ہوا شربت جتنا پرانا ہو اتنا ہی لذیذ ہو جاتا ہے۔ مالک بہت ہی بھلے آدمی ہیں۔ . . .“

گراں دے کی تدابیر پوری طرح کامیاب ہو گئی تھیں اور یہی اُس کی خوش دلی کا باعث تھا۔ اُس کے ذمّے موسیو دے گراسیں کی کچھ رقم تو ہالینڈ کے بلوں کے سلسلے میں تھی جو ایک لاکھ پچاس ہزار کی لاگت کے تھے اور ایک لاکھ لیور کی مالیت کے سرکاری قرضے خریدنے میں بھی اُس نے کچھ رقم پیشگی خرچ کی تھی۔ چنانچہ موسیو دے گراسیں نے اپنے پیسے کاٹ کر باقی دس ہزار فرانک گاڑی کے ذریعے اُسے بھجوائے تھے۔ یہ انگوروں کے کاشتکار کے حصّے کی چھ مہینے کی رقم تھی اور ساتھ ہی اُس نے لکھا تھا کہ سرکاری قرضوں کی قیمت آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے۔ اس وقت وہ نواسی [۸۹] فرانک میں بک رہے ہیں اور مشہور سرمایہ دار جنوری کے آخر میں اُنہیں کو بانوے [۹۲] فرانک کے حساب سے خریدیں گے۔ گراں دے کو اپنے سرمائے پہ دو مہینے میں بارہ فیصدی کا فائدہ ہوا۔ اب اُس نے سب حساب کتاب صاف کر لیا تھا۔ اس لئے آئندہ ہر چھ ماہ بعد اُسے پچاس ہزار فرانک کی رقم ملا کرے گی جو ہر قسم کے ٹیکس اور دیگر اخراجات سے مستثنیٰ ہو گی۔ مختصراً یہ کہ سرکاری قرضے کا سب معاملہ اس کی سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا (رقم لگانے کا یہ طریقہ ایسا تھا جس میں قصباتی لوگ ذرا پس و پیش ہی کرتے تھے)۔

گراں دے جب مستقبل کے بارے میں سوچتا تو پانچ سال کے عرصے میں وہ اپنے آپ کو ساٹھ لاکھ فرانک کا مالک بنا ہوا پاتا ـــــ ساٹھ لاکھ جو اُس کے ہاتھ پیر ہلائے بغیر بڑھتے ہی چلے جانے والے تھے ـــــ ساٹھ لاکھ فرانک پھر اس کے علاوہ اُس کی جاگیر کی بھی آمدنی تھی۔ چنانچہ اُس نے دیکھا کہ بے اندازہ دولت پیدا کرنے کا راستہ کھل گیا۔ اور دراصل چھ فرانک کی رقم جو نانون کو اُس نے دی وہ غالباً اُس خدمت کا صلہ تھا جو اُس لڑکی نے غیر شعوری طور پر انجام دی تھی۔

"اوہو۔ یہ نیک بخت گراں دے کس دُھن میں ہے؟ یہ تو ایسے بھاگا جا رہا ہے جیسے کہیں آگ لگ گئی ہے۔ اس نئے سال کی صبح کو دوکانداروں نے اپنی کھڑکیاں کھولتے ہوئے ایک دوسرے سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انہوں نے گراں دے کو گھاٹ کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ اُس کے پیچھے پیچھے گاڑیوں کے دفتر کا ایک قلی تھیلا لئے ہوئے چلا آ رہا تھا جس میں چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔

"ارے!" وہ بولے "ہمیشہ دھن والوں کو ہی مایا ملتی ہے۔ بڈھا یہ پیسے لینے ہی لپکا جا رہا تھا" ایک بولا "اجی پیسے تو اُس کے پاس پیرس، فروامفوں اور ہالینڈ ہر طرف سے چلے آ رہے ہیں۔"

"مرنے سے پہلے وہ سومور بھر کو خرید لے گا" دوسرا زور سے بولا۔

"اُسے اپنے کاروبار کا اتنا خیال رہتا ہے کہ سردی کی بھی ذرہ برابر پروا نہیں کرتا" ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا۔

"ارے! موسیو گراں دے۔ اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنے سارے پیسوں کا

کیا کریں تو میں اس بارے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں"۔

"ارے! اس میں تو صرف تانبے کے سکے بھرے ہوئے ہیں" انگوروں کا کاشتکار بولا۔

"ان کا مطلب ہے چاندی کے" تتلی نے آہستہ سے کہا۔

"اگر مجھ سے زیادہ مزدوری چاہتے ہو تو اپنی زبان کو ذرا تالو میں رکھو" گراں دے نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"بڈھا اُلو مڑ! میں سمجھا تھا یہ بہرا ہے" مزدور نے دل میں سوچا "لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں بھی اسے اچھا خاصا سنائی دیتا ہے"۔

"یہ لو ایک فرانک۔ تمہارے نئے سال کا تحفہ۔ اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ اب بھاگ جاؤ! ٹھیلا نانون تمہیں واپس دے آئے گی۔ نانون!" گراں دے نے آواز دی "کیا عورتیں گرجے گئی ہیں؟"

"جی ہاں، مالک"۔

"آؤ! ذرا پھرتی دکھاؤ اور میرا ہاتھ بٹاؤ" وہ بولا اور تھیلیاں اس پر لاد دیں۔ دو ہی منٹ میں سارے کے سارے اُن بحفاظت اُس کے کمرے میں پہنچ گئے اور اُس نے اندر سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔

"جب ناشتہ تیار ہو جائے تو دیوار کو ٹھپٹھپا کر اطلاع کر دینا" اُس نے دروازے میں سے پکار کر کہا "اور یہ ٹھیلا گاڑیوں کے دفتر میں پہنچا آؤ"۔

کہیں دس بجے سب ناشتے پر جمع ہوئے۔

"اب تمہارے ابا تم سے سونے کے سکے دکھانے کو نہ کہیں گے" مادام گراں دے

نے گرجا سے واپس آتے ہوئے کہا "اور اگر وہ کہیں بھی تو تم ٹھٹھرتے ہوئے کہہ دینا کہ اب اتنی سردی میں اُوپر کون انہیں لینے جائے۔ پھر تمہاری سالگرہ تک تو کافی وقت ملے گا کہ ہم پھر اتنی رقم جمع ۔ ۔ ۔ ۔"

گراں دے پیچھے آیا۔ وہ ان پیرس سے آئے ہوئے پانچ فرانک کے سکوں کو خالص سونے کے سکوں میں تبدیل کرا لینے کی تجاویز پر غور کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ سنہری سکے نہ ملکے ہوں اور نہ تراشے ہوئے۔ وہ عین مناسب وقت پر سرکاری قرض میں اپنی رقم لگا دینے کے خیال سے خوش ہو رہا تھا۔ اور اب اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اسی طرح سرکاری قرضے کے کاغذات خریدتا رہا کرے گا یہاں تک کہ اُن کی قیمت سو فرانک تک پہنچ جائے۔ اِس قسم کے خیالات یوژینی کے لئے بہت منحوس ثابت ہوئے۔ جُوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوا دونوں عورتوں نے اپنے اپنے طریقے سے اُسے نئے سال کی مبارک باد دی۔ مادام گراں دے کا طریقہ تو بہت سنجیدہ اور پُر تکلف تھا لیکن بیٹی نے اپنی بانہیں اُس کے گلے میں ڈال دیں اور باپ کو پیار کیا "آہا! میری بچّی" وہ اُس کے دونوں رخساروں پر بوسہ دیتے ہوئے بولا "تمہیں پتہ ہے مَیں جو کچھ سوچتا ہوں اور جو کچھ کرتا ہوں وہ سب تمہارے لئے! مَیں چاہتا ہوں کہ تم خوش رہو اور خوش رہنے کے لئے تمہارے پاس پیسہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر تمہیں کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ یہ دیکھو! یہ بالکل نیا سنہری سکہ ہے اور مَیں نے خاص طور پر اسے پیرس سے منگایا ہے۔ خدا کی قسم! گھر بھر میں سوائے تمہارے کہیں سونے کا چھلّہ تک نہیں ہے۔ صرف ایک تمہارے پاس سونا ہے۔ لاؤ بیٹی۔ مجھے اپنا سونا دکھاؤ۔"

"اُفوہ! بڑی سردی ہے۔ آئیے ناشتہ کریں" یوژینی نے جواب دیا۔

"اچھا، پھر ناشتے کے بعد دیکھ لیں گے۔ ہے نا؟ ہاضمے کے لئے بھی ٹھیک رہے گا۔ اُس عظیم ڈے گراسیں نے ہمیں یہ مٹھائی بھی بھیجی ہے" وہ کہتا گیا "چلو بچو، ناشتہ کرو۔ ہمارا اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا۔ ڈے گراسیں بہت اچھا چل رہا ہے۔ میں اُس سے بہت خوش ہوں۔ بڈھا شارل کا کام بھی کر رہا ہے اور سب کچھ مفت میں ہو رہا ہے۔ واقعی وہ بے چارے گراں ڈے کے معاملات کو بڑی ہوشیاری سے سلجھا رہا ہے۔۔ ہُنھ ہُنھ!" وہ کھاتے کھاتے بول رہا تھا "بڑی اچھی مٹھائی ہے۔ کھاؤ بیوی! خوب کھاؤ۔ یہ تو بہت کچھ ہے۔ ہمارے کم ازکم دو دن اسی سے نکل جائیں گے۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں زیادہ نہیں کھا سکتی۔"

"ارے ہاں! لیکن تمہارا جسم خوب مضبوط ہے۔ تم لا بار تیلیئر خاندان کی ہو۔ اس لئے کم کھانے سے بھی تمہیں کوئی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں ہے۔ تم ذرا زرد ہو رہی ہو لیکن مجھے خود پیلا پن پسند ہے۔"

ایک قیدی کو رسوائی اور بدنامی کی موت سے بھی اتنا خوف نہ محسوس ہوتا ہوگا۔ جتنا یوژینی اور مادام گراں ڈے کو اُس واقعے سے محسوس ہو رہا تھا جو ناشتے کے بعد پیش آنے والا تھا۔

شین ساز نے کھانے اور بات چیت میں جتنی خوش مزاجی سے کام لیا اُن کی پریشانی اتنی ہی بڑھتی گئی لیکن لڑکی کو اس نازک وقت میں بھی ایک سہارا نظر آ رہا تھا۔ محبت اُسے تقویت دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا "میں شارل کے لئے ہزاروں مصیبتیں برداشت کر سکتی ہوں۔" اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں اب ہمت اور دلیری کی چمک آگئی تھی۔ گیارہ بجے کے قریب اُن کا ناشتہ ختم ہوا اور سب کچھ اُٹھا لیا گیا۔ گراں ڈے

نے نانوں سے کہا "لیکن مونز ہمارے پاس رہنے دو۔ ہم تمہارا چھوٹا سا خزانہ یہاں آرام سے دیکھ سکیں گے" وہ لوئزینی کی طرف دیکھ کر بولا "کیا میں نے چھوٹا سا کہا تھا؟ بخدا تھوڑا تو نہیں ہے۔ تمہارے سب سکے ملا کر کوئی پانچ ہزار نو سو انسٹھ فرانک کے ہوتے ہیں اور آج صبح کے چالیس ملا کر ایک کم چھ ہزار فرانک ہوئے۔ اچھا میں پورے چھ ہزار کرنے کے لئے تمہیں ایک فرانک اور دے دوں گا۔ کیونکہ ننھی بچی تم جانتی ہو۔ ۔ ۔ ۔ اچھا، اب تم ہماری باتیں کیا سن رہی ہو؟ نانوں اب تم جاؤ گو یہاں سے اور جا کر اپنا کام کرو"

نانوں چلی گئی۔

"سنو لوئزینی! تم اپنا سونا مجھے دے دو۔ تم اپنے ابا کو اپنے سکے دینے سے انکار تو نہ کرو گی؟ کیوں بیٹی؟"

دونوں عورتوں میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا۔

"میرے پاس تو بالکل سونا نہیں رہا۔ ایک زمانے میں میرے پاس تھوڑا سا تھا۔ لیکن اب ذرا بھی نہیں ہے۔ میں تمہارے سونے کے بدلے تمہیں چاندی کی صورت میں چھ ہزار فرانک دے دوں گا۔ انہیں تم جمع کرا دینا جس کی ترکیب میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں۔ تمہیں اپنے جہیز کی فکر کرنے کی کوئی ایسی ضرورت نہیں۔ جب تمہاری شادی ہو گی (جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں ہے) تو میں تمہارے لئے ایسا خاوند ڈھونڈ نکالوں گا جو ایسا جہیز لائے کہ پاس پڑوس والوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہو۔ اس وقت تو بڑا سنہری موقع ہے۔ تم اپنے چھ ہزار فرانک سرکاری قرضے میں لگا سکتی ہو جہاں سے ہر چھ مہینے کے بعد تمہارے حصے کے تقریباً دو سو فرانک آ جایا کریں گے۔ پھر

لطف یہ کہ اس پر کسی قسم کا ٹیکس وغیرہ بھی نہ لگے گا اور مرمت، فصل کی خرابی، پالا، اولا، سیلاب اس قسم کے جھنجھٹوں میں بھی نہ پڑنا ہوگا جو زمین میں روپیہ لگا دینے کے بعد پیش آتے رہتے ہیں۔ تم اپنا سونا دینا نہیں چاہتی ہو۔ ہوں؟ کیوں بچی؟ یہی بات ہے نا! خیر کوئی مضائقہ نہیں جو کچھ بھی ہو تم دے ہی ڈالو۔ میں تمہارے لئے اور سنہری سکّے جمع کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہالینڈ، پرتگال، جنیوا اور ہندوستان کے سکّے منگواؤنگا۔ اور مغل بادشاہوں کے روپے بھی۔ اور پھر میں تمہاری سالگرہ پر بھی تو تمہیں پیسے دونگا اور اسی طرح سے تین سال کی مدت میں ہی تمہارے پاس آدھی رقم تو جمع ہو ہی جائیگی۔ اس کے علاوہ چھ ہزار فرانک تمہارے جمع ہونگے۔ کیا ارادہ ہے میری بچی! ذرا دیکھو تو! جاؤ شاباش! یہاں لے آؤ۔ میری پیاری۔ تمہیں تو میرا شکرگزار ہونا چاہئے کہ میں نے تمہیں پانچ فرانک کے سکوں کے بہت سے تجارتی بھید بتا دیئے ہیں۔ پانچ فرانک کے سکّے! ہاں یہ سکّے بھی انسان کی طرح ڈانواں ڈول ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا بھی آنا جانا، کم ہونا اور ساتھ بڑھنا بھی چلتا ہی رہتا ہے۔"

یوژینی اُٹھ کھڑی ہوئی اور چند قدم دروازے کی سمت بڑھی پھر فوراً پلٹ کر اپنے والد کے چہرے پر نظر ڈالی اور بولی ——

"میرا تمام سونا ختم ہو گیا ہے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔"

"تمہارا تمام سونا ختم ہو گیا ہے!" گرانڈے نے دُہرایا اور ایسے چونک اُٹھا جیسے گھوڑا دس قدم کے فاصلے پر توپ کی آواز سُن کر بدک جاتا ہے۔

"ہاں، سب ختم ہو گیا۔"

"یوژینی! تم خواب دیکھ رہی ہو۔"

"نہیں"۔

"مجھے اپنے باپ کے قدموں کی قسم"! جب کبھی ٹمین سانز ایسی قسم کھاتا تو در و دیوار ہل جایا کرتے تھے۔

"خدایا! رحم کر" نانوں چلائی "بیگم صاحبہ کتنی پیلی پڑ گئی ہیں!"

"گراں دسے! آپ کے ان خفگی کے دوروں سے تو میری جان نکل جائیگی" بیچاری بیوی نے کہا۔

"تت۔ تت۔ تت۔ تمہارے خاندان کے لوگ کبھی نہیں مرتے۔ یوژینی! اب بتاؤ تم نے اپنے پیسوں کا کیا کیا؟" اُس نے غصے سے یوژینی کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔ لڑکی گھٹنے ٹیکے مادام گراں دسے کے پاس بیٹھی تھی۔

"دیکھئے! ابا۔ میری اماں کی طبیعت بہت خراب ہے . . . . آپ انہیں مار نہ ڈالئے گا"

گراں دسے بھی فکر مند ہو گیا۔ اُس کی بیوی کی زرد اور کالی سی رنگت بالکل سفید پڑ گئی تھی۔

"نانوں آکر ذرا مجھے بستر تک پہنچا آؤ" وہ نہایت ہی نحیف آواز میں بولی "میری تو جان نکلی جا رہی ہے . . . ."

نانوں نے ایک ہاتھ سے مالکہ کو سہارا دیا اور دوسری طرف سے یوژینی نے تھاما۔ لیکن وہ بڑی مشکل سے اُس کے کمرے تک پہنچیں۔ کیونکہ ماں کی طاقت نے بالکل جواب دے دیا تھا۔ وہ ہر قدم پر گری جا رہی تھی۔ گراں دسے بیٹھک میں اکیلا رہ گیا۔ بہر حال کچھ دیر بعد وہ تھوڑی سی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور پکار کے کہا۔

"یوژینی! اپنی ماں کو بستر پر لٹا کر تم نیچے آؤ۔"

"اچھا ابا جان"

تھوڑی دیر بعد وہ اپنی ماں کو خوب تسلی دے دلا کر نیچے آپہنچی۔

"اچھا، میری بچی! گراں دتے نے اُسے مخاطب کیا۔ اب مجھے بتا دو کہ تمہارے پیسے کہاں ہیں؟"

"ابا! اگر میں آپ کے دیئے ہوئے تحفوں کے استعمال میں اپنی مرضی سے کام نہیں لے سکتی تو مہربانی فرما کر آپ انہیں واپس لے لیجئے۔" وہ آتشدان کے پاس گئی اور وہاں سے وہ سنہری سکہ اٹھا کر باپ کو دے دیا۔

گراں دتے نے جھپٹ کر اُسے لے لیا اور اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔

"یہ تو مجھے پتہ ہے کہ میں اب کبھی تمہیں کچھ نہیں دوں گا۔" اُس نے اپنا انگوٹھا اُس کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے باپ کی عزت نہیں کرتی ہو۔ ہے نا؟ تمہیں اس پر بھروسہ نہیں ہے؟ تمہیں معلوم ہے باپ کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ تمہیں اس کا بتا یا ماننا پڑے گا ورنہ اُس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ اب بولو، تمہارا سونا کہاں گیا؟"

"ابا! میں آپ کی ناراضی کے باوجود آپ سے محبت کرتی ہوں اور آپکی عزت بھی۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ بڑی عاجزی سے میں آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ اب میں بائیس سال کی ہو چکی ہوں اور آپ نے بھی تو مجھے کئی دفعہ کہا ہے کہ اب میں بڑی ہو گئی ہوں۔ میں نے اپنے پیسے کا جیسے مناسب سمجھا استعمال کیا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ وہ کسی اچھے ہی آدمی کے پاس ہے۔"

"کس کے؟"

"یہ ایک گہرا راز ہے" وہ بولی "آپ کے بھی تو بہت سے راز ہیں؟"

"تو کیا میں خاندان کا بڑا نہیں ہوں؟ مجھے اپنے تجارتی معاملات میں اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔"

"پھر یہ بھی تو میرا اپنا معاملہ ہے۔"

"مادموازیل گراں دسے، پھر تو یہ ضرور کوئی غیر تسلی بخش بات ہوگی جس کا تم اپنے باپ سے بھی ذکر نہیں کر سکتی۔

"بالکل تسلی بخش معاملہ ہے اور میں اپنے ابا کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

"بہرحال مجھے اتنا تو بتا دو کہ سونا کب سے تمہارے پاس نہیں ہے؟"

یوژینی نے صرف سر ہلا دیا۔

"سالگرہ کے وقت تک تو تمہارے پاس ہی تھا نا؟ ہوں؟"

اگر لالچ نے اُس کے باپ کو مکار بنا دیا تھا تو یوژینی کو بھی محبت نے چوکنا رہنا سکھا دیا تھا۔ اس نے پھر سر ہلا دیا۔

"کیا کبھی کسی نے ایسی ڈھٹائی اور ڈھٹائی کی بات سنی ہے؟" گراں دسے چیخا۔ اُس کی آواز آہستہ آہستہ اتنی بلند ہوئی کہ سارے گھر میں گونجنے لگی "کیا! یہاں میرے گھر میں ہے؟ اس گھر میں سے کوئی تمہارا سونا لے گیا! وہ تمام سونا جو تمہارے پاس تھا! اور مجھے یہ بھی پتہ نہ ہو کہ لے جانے والا کون تھا؟ سونا بڑی قیمتی چیز ہے۔ اچھی سے اچھی لڑکیاں غلطی کر جاتی ہیں۔ بہت سے لوگوں میں ایسا ہوتا ہے۔ تہذیب یافتہ

شہریوں سے بھی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن ذرا خیال تو کرو سونے جیسی چیز کو گنوا دینا۔ تم نے ضرور کسی کو دے دیا ہے۔ کیوں میرا خیال ٹھیک ہے نا؟"

یوژینی نے اب بھی کچھ ظاہر نہ کیا۔

"کیا کبھی کسی نے ایسی بیٹی دیکھی ہے؟ کیا تم میری بچی ہو؟ اگر تم نے اپنا پیسہ کسی کو دیا ہے تو اُس کی رسید تو تمہارے پاس ہونی چاہئے۔۔۔"

"اچھا یہ بتایئے کیا میں اپنی مرضی کے مطابق اسے استعمال نہیں کر سکتی تھی؟ وہ روپیہ میرا ہی تھا نا؟"

"لیکن تم ابھی بچی ہو۔"

"میں اب سمجھدار ہوں۔"

پہلے تو اپنی بیٹی میں اس طرح سوال جواب کرنے کی جرأت دیکھ کر اُن دَم بخود رہ گیا۔ اور جرأت بھی اس حد تک! وہ پیلا پڑ گیا۔ پیروں کو زمین پر زور زور سے مارنے لگا۔ قسمیں کھائیں اور آخر الفاظ ملنے پر چلّا کے بولا ——

"منحوس ڈائن! بدبخت لڑکی! آہ، تجھے اچھی طرح پتا ہے کہ مجھے تجھ سے کتنی محبت ہے اور تو اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے۔ تو ناشکری ہے۔ تو اپنے باپ کو لوٹ کر اُسے قتل بھی کر ڈالے گی! خدا کی قسم! تیرا بس چلتا تو تو ہمارا سب کچھ اُس آوارہ کتّے کے قدموں پہ ڈال دیتی۔ مجھے اپنے باپ کی قسم، میں تجھے عاق تو نہیں کر سکتا لیکن بخدا میں بددعا دے سکتا ہوں، تجھے، تیرے چچازاد بھائی کو اور تمہارے بچّوں کو۔ اس کا انجام کچھ اچھا نہ نکلے گا۔ تو سُن رہی ہے نا؟ اگر یہ شارل تھا جس کو تم نے۔۔۔ لیکن نہیں یہ ناممکن ہے وہ کتّے کا بچہ کیا مجھے لوٹنے کی ہمت کر سکتا ہے؟"

اُس نے اپنی بیٹی کی جانب گھوُر کر دیکھا جواب تک خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

"اس پر ذرا اثر نہیں ہوتا! یہ تو ٹس سے مس نہیں ہوتی! اس میں مجھ سے کہیں زیادہ گراں دے خاندان کا خمیر ہے۔ بہر کیف، تم نے اپنا سونا یونہی تو نہ دے دیا ہوگا۔ دیکھو اب مجھے ساری بات بتا دو۔"

یوژرینی نے باپ کو دیکھا۔ اُس کی ملامت بھری نگاہوں سے گراں دے اور بھی بھڑک اٹھا۔

"یوژرینی! یہ گھر میرا ہے اور جب تک تو اپنے باپ کے گھر میں ہے تجھے اُس کے کہنے پر چلنا پڑے گا۔ پادری بھی تجھے میرا کہا ماننے کا حکم دیتے ہیں۔"

یوژرینی نے پھر اپنا سر جھکا لیا۔

"تو نے میرے محبت بھرے جذبات کو ٹھیس لگائی ہے" وہ بولتا گیا "جب تک تو میرا کہا ماننے کے لئے تیار نہ ہو جائے تب تک کے لئے میری نگاہوں سے دُور ہو جا۔ چل اپنے کمرے میں جا اور جب تک کہ میں تجھے باہر نکلنے کی اجازت نہ دوں وہیں رہ۔ نانوں تجھے روٹی اور پانی پہنچا دیا کرے گی۔ جو میں کہتا ہوں وہ سُن رہی ہے نا؟ چل دُور ہو!"

یوژرینی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اپنی ماں کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ گراں دے نے برف اور سردی کا خیال کئے بغیر باغ کے کئی چکر لگائے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اُس کی بیٹی ماں کے کمرے میں ہی ہوگی اور اُن دونوں پر حکم عدولی کی تہمت لگانے کے خیال سے اُسے بڑی خوشی ہوئی۔ وہ بلی کی طرح چوری چوری سیڑھیاں چڑھا اور اچانک

مادام گراں دے کے کمرے میں جا پہنچا۔ اُس کا اندازہ صحیح تھا۔ ماں یوژینی کے بال تھپتھپا رہی تھی اور لڑکی اپنی ماں کی چھاتی میں مُنہ چھپائے لیٹی تھی۔

"میرے پیاری بچی! گھبراؤ نہیں، تمہارے ابا تمہیں معاف کر دیں گے۔"

"اب اس کا کوئی باپ نہیں ہے" اٹیین ساز نے کہا۔ "کیا یہ صحیح ہے مادام گراں دے کہ ہم نے ایسی نافرمانبردار بیٹی کو جنم دیا ہے؟ کیا خوب تربیت ہے۔ اور دین دار کتنی ہے! اچھا تم اب تک اپنے کمرے میں کیوں نہیں گئی ہو؟ چلو اپنے قید خانے میں۔ چلی جاؤ یہاں سے۔"

"کیا آپ میری بیٹی کو مجھ سے الگ کر دیں گے؟" مادام گراں دے نے اپنا تمتمایا ہوا چہرہ اور بخار آلود چمکدار آنکھوں کو اُوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اسے ساتھ رکھنا چاہتی ہو تو اسی کے ساتھ بند ہو جاؤ۔ گھر کو تم دونوں سے ایک ساتھ چھٹکارا مل جائے گا۔۔۔۔ قسم خدا کی! سونا کہاں ہے؟ سونا کون لے گیا؟"

یوژینی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بڑے غرور سے باپ کی جانب دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اُس بھلے آدمی نے دروازے کو تالا لگا دیا۔

"نانوں" وہ چلایا "تم بیٹھک کی آگ بجھا دو۔" پھر وہ آکر اپنی بیوی کے پلنگ اور آتشدان کے بیچ میں رکھی ہوئی ایک آرام کرسی پر آ کے بیٹھ گیا اور کہنے لگا "یقیناً اُس نے سونا اُس بدبخت لفنگے شارل کو دیا ہے جسے بس ہمارے پیسے کا ہی لالچ تھا۔"

مادام گراں دے کو بیٹی کی محبت نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کی ہمت دے دی تھی۔ وہ گراں دے کی گفتگو کے مقصد سے جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔ اُس نے

بستر پر کروٹ بدل لی تاکہ اپنے خاوند کی غصیلی نگاہوں سے بچ سکے۔

"مجھے تو اس کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہ تھا" وہ بولی "آپ کے غصّے نے میری حالت ایسی خراب کر دی ہے کہ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو ایسا لگتا ہے اب اس کمرے سے میرا جنازہ ہی نکلے گا۔ اگر آپ مجھے یہ اذیت نہ دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ کم از کم مَیں نے آپ کو کبھی تنگ نہیں کیا۔ آپ کی بیٹی آپ سے محبت کرتی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل معصوم ہے اس لئے اُسے سزا نہ دیجئے اور اپنا ارادہ بدل ڈالئے۔ بڑی سخت سردی پڑ رہی ہے ممکن ہے وہ ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائے۔"

"مَیں نہ اُس کی صورت دیکھوں گا اور نہ اُس سے بات کروں گا۔ وہ اپنے کمرے میں قید رہے گی، جب تک کہ باپ کا کہنا ماننا نہ سیکھ جائے۔ غضب ہے خدا کا! گھر کے مالک کو اتنا تو پتہ ہونا چاہیئے کہ گھر سے سونا باہر جا رہا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فرانس بھر میں روپے بس وہی تھے جو اُس کے پاس تھے اور اس کے علاوہ جنیوا کے سکّے اور ہالینڈ کے ڈکیٹ بھی۔"

"یوژنی ہماری اکلوتی بچّی ہے اور اگر اُس نے انہیں پانی میں بہا دیا ہو تو ـــ"

"پانی میں!" ٹین ساز چیخا "پانی میں! مادام گرانڈے تمہارا دماغ چل گیا ہے تمہیں پتہ ہے جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو اُسے پورا کرتا ہوں۔ اگر تم گھر میں سکون چاہتی ہو تو اسے راضی کرو کہ وہ تمہیں اپنا راز بتا دے۔ عورتیں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتی ہیں اور ایسے کاموں کو ہم سے زیادہ بہتر کر سکتی ہیں۔ وہ جو کچھ بھی کر چکی ہے اب میں اُسے کھا تھوڑا ہی جاؤں گا۔ کیا وہ مجھ سے ڈرتی ہے؟ اگر اُس نے اپنے چچا زاد بھائی کو سونے سے لاد دیا ہے تو اس وقت وہ دور سمندر پار جا چکا ہے۔

"ہم اُس کے پیچھے تو بھاگ نہیں سکتے کہ ——"

"یقین کیجیئے . . . ." اُس کی بیوی نے کہنا شروع کیا۔

لیکن بیٹی کی مصیبت کے زمانے میں مادام گراں دسے کی شخصیت کافی ترقی کرچکی تھی۔ اُسے ہر بات کا شدت سے احساس ہوتا اور شاید اُس کے خیالات بھی تیزی سے کام کرتے یا ممکن ہے ایسا ہوا ہو کہ فکرمندی اور اعصابی تناؤ کے باعث اس کی عقل تیز ہو گئی ہو۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے خاوند کے چہرے کا مستہ بڑے خوفناک انداز میں کسمسایا ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنی آواز بدلے بغیر اپنا ارادہ بدل دیا۔

"یقین کیجئے۔ کیا میرا اُس پر آپ سے زیادہ بس چل سکتا ہے؟ اُس نے مجھ سے اس معاملے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ بالکل آپ پر گئی ہے۔"

"خدایا! آج صبح سے تو تمہاری زبان قابو میں نہیں ہے! تنت تنت تنت۔ میرے خیال میں تم میری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتی ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے تم دونوں ملی ہوئی ہو۔"

اُس نے اپنی بیوی کو گھور کر دیکھا۔

"واقعی! موسیو گراں دسے! اگر آپ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں تو بس یہی سلوک جاری رکھئے۔ میں آپ سے ایک بات کہے بغیر نہیں رہ سکتی، چاہے اس میں میری جان ہی چلی جائے اور وہ یہ کہ . . . . آپ اپنی بیٹی کے ساتھ بہت سختی کر رہے ہیں۔ وہ آپ سے کہیں زیادہ عقلمند ہے پیسے اُسی کے تھے اور اُس نے انہیں اچھی طرح ہی استعمال کیا ہوگا اور ہمارے اچھے کام صرف خدا ہی کے علم میں ہونے چاہئیں۔ میں آپ کی منت کرتی ہوں کہ آپ یوژینی کو معاف کر دیجئے۔ اس طرح آپ کے غصے سے مجھے

جو صدمہ پہنچا ہے وہ بھی کم ہو جائے گا اور شاید میری جان بھی بچ جائے گی۔ میری بیٹی، میری بچی، مجھے واپس دے دیجیئے!"

"میں جا رہا ہوں" وہ بولا "اس گھر میں رہنا تو اب ناقابلِ برداشت ہو رہا ہے ماں بیٹی اس طرح باتیں اور بحثیں کرتی ہیں جیسے . . . اُف! توبہ ہے!

یوژ ینی تو نے مجھے نئے سال کا بہت بُرا تحفہ دیا ہے!" اُس نے زور سے کہا۔

"ہاں، ہاں، جی بھر کے رو! تجھے پچھتانا پڑے گا۔ سُن رہی ہے نا؟ گرجا جا کر دعائیں مانگنے کا بھلا کیا فائدہ ہوگا جب تو نے اپنے باپ کا سونا چپکے سے ایک ایسے نکمے بدمعاش کے حوالے کر دیا جو تیرا پیسہ ختم کرنے کے بعد تیرا دل توڑ کر چل دے گا! تجھے پتہ چل جائے گا کہ وہ تیرا بہترین بوٹ پہننے والا شوقین شارل کس قسم کا آدمی ہے۔ جو شخص ایک غریب لڑکی کی ساری پونجی اس طرح اُس کے والدین کی اجازت کے بغیر لے کر چلا جائے اُس کے پاس غیرت اور شرافت تو ہو ہی نہیں سکتی!"

جونہی گلی کا دروازہ بند ہوا یوژینی خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے سے نکل کر ماں کی چارپائی کے پاس آ گئی۔

"آپ نے اپنی بیٹی کی خاطر بڑی ہمت دکھائی"، وہ بولی۔

"تم نے دیکھا بیٹی، بُرائی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ تمہاری وجہ سے مجھے جھوٹ بولنا پڑا!"

"ارے اماں! میں خدا سے دعا مانگوں گی کہ اس کا سب گناہ مجھے ملے!"

"کیا یہ سچ ہے" نانون نے اُوپر آتے ہوئے قدرے رنج سے کہا "کہ بی بی کو عمر بھر روٹی اور پانی کے سوا اور کچھ نہ ملے گا؟"

"پھر کیا ہوا۔ نانوں؟" لوئزینی نے بڑے اطمینان سے کہا۔
"واہ جب گھر کی بیٹی روکھی روٹی کھا رہی ہو تو میں اچھا کھانا کیسے کھا سکتی ہوں... میں بھی... نہیں نہیں... یہ ہو ہی نہیں سکتا۔"
"اب تم اس کا ذکر ہی نہ کرو نانوں" لوئزینی نے اُسے خبردار کیا۔
"کھانا میرے حلق میں پھنسے گا، خیر آپ دیکھ ہی لیں گی۔"
چھبیس سال بعد آج گراں دسے نے اکیلے بیٹھ کر کھانا کھایا۔
"صاحب۔ آپ تو رنڈوے ہو گئے ہیں۔" نانوں نے کہا "یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ بیوی اور بیٹی گھر میں ہوتے ہوئے آپ رنڈوے رہیں۔"
"میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی۔ نہیں کی تھی نا؟ زبان کو گُدّی میں سنبھال کر رکھو ورنہ تمہیں نکل جانا پڑے گا۔ تم نے کڑھائی میں کیا رکھا ہے؟ مجھے انگیٹھی پر کچھ ٹپکنے کی آواز آ رہی ہے۔"
"تھوڑی سی چربی تھی جسے میں پگھلانے کے لئے رکھا ہے۔"
"آج شام کچھ لوگ ہمارے ہاں آئیں گے، تم آگ جلا دینا۔"
کرد شو لوگ، اُن کے دوست، مادام دسے گراسیں اور اُس کا بیٹا سب کوئی آٹھ بجے آئے اور مادام گراں دسے اور اس کی بیٹی کو وہاں نہ پا کر بڑے حیران ہوئے۔
"آج میری بیوی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور لوئزینی بھی اوپر ماں کے پاس ہے۔" بڈھے ٹین ساز نے جواب دیا۔ اُس کے چہرے پر کسی قسم کی گھبراہٹ کے آثار نہ تھے۔
ایک گھنٹہ اِدھر اُدھر کی چھوٹی موٹی باتوں میں گذر گیا۔ مادام دسے گراسیں اوپر مادام گراں دسے کو دیکھنے گئی اور جب وہ کھانے کے کمرے میں واپس آئی تو ہر ایک نے پوچھا

"مادام گراں دے کیسی ہیں؟"

"اُن کی طبیعت کافی خراب ہے" اُس نے فکرمندی کے انداز میں کہا "مجھے تو اُن کی حالت خطرناک ہی معلوم ہوتی ہے۔ موسیو گراں دے اس عمر میں آپ کو اُن کا زیادہ دھیان رکھنا چاہیئے"

"ہاں دیکھیں گے" انگوروں کے کاشتکار نے بے پروائی سے کہا۔

تمام لوگ رخصت ہو گئے۔

کروشو لوگ سڑک پر نکلے اور گھر کا دروازہ بند ہو گیا تو مادام دے گراسیں اُن کی طرف پلٹ کر بولی "گراں دے لوگوں میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ ماں سخت بیمار ہے اُس کو خود اندازہ نہیں کہ اُس کی طبیعت کتنی خراب ہے اور بیٹی کی آنکھیں بھی لال ہو رہی تھیں جیسے وہ بہت دیر تک روتی رہی ہے۔ کیا وہ اُس کی خلافِ مرضی کہیں شادی تو نہیں کر رہے ہے؟"

اُس رات جب بین ساز سونے چلا گیا تو نانوں کپڑے کے سلیپر پہنے، چپکے سے یوژینی کے کمرے میں جا پہنچی اور بھنے ہوئے گوشت کی پلیٹ آگے بڑھا دی جو اُس نے کڑھائی میں پکایا تھا۔

"یہ لیجئے بی بی!" رحمدل خادمہ بولی "کارنوا بیٹے میرے لئے ایک خرگوش لایا تھا۔ آپ تو اتنا کم کھاتی ہیں کہ یہ آپ سے ہفتے بھر تک ختم نہ ہوگا اور پھر اتنی سردی میں اُس کے خراب ہو جانے کا بھی کوئی ڈر نہیں ہے۔ خیر جو بھی ہے آپ صرف روکھی روٹی پر تو نہیں رہیں گی نا۔ وہ آپ کے لئے ٹھیک نہیں ہے"

"بے چاری نانوں!" یوژینی نے ملازمہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"میں نے گوشت بڑا مزیدار پکایا ہے۔ اور مالک کو اس کا پتہ تک نہیں چلا۔ گھی اور مصالحہ میں نے اپنے چھ فرانک میں سے خرید لیا تھا۔ میں اپنے پیسے کو جس طرح چاہوں خرچ کر سکتی ہوں" اور پرانی خادمہ بھاگ کھڑی ہوئی کیونکہ اُسے ایسا معلوم ہُوا جیسے گراں دے ابھی جاگ رہا ہے۔

کئی مہینے گذر گئے ٹین ساز دن کے مختلف اوقات میں اپنی بیوی کو دیکھنے جاتا لیکن اُس نے کبھی اپنی بیٹی کا نام تک نہ لیا —— نہ کبھی اُس سے ملا اور نہ اس کا ذکر چھیڑا۔

مادام گراں دے کی صحت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی۔ جنوری کی اُس خوفناک صبح کے بعد سے وہ پھر کبھی اپنے کمرے میں سے نہیں نکلی تھی۔ لیکن ٹین ساز کے ارادے پر کسی بات کا اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ پتھریلی چٹان کی مانند سخت اور یخ بستہ تھا۔ وہ اُسی انداز سے آتا جاتا رہا اور اس کے طرزِ زندگی میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ لیکن اب وہ ہکلاتا نہیں تھا اور باتیں بھی کم کرنے لگا تھا۔ اپنے کاروبار میں وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت گیر ہو گیا تھا۔ البتہ اب اُس کے حساب کتاب میں غلطیاں ہونے لگی تھیں۔

کروشو اور دے گراسیں لوگ اس بات پر متفق تھے کہ گراں دے خاندان میں کچھ گڑبڑ ضرور ہے "گراں دے لوگوں کو ہوا کیا ہے؟" سومور میں جہاں کہیں لوگ جمع ہوتے یہ سوال وہاں ضرور پوچھا جاتا۔

یوژینی نانوں کے ساتھ باقاعدہ گرجے جایا کرتی تھی۔ اگر ڈیوڑھی میں مادام دے گراسیں اُس سے کوئی بات کرتی تو وہ یونہی ٹلا جاتی اور اُس خاتون کی بے چینی برقرار رہتی لیکن دو مہینے اس طرح گذر جانے کے بعد اب مادام دے گراسیں اور کروشو لوگوں سے

اصل حالات کو چھپانا ناممکن ہو گیا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ سب بہانے ختم ہو گئے اور یوژینی کی مستقل غیر حاضری کا سبب اُسی طرح وضاحت طلب رہا۔ کچھ عرصے بعد نہ جانے کب اور کس طرح یہ راز فاش ہو ہی گیا۔ اور ہر ایک کو پتہ چل گیا کہ نئے سال کے پہلے ہی دن سے مادموازیل گراں دے کو باپ کے حکم سے کمرے میں قید کر دیا گیا ہے جہاں وہ رُوکھی روٹی اور پانی پر گذر کرتی ہے اور اُس کے کمرے میں آگ بھی نہیں جلائی جاتی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ نانوں اُس کے لئے اچھے اچھے کھانے پکا کر چوری چوری اُس کے کمرے میں پہنچا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اور تفصیلات بھی سب کو معلوم تھیں کہ جب گراں دے گھر سے باہر ہوتا ہے صرف اسی وقت لڑکی اپنی ماں کی تیمار داری کر سکتی ہے بلکہ ویسے تو مل بھی نہیں سکتی۔

لوگ گراں دے کو سخت بُرا بھلا کہتے۔ وہ شہر بھر میں بدنام ہو گیا تھا۔ اُس کی سختی اور وعدہ خلافی کو یاد کر کے ہر کوئی اُس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ جب وہ گزرتا تو لوگ اُس کی طرف اشارے کر کے سرگوشیاں کرنے لگتے اور جب اُس کی بیٹی نانوں کے ساتھ گرجے میں دُعا کے لئے جاتے ہوئے سڑک کے نکڑ پر مڑتی تو لوگ بھاگ کر کھڑکیوں میں آجاتے اور اس دولت مند وارثہ کا چہرہ دیکھنے لگتے ــــ اس کا چہرہ بہت غمگین ہوتا اور اس میں ایک دلکش الوہیت پائی جاتی تھی۔

اُس کے باپ کی طرح یوژینی کے کانوں تک بھی شہر والوں کی یہ باتیں کافی دیر میں پہنچیں۔ یہ قید اور باپ کی ناراضی اس کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے، کیونکہ اُس کے پاس دنیا کا نقشہ موجود تھا۔ اور پھر وہ کھڑکی میں سے چھوٹا سا باغ، پرانی دیوار اور باغیچے کے راستے سبھی کچھ تو دیکھ سکتی تھی۔ کیا گذشتہ بوسوں کی شیرینی اب تک اُس کے

لبوں میں موجود نہ تھی؟ چنانچہ ثمرا کی نظروں میں اپنی معصومیت کے احساس اور محبت نے اُسے باپ کی خفگی اور تنہا زندگی کو برداشت کرنے کی ہمت عطا کر دی تھی لیکن اس کے علاوہ ایک اور بہت گہرا اور سخت ترین صدمہ اُسے درپیش تھا جس سے بچنے کی لیو ژینی کو کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اُس کی نیک اور صابر ماں آہستہ آہستہ گھلتی چلی جا رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جوں جوں اُس کے مرنے کے دن قریب آ رہے تھے اُس کی روح کی خوبصورتی زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہے اور ان تاریک دنوں کو منور کئے دے رہی ہے۔ لیو ژینی اکثر اپنے آپ کو ماں کی اس جاں گسل بیماری کا باعث سمجھتی، اور حالانکہ اُس کی ماں ہر طرح اُسے تسلی دینے کی کوشش کرتی مگر اُس کی یہ ندامت اُسے مادرانہ محبت سے اور زیادہ وابستہ کئے دے رہی تھی جسے وہ بہت جلد کھو دینے والی تھی۔ ہر صبح جونہی اُس کا باپ گھر سے نکلتا وہ اپنی ماں کی پائینتی آ بیٹھتی۔ ناآوں وہیں اُس کا ناشتہ دیا کرتی۔ لیکن بے چاری لیو ژینی کے لئے اپنی پریشانی کے ساتھ ساتھ یہ تکلیف ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ وہ آنسو بھری آنکھوں سے کبھی اپنی ماں کے چہرے کو دیکھتی اور کبھی ناآوں پر نظر ڈالتی اور خاموش رہتی۔ اب وہ اپنے چچا زاد بھائی کا بھی ذکر نہ کرتی تھی۔ ہمیشہ مادام گراں دے ہی اُس کی بات چھیڑتی اور کہتی "شارل ہے کہاں؟ وہ خط کیوں نہیں لکھتا؟"

ماں اور بیٹی دونوں میں سے کسی کو بھی فاصلے کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

"اماں۔ ہم اُن کی باتیں کئے بغیر ہی بس اُن کو یاد کر لیا کریں" لیو ژینی جواب دیتی "آپ بیمار ہیں اور آپ سب پر مقدم ہیں" اور جب وہ "سب" کہتی تو اس سے اُس کی مراد ہمیشہ اپنے چچا زاد بھائی سے ہوتی تھی۔

"بچیو۔ مجھے زندہ رہنے کی اب کوئی خواہش نہیں ہے" مادام گراں دے سے کہا کرتی۔ "خدا نے اپنی رحمت سے مجھے یہ باور کرا دیا ہے کہ میں موت کو اپنی سب مصیبتوں کا خاتمہ تصور کر دوں۔"

وہ جو کچھ بھی کہتی اُس میں دین داری کی جھلک ہوتی۔ سال کے ابتدائی چند مہینوں میں اُس کا خاوند اُسی کے کمرے میں ناشتہ کرتا رہا اور جب وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلا کرتا تو یہی الفاظ سنا کرتا جو وہ فرشتوں کی سی ملائمت لیکن قدرے سختی کے ساتھ کہا کرتی۔ موت کی قربت نے اُس میں ایسی ہمت پیدا کر دی تھی جو تمام عمر اُس میں پیدا نہ ہو سکی تھی۔

"آپ کو میری تندرستی کا بڑا خیال رہتا ہے اس کا بہت بہت شکریہ" وہ رسمی مزاج پرسی کے جواب میں کہتی "لیکن اگر واقعی آپ میرے آخری لمحوں کی تلخی کو مٹانا اور میری تکلیف میں کمی کرنا چاہتے ہیں تو اپنی بیٹی کو معاف کر دیجئے اور اس طرح ایک عیسائی یا ایک خاوند اور ایک باپ کا فرض ادا کیجئے۔"

یہ الفاظ سُن کر گراں دے بیوی کے پلنگ پر آکر بیٹھ جاتا اور اُس کی حالت کسی ایسے آدمی کی سی ہوتی تھی جو بارش کے ڈر سے مجبوراً کسی قریب کی پناہ گاہ میں پہنچ جائے۔ وہ خود کچھ نہ بولتا اور اُس کی بیوی کا جو دل چاہتا وہ کہتی رہتی۔ نہایت منت سماجت اور پُرسوز کلمات کے جواب میں وہ صرف یہ کہتا "میری پیاری بیوی، آج تم کچھ زرد سی لگ رہی ہو۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی بیٹی تو بالکل اُس کے ذہن سے نکل چکی ہے۔ اُس کا نام لے دینے سے اُس کے منجمد چہرے اور سختی سے بند کئے ہوئے مُنہ میں ذرہ بھر فرق نہ پڑتا تھا۔ وہ بیوی کی منتوں کا مبہم سا جواب دیتا اور ہمیشہ ایک ہی سے الفاظ استعمال کرتا۔

اپنی بیوی کے سفید چہرے اور رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے آنسوؤں کی اس نے کبھی پروا نہ کی۔

"جس طرح میں آپ کو معاف کر رہی ہوں اسی طرح خدا آپ کو معاف کر دے۔"

وہ کہتی "کسی دن آپ کو بھی خدا کی رحمت کی ضرورت پڑے گی۔"

جب سے اس کی بیوی بیمار ہوئی تھی اس نے اپنے ان خوفناک الفاظ "تت تت تت" کا استعمال بالکل چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اپنی بیوی کی فرشتوں جیسی نرمی کا اس کی سنگ دلی پر ذرہ بھر بھی اثر نہ ہوا تھا۔

مادام گراں دے کا سیدھا سادا چہرہ اب اچھا خاصا خوبصورت دکھائی دینے لگا تھا کیونکہ اس کی نیک فطرت روز بروز نمایاں ہوتی جا رہی تھی اور روح جسم پر غالب آگئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دعاؤں کے فیضان سے اس کے خد و خال نکھر گئے ہیں اور کسی اندرونی ضو نے انہیں جلا دے دی ہے۔

کون ایسا آدمی ہے جس نے اس قسم کے چہرے اور آخری وقت ان میں زبردست تبدیلی نہ دیکھی ہو؟ جب روح عرصے تک مصفا و منزہ اور بلند خیالات کے درمیان رہی ہو تو وہ تصورات بھدے سے بھدے چہرے پر بھی اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ تبدیلی روح کی اس کامرانی کی علامت ہوتی ہے۔ مادام گراں دے کی روح میں جو ارضی عناصر تھے جسمانی تکلیف نے انہیں بھی نکال پھینکا اور اس کے چہرے پر ایک نور آگیا۔ ٹیمن ساز کتنا بھی سنگدل سہی۔ لیکن یہ تبدیلی دیکھ کر وہ بھی تھوڑا بہت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا پہلے تو اس کا رویہ حقارت آمیز ہوتا تھا۔ لیکن اب وہ بالکل خاموش رہنے لگا۔ اس حرکت کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اپنے خاندان کے بزرگ کی حیثیت سے اس کا وقار اسی طرح قائم رہے۔

تا بعد ازناگزیں جو نہی بازار پہنچتی لوگ اس کے مالک کو برا بھلا کہنا شروع کر دیتے اور

اُس کا مذاق اڑاتے۔ لیکن لوگ جتنے جوش سے گراں دسے کی مذمت کرتے، خادمہ اپنی خاندانی عزت کی اُسی قدر مدافعت کرتی۔

"کیوں" وہ اپنے مالک کو بُرا کہنے والوں سے کہتی "ہم سبھی عُمر کے ساتھ چڑچڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر تم میرے مالک کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟ خواہ مخواہ اُلٹی سیدھی باتیں نہ کیا کرو۔ بی بی بالکل رانی کی طرح رہتی ہیں۔ مانا کہ وہ اکیلی ہوتی ہیں لیکن انہیں اکیلے رہنا پسند ہے اور میرے مالک اور مالکہ جو کچھ بھی کرتے ہیں سوچ سمجھ کر ہی کرتے ہیں"۔

آخر کار ایک شام جبکہ موسم بہار ختم ہو رہا تھا، مادام گراں دسے کو احساس ہوا کہ بیماری سے زیادہ یوژینی کی قیدِ تنہائی کی تکلیف اسے دن بدن موت کے نزدیک لئے جا رہی ہے اور وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ بیٹی کو معافی دلانے کی سب کوششیں بیکار جائیں گی۔ چنانچہ اُس نے یہ سارا قصّہ کروشو لوگوں کو سُنا ڈالا۔

"ارے۔ ایک تیئیس سال کی لڑکی کو صرف روٹی اور پانی پر چھوڑ رکھا ہے! ...."

مجسٹریٹ دبوں خوں چلایا "اور پھر کوئی معقول وجہ بھی تو نہیں ہے! یہ ظلم تو صریحاً قانون کی زد میں آتا ہے۔ وہ نالش کر سکتی ہے کہ...."

"اچھا۔ بیٹھیے" سرکاری وکیل بولا "اب تم اپنی قانون دانی تو یہیں رہنے دو۔ مادام! آپ مطمئن رہیں۔ میں کل تک اس قید کو ختم کرا دوں گا"۔

یوژینی نے سب کچھ سن لیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"حضرات" اُس نے غیرت کے تقاضے سے مجبور ہو کر کہا "میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس معاملے میں آپ کوئی کارروائی نہ کریں۔ میرے والد اپنے گھر کے مالک ہیں اور جب تک میں اس چھت کے نیچے رہتی ہوں مجھے اُن کا حکم ماننا ہی چاہیئے کسی کو

حق نہیں پہنچتا کہ اُن کے افعال پر نکتہ چینی کرے۔ انہیں خدا اور صرف خدا کے سامنے ہی جواب دہ ہونا ہے۔ اگر آپ کے دل میں میرے لیئے ذرا بھی دوستانہ جذبہ ہے تو میں آپ کی منت کرتی ہوں کہ آپ اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کہیں۔ اگر آپ نے میرے والد پر کوئی الزام لگایا تو ہم سب دنیا کی نظروں سے گر جائیں گے جناب۔ میں آپ کی بیحد مشکور ہوں کہ آپ نے میرا اتنا خیال کیا اور میں آپ کا زیادہ احسان مانوں گی اگر آپ شہر میں اڑتی ہوئی افواہوں کا کسی طرح خاتمہ کرا دیں۔ میں نے اتفاق سے چند ایک باتیں سُن لی ہیں"

"یہ ٹھیک کہتی ہے" مادام گراں دِسے نے کہا۔

"مادموازیل، لوگوں کی زبان بند کرانے کا بہترین طریقہ تو یہی ہو سکتا ہے کہ آپ کو رہائی دلائی جائے" بوڑھے سرکاری وکیل نے ادب سے کہا۔ یوژینی کے چہرے پر اُداسی، تنہائی اور محبت کی وجہ سے جو حُسن پیدا ہو گیا تھا وہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"اچھا یوژینی، تم یہ معاملہ موسیو کروشو پر چھوڑ دو۔ جیسا وہ کہتے ہیں کامیابی یقینی ہے۔ یہ تو تمہارے والد کو اچھی طرح جانتے ہیں اور انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ اُن کے سامنے اس بات کو کس طرح پیش کیا جائے۔ میری زندگی جو تھوڑی بہت باقی ہے اُس میں اگر تم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہو تو ہر قیمت پر تمہارے باپ سے تمہاری صلح ہو جانی چاہیئے"

دوسرے دن صبح کو گراں دِسے باغیچے میں دو چار چکر لگانے کے لیئے گیا۔ یوژینی کی قید کے دوران میں یہ اُس کی عادت سی بن گئی تھی۔ اُس نے سوچا جب تک یوژینی لباس تبدیل کرے، ذرا تازہ ہوا ہی کھائی جائے۔ جب وہ اخروٹ کے درخت کے پاس پہنچا تو چند لمحے اس کے پیچھے کھڑا ہو کر بیٹی کی کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ یوژینی کو

اپنے لمبے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور اس کی فطری ڈھٹائی اور بیٹی کو گلے لگا کر چوم لینے کی خواہش میں زبردست کشمکش ہو رہی تھی۔

وہ اکثر جا کر اُس چھوٹے سے دیمک خوردہ بنچ پر بیٹھ جایا کرتا جہاں شارل اور یوژینی نے ایک دوسرے سے ہمیشہ محبت کرتے رہنے کا عہد کیا تھا۔ اُس کی بیٹی اکثر چوری چھپے اُسے وہاں بیٹھے دیکھ لیا کرتی تھی یا آئینے ہی میں باغ اور بنچ پر بیٹھے ہوئے باپ کی جھلک نظر آجاتی۔ اگر وہ اُٹھ کر پھر ٹہلنا شروع کر دیتا تو یوژینی کھڑکی میں بیٹھ جاتی۔ اُسے وہاں بیٹھنے میں بڑا لطف آتا تھا۔ وہ باغ کی پرانی سی دیوار کے ایک ٹکڑے پر نظریں جمائے رہتی جہاں دراڑوں میں جنگلی پھولوں کی نازک سی ٹہنیاں نظر آتیں۔ اس کے علاوہ وہاں طرح طرح کے خوبصورت پھول تھے۔ ایک چھوٹا سا موٹے پتوں والا پودا تھا جس پر سفید اور پیلے پھول لگتے تھے یہ پودا پتھریلے علاقے کی پیداوار ہے، سومور اور تور میں انگور کی بیلوں کے ساتھ ساتھ اُگتا ہے۔

جون کی ایک چمکیلی صبح کو، سویرے ہی بڈھا کروشو گراں دے کے ہاں آیا جو اُس وقت چھوٹے بنچ پر دیوار سے ٹیک لگائے اپنی بیٹی کو دیکھنے میں محو تھا۔

"موسیو کروشو کیا تمہیں مجھ سے کام ہے؟" اُس نے سرکاری وکیل کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی پوچھا۔

"میں ذرا کاروبار کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔"

"کیا تمہارے پاس کچھ سونا ہے جو تم کراؤن میں بدلوانا چاہتے ہو؟"

"نہیں نہیں۔ اس دفعہ پیسے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تمہاری بیٹی یوژینی کا قصہ ہے۔ ہر ایک کی زبان پر تمہارا اور اس کا ہی ذکر ہے۔"

"لوگوں کو اس معاملے میں بولنے کا کیا حق ہے؟ آدمی کو اپنے گھر میں ہر چیز پر اختیار ہوتا ہے۔"

"یہ ٹھیک ہے اور اگر آدمی چاہے تو وہ اپنی جان لے سکتا ہے۔ اور اس سے بھی بُرا کام وہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنا پیسہ کھڑکی میں سے باہر پھینک دے۔"

"کیا؟"

"ہُوں! لیکن تمہاری بیوی بہت بیمار ہیں۔ میرے دوست تمہیں موسیو پیڑاین کو بلانا چاہیئے۔ اُن کی زندگی خطرے میں ہے۔ اگر باقاعدہ خبر گیری نہ ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ ہو گیا تو مجھے یقین ہے کہ تمہیں باتیں سننا پڑیں گی۔"

"نت۔ نت۔ نت۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ اگر کوئی ڈاکٹر ایک بار گھر میں قدم رکھے گا تو وہ دن میں چھ چکر لگایا کرے گا۔"

"خیر گراں دے۔ جو تم مناسب سمجھو وہی کرو۔ ہم دونوں پُرانے دوست ہیں۔ سوموَر بھر میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے تمہارے ساتھ مجھ سے بڑھ کر لگاؤ ہو۔ اسی لئے میں نے یہ اپنا فرض جانا کہ تمہیں اس طرف توجہ دلاؤں۔ جو کچھ ہو گا اُس کی ذمہ داری تمہیں پر ہو گی۔ تم اپنے حالات خود بہتر سمجھتے ہو۔ لہٰذا بات ختم ہوئی۔ اس کے سوا میں اس کے بارے میں کچھ کہنے نہیں آیا تھا۔ ایک اور بات اس سے بھی زیادہ تمہارے لئے اہم ہے کیونکہ میرے خیال میں تم اپنی بیوی کو جان سے تو نہیں مار ڈالنا چاہتے۔ وہ تو تمہارے لئے بہت ہی فائدہ مند ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ اگر مادام گراں دے کو کچھ ہو گیا تو تمہاری حیثیت کیا ہو گی۔ تمہارا اپنی بیٹی سے سابقہ پڑے گا۔ تمہیں اپنی مشترکہ جائداد میں سے اُس کی ماں کے حصّے کا پورا حساب یوجنی کو دینا ہو گا۔ اور اگر وہ چاہے تو اپنی ماں کا

حصّہ تم سے طلب کر سکتی ہے کیونکہ اُس کی مالک وہ ہو گی، تم نہیں۔ پھر ایسی حالت میں تمہیں فرواً فوراً ہی بیچ ڈالنا پڑے گا۔"

کروشو کے اِن الفاظ نے بھاؤ کا کام کیا۔ کیونکہ ٹین ساز کو تجارت کا تو بہت علم تھا لیکن قانون کے بارے میں وہ بہت کم واقفیت رکھتا تھا۔ جائداد کو مجبور ہو کے بیچ دینے کا اُسے کبھی خیال تک نہ آیا تھا۔

"اس لئے میرے خیال میں تو تمہیں اس کے ساتھ بڑی نرمی کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔" سرکاری وکیل نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن کروشو تمہیں پتہ ہے کہ اُس نے کیا کیا ہے؟"

"نہیں۔ کیا ہوا تھا؟" سرکاری وکیل نے پوچھا۔ اُسے جھگڑے کا سبب جاننے کی بڑی بے چینی تھی اور گراں دے کی جانب سے اس درجہ اعتماد ایک بڑا دلچسپ اور انوکھا ڈرامہ تھا۔

"اُس نے اپنا سب سونا دے ڈالا ہے۔"

"ارے! اچھا۔ وہ تھا تو اُسی کا نا؟"

"سب یہی کہتے ہیں!" گراں دے نے بڑی بے کسی کے انداز میں اپنے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور اتنی سی بات کے لئے تم اپنے آپ کو یوژینی کی محبت سے محروم کر لوگے۔ کیونکہ اگر اُس کی ماں مر گئی تو یقیناً تمہیں اُس کی مدد درکار ہو گی۔"

"آہ! چھ ہزار فرانک کے سونے کو تم ذرا سی بات کہہ رہے ہو؟"

"میرے عزیز دوست۔ یہ کتنی مصیبت کی بات ہو گی کہ یوژینی چاہے تو تمہیں

ساری جائداد کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد تُو اسے پر مجبور کر دے۔ معلوم ہے اُس میں خرچ کتنا ہو گا؟"

"کتنا خرچ ہو گا؟"

"دو تین یا ممکن ہے چار ہزار فرانک تک خرچ ہو جائیں اور پھر جب تک تم جائداد نیلام نہ کرو گے تب تک تمہیں صحیح قیمت، کا اندازہ ہی نہ ہو سکے گا۔ لیکن اگر یوژنی سے صلح صفائی کی . . . . ."

"مجھے اپنے باپ کی قسم!" انگوروں کا کاشتکار پیچھے ٹیک لگا کر چیخا۔ اُس کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔ "کروشو۔ ہم ضرور اس بات پر غور کریں گے۔"

چند لمحے حیران، پریشان، خاموش اور مضطرب رہنے کے بعد گراں دے نے اپنے ہمسائے کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔ "زندگی بہت ہی کٹھن چیز ہے۔ اس میں مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں کروشو۔" وہ نہایت سنجیدگی سے بولے جا رہا تھا۔ "تم یقیناً مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اچھا قسم کھاؤ کہ جو کچھ تم نے ابھی کہا ہے وہ حقیقت ہے۔ لاؤ مجھے ذرا قانون کی کتاب دکھاؤ۔ میں کتاب دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"میرے اچھے دوست" سرکاری وکیل نے کہا "میں اپنے کاروبار کو خوب سمجھتا ہوں۔"

"تو کیا یہ بالکل صحیح ہے؟ میں اپنی ہی بیٹی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔"

"وہ اپنی ماں کی جائداد کی وارثہ ہے۔"

"پھر اولاد کا فائدہ ہی کیا ہے؟ آہ۔ میری بیوی! مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے۔ خوش قسمتی سے اُس کا جسم خوب مضبوط ہے۔ وہ لا بار تنیلیئر خاندان کی ہے۔"

"وہ تو مہینہ بھر بھی مشکل سے زندہ رہ سکے گی۔"

ٹین سازنے اپنا سر پیٹ لیا، تھوڑا سا ٹہلا اور پھر پلٹ آیا۔

"اب کیا کیا جائے؟" اُس نے المناک چہرہ بنا کے کروشو سے دریافت کیا۔

"یہ بھی بہت ممکن ہے کہ یوژینی اپنی ماں کی جائداد پر اپنے حق ہی سے دست بردار ہو جائے۔ آخر تمہیں اُس کو جائداد سے عاق تو کرنا ہی نہیں ہے۔ کیوں؟ لیکن اگر تم اس قسم کے برتاؤ کی توقع رکھتے ہو تو اُس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ۔ میرے دوست۔ میں اپنے مفاد کے بھی خلاف بول رہا ہوں۔ آخر میں اپنی روزی کیسے کماتا ہوں؟ اسی قسم کی جائدادوں کے لین دین اور جاگیروں کی دستاویزیں ہی تو مرتب کرتا ہوں۔"

"اچھا۔ دیکھیں گے۔ ہم ضرور اس بارے میں کچھ فیصلہ کریں گے۔ ہاں کروشو۔ اب ہم اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ تم نے میری روح تک کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ کیا تم نے ان ہی دنوں سونا خریدا ہے؟"

"نہیں۔ لیکن میرے پاس کوئی نو دس پرانے لوئی شاید پڑے ہوں۔ وہ میں تمہیں دے دونگا۔ دیکھو میرے اچھے دوست۔ یوژینی سے صلح کر لو۔ سومور بھر میں ہر کوئی تم پر انگلی اٹھاتا ہے۔"

"وہ سب بدمعاش ہیں۔"

"ارے۔ ہاں۔ ان سرکاری قرضوں کے کاغذات کی قیمت اب ننانوے 99 تک ہو گئی ہے۔ اس لئے تمہیں تو بے حد خوش ہونا چاہئے۔"

"کروشو۔ ننانوے تک؟"

"ہاں"

"آہا! ہا! ننانوے!" وہ سرکاری وکیل کو گلی کے دروازے تک چھوڑنے کے لئے جاتے ہوئے بولا — ابھی جو خبر سنی تھی اُس نے گراں دے کو ایسا بے چین کر دیا کہ خاموشی سے گھر بیٹھے رہنا اُس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اُس نے اپنی بیوی کے کمرے میں جا کر کہا۔

"لو۔ بیوی بیٹی کے ساتھ تم دن گذارو۔ میں ذرا فرواتوں جا رہا ہوں۔ جب تک میں باہر رہوں تم دونوں ٹھیک ٹھاک رہنا۔ آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے۔ پیاری بیوی، ہاں دیکھو! یہ رہے تمہارے دس کراؤن۔ تم کب سے یہ خدا کی راہ میں دینا چاہ رہی تھیں آج چھٹی مناؤ! خوب مزہ کرو۔ ہنسو بولو اور تندرست ہو جاؤ"

اُس نے چھ فرانک کے سکوں کی شکل میں دس کراؤن بستر پر ڈال دیئے اور مادام گراں دے کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"پیاری بیوی۔ آج تم کچھ بہتر معلوم ہو رہی ہو۔ ہے نا؟"

"لیکن خدا جو اتنا رحیم و غفور ہے آپ کے گھر میں اُس کی برکتیں کیسے نازل ہو سکتی ہیں جبکہ آپ نے بیٹی کی طرف سے اپنا دل اس درجہ سخت بنا لیا ہے؟" وہ بولی۔ اُس کی آواز میں جذبات کی بے پناہ شدت تھی۔

"تت۔ تت۔ تت!" گراں دے تسلی دیتے ہوئے بولا "ہم اس کا بھی جلد ہی فیصلہ کر دیں گے"

"خدا بڑا رحم کرنے والا ہے! یوژینی!" ماں نے پکار کر کہا۔ اُس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا "یوژینی آؤ، اپنے باپ کو پیار کرو۔ انھوں نے تمہیں معاف کر دیا ہے!"

لیکن گراں دے جا چکا تھا۔ وہ جتنی جلدی ہو سکا اپنے انگوروں کے کھیتوں کی طرف چل دیا جہاں پہنچکر وہ اپنے عجیب و غریب، اوندھے سیدھے خیالات سے ایک نئی دنیا تعمیر کرنے میں محو ہو گیا۔ گراں دے کا حال ہی میں سٹرسٹھواں سال شروع ہوا تھا۔ پچھلے دو سال میں اُس کا لالچ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ تمام پائیدار جذبات عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتے جاتے ہیں اور اُن سب لوگوں کی طرح جن پر کوئی ایک خیال حاوی ہو وہ بھی پوری تندھی سے اُسی نشانی کو اپنے دل و دماغ میں بسائے ہوئے تھا جو اُس کے خیال کی ترجمانی کرتی تھی یعنی سونا ـــــ وہ چاہتا تھا کہ سونا اُس کے پاس ہو اور وہ اُسے دیکھتا اور چھُوتا رہے۔ یہ خواہش اُس میں ایک جنون کی سی شکل اختیار کر گئی تھی۔ پیسے کی محبت کے ساتھ ساتھ ظُلم ڈھانے کا جذبہ بھی قوی ہوتا چلا گیا تھا اور یہ خطرہ اُس کے لئے بہت اذیت ناک تھا کہ بیوی کی موت کے بعد اُس سے جائداد کا ایک ذرا سا حصّہ بھی الگ کر لیا جائے۔

کیا اُسے بیوی کے پیسے کا حساب لڑکے کو بتانا ہوگا اور ایک ایک چیز جو اُس کی ملکیت میں ہے اس کی دستاویزیں تیار کرانا ہونگیں ـــــ ذاتی اور اصل جائداد سب کی۔ اور پھر اُن سب کو نیلام کرنا پڑے گا؟ میں تو بالکل لُٹ جاؤنگا"! اُس نے اپنے دل میں سوچا۔ اس وقت وہ انگور کی بیلوں کے ڈنٹھلوں کا معائنہ کر رہا تھا۔

آخر کار اُس نے پختہ ارادہ کر لیا اور اپنے اس عہد پر قائم رہنے کا تہیّہ کر کے کھانے کے وقت سومور پہنچ گیا۔ اُس نے سوچا تھا کہ میں بہلا پھسلا کر یوژینی کو راضی کر لونگا تاکہ میں شاہی ٹھاٹ سے مروں اور اپنی زندگی کے آخری سانس تک

لاکھوں کی جائداد میرے ہی قبضے میں رہے۔ ہُوا یہ کہ اُس نے اپنی بڑی سی چابی پھرا کے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ بھیڑیئے کی سی خاموشی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھ کے بیوی کے کمرے میں جا پہنچا اور عین اُس وقت دروازے میں پہنچا جب یوژینی نے سونے کا دمکتا ہُوا اسنگار دان ماں کے پلنگ پر لا کے رکھا ہی تھا۔ دونوں عورتیں گراں دے کی غیر حاضری میں خوشی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ تصویروں کو دیکھ دیکھ کر شارل اور اُس کی ماں کے خدوخال میں مشابہت ڈھونڈ رہی تھیں۔

"یہ پیشانی اور دہانہ تو بالکل شارل کا سا ہے"! یوژینی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ انگوروں کے کاشتکار نے دروازہ کھولا۔

مادام گراں دے نے دیکھا کہ اُس کے خاوند کی نگاہیں سونے پر لپک پڑیں "خدایا! ہم پر رحم کر" وہ چیخی۔

انگوروں کا کاشتکار سنگاردان پر کچھ اس طرح جھپٹا جیسے شیر سوتے ہوئے بچے پر لپکتا ہے " یہ سب کیا ہے"؟ وہ اس خزانے کو کھڑکی کی طرف چھین کر لے جاتے ہوئے بولا۔

"سونا! ٹھوس سونا! اور ہے بھی کتنا زیادہ۔ اس کا وزن تو چار چھ پونڈ ہو گا۔ آہا! تو یہ چیز ہے جو شارل نے تمہارے سکوں کے بدلے میں تمہیں دی تھی! تم نے مجھے بتا کیوں نہ دیا؟ یہ تو میری بچی بڑا اچھا سودا ہے۔ اب مجھے معلوم ہُوا تم بالکل اپنے باپ پر گئی ہو" یوژینی سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی "یہ شارل کی ملکیت ہے۔ ہے نا"

"ہاں۔ ابا۔ یہ میرا نہیں ہے یہ تو میرے پاس مقدس امانت ہے"

"تت۔ تت۔ تت۔ وہ تمہارے پیسے لے گیا ہے، اب تم اسے اپنے چھوٹے

سے خزانے کے بدلے میں رکھ سکتی ہو۔"

"اوہ۔ ابا . . . . ۔"

بوڑھے نے اپنی جیب سے چاقو نکالا تاکہ اس قیمتی دھات کا کچھ حصہ مروڑ کر نکال لے۔ اور ایسا کرنے کے لئے اُسے تھوڑی دیر کے لئے سنگار دان پاس پڑی ہوئی کرسی پر رکھ دینا پڑا۔ یوژینی اپنا خزانہ واپس لینے کے لئے جھپٹی۔ لیکن ٹمین ساز کی نظر صندوقچے کے ساتھ ساتھ بیٹی پر بھی تھی۔ چنانچہ ڈبہ بچانے کے لئے اُس نے یوژینی کو اس بُری طرح ہاتھ سے دھکا دیا کہ وہ پلنگ پر جا گری۔

"ارے یہ کیا کر رہے ہیں!" ماں اُٹھ کر پلنگ پر سیدھی ہو بیٹھی اور چیخی۔

گراں دے نے چاقو کھول لیا تھا اور پھل سے سونا اُکھاڑنے ہی والا تھا۔

" ابا!" یوژینی زور سے چلائی وہ گھٹنوں کے بل جُھک گئی اور گھسٹتی ہوئی باپ کے قریب جا پہنچی "ابا۔ آپ کو ولیوں اور پاک مریم کی قسم۔ حضرت عیسیٰ کا واسطہ جنہوں نے صلیب پر جان دی۔ روزِ قیامت سے ڈریئے۔ ابا، اگر آپ کو میری زندگی کا ذرا بھی خیال ہے تو اسے نہ چھیڑیئے! یہ سنگار دان نہ آپ کا ہے نہ میرا۔ یہ ہمارے ایک بدقسمت عزیز کا ہے جس نے اِسے میرے سپرد کیا تھا۔ اور یہ مجھے اسی طرح اُس کے حوالے کر دینا چاہیئے۔"

"اگر یہ امانت ہے تو پھر تمہیں اسے دیکھنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ اسے دیکھنا تو چھیڑنے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔"

"اِس کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کیجئے۔ ابا۔ اس میں مجھے کتنی خفت اُٹھانی پڑے گی۔ ابا! آپ سنتے کیوں نہیں؟"

"خدا کے لیئے سنیئے تو!" ماں نے التجا کی۔

"ابّا!——"

ایک تیز چیخ گھر بھر میں گونج اٹھی جسے سن کر نانوں ڈرتی ہوئی اوپر آگئی۔ لوزہینی نے ایک قریب پڑا ہوا چاقو اٹھا لیا۔

"اچھا!" گراں دے بڑے پُرسکون لہجے میں بولا اُس کے ہونٹوں پر سرد مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"آپ تو مجھے مارے ڈال رہے ہیں!" بیوی نے کہا۔

"ابّا۔ اگر آپ نے ذرا سا بھی سونا نکالا تو میں یہ چاقو اپنے مار لونگی۔ آپ ہی کے طفیل امّاں مر رہی ہیں اور اب میری موت بھی آپ ہی کے سر ہوگی۔ جیسا آپ نے کیا ہے ویسا ہی آپ کے سامنے آئے گا۔"

گراں دے کا چاقو والا ہاتھ سنگارداں پر اُٹھے کا اُٹھا رہ گیا۔ اُس نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور ٹھٹک گیا۔

"لوزہینی کیا تم سچ مچ چاقو گھونپ لو گی؟" اُس نے پوچھا۔

"جی ہاں" ماں بول اٹھی۔

"بی بی نے جو کہا ہے وہ کر گزریں گی" نانوں چلّائی "خدا کے لئے صاحب زندگی میں ایک بار تو ذرا عقلمندی سے کام لیجئے۔"

ٹین ساز ایک لمحے کے لئے ہچکچایا۔ اُس نے پہلے سونے کی طرف دیکھا پھر بیٹی کی طرف۔

مادام گراں دے بے ہوش ہوگئی۔

"یہ لیجیئے۔ صاحب، آپ نے دیکھا۔ مالکہ مر رہی ہیں" نانوں چیخی۔

"لو۔ یہ لو بیٹی۔ ایک صندوقچے کی خاطر ہمیں لڑنا نہیں چاہیئے۔ لو۔ اسے واپس لے لو!" تین ساز نے ڈبے کو جلدی سے پلنگ پر پھینکتے ہوئے کہا" اور نانوں۔ جاؤ موسیو برزاتن کو بلا لاؤ۔ بیوی سُنو تو!" اُس نے اپنی بیوی کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "دیکھو ہم نے صلح کر لی ہے۔ ہے نا بیٹی؟ اب سُوکھی روٹی نہیں بلکہ جو تمہارا جی چاہے کھایا کرنا۔ . . . آہ! لو دیکھو یہ آنکھیں کھول رہی ہیں۔ ہاں دیکھو پیاری۔ دل بُرا نہ کرو! لو، میں یوژنینی کو پیار کیئے لیتا ہوں! اسے اپنے چچا زاد بھائی سے پیار ہے۔ ہے نا؟ اگر اس کا جی چاہے تو یہ اُس سے شادی کر سکتی ہے۔ یہ چھوٹا صندوقچہ بھی یوژنینی سنبھال کر رکھ سکتی ہے۔ لیکن بیوی، تمہیں ابھی بہت دنوں تک زندہ رہنا چاہیئے۔ دیکھو! اپنا سر ذرا اِدھر موڑ لو۔ سُنو! آنے والے تہوار پر ہم اتنی بھینٹ چڑھائیں گے کہ سومور بھر میں کسی نے دیکھی تک نہ ہو۔"

"آہ! خدا کی قسم۔ آپ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیونکر روا رکھ سکتے ہیں؟" مادام گراں دے نے کراہتے ہوئے کہا۔

"میں پھر کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ کبھی نہیں!" تین ساز چیخا "بیوی۔ تم دیکھ لینا میں ایسا نہیں کروں گا" وہ اپنے کمرے میں جا کر مٹھی میں سونے کے سکے بھر لایا اور اُس کی چادر پر بکھیر دیئے۔

"دیکھو۔ یوژنینی۔ یہ لو بیوی۔ یہ سب تمہارے لئے ہیں"۔ اُس نے سُنہری سکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" لو اب تو خوش ہو۔ بس اب جلدی سے تندرست ہو جاؤ۔ اب تمہیں اور یوژنینی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی۔"

"یوژینی! یہ سو لوئی تمہارے واسطے ہیں۔ تم انہیں کسی کو دے تو نہیں ڈالو گی؟"
مادام گراں دے اور یوژینی نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"ابا۔ پیسے واپس لے لیجئے۔ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں تو صرف آپکی محبت چاہیئے۔"
"اوہ۔ اچھا۔ جو تمہاری مرضی" اُس نے سکے جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔
"اب ہم سب مل کر دوستوں کی طرح رہیں گے۔ آؤ سب نیچے کھانے کے کمرے میں جا کر کھانا کھائیں۔ اب ہم ہر شام لوڈو کھیلا کریں گے اور دو دو سو کی بازی لگائیں گے۔ اب ہم چڑیوں کی طرح خوش رہا کریں گے۔ ہُوں۔ کیوں بیوی؟"
"افسوس! کاش میں تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتی۔" مرنے والی نے کہا۔ "لیکن مجھ میں تو اٹھ کر بیٹھنے کی بھی سکت نہیں ہے۔"
"میری بے چاری بیوی!" ٹین ساز بولا "تم نہیں جانتیں کہ مجھے تجھ سے کتنی محبت ہے اور تم سے بھی یوژینی!"
اُس نے بیٹی کو اپنی طرف کھینچ لیا اور بڑی گرمجوشی سے گلے لگایا۔
"اوہو۔ بچی۔ لڑائی کے بعد صلح ہونے پر پیار کرنے میں کتنا لطف آتا ہے! دیکھو بیوی تم دیکھ رہی ہو نا؟ اب ہم میں پوری صلح صفائی ہو گئی ہے۔ جاؤ، جا کر اسے صندوق میں رکھو اور تالا لگا دو۔" اُس نے صندوقچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوژینی سے کہا۔ "دیکھو سنبھل کے، ڈرو نہیں، میں اس کے بارے میں کبھی تم سے ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔"
موسیو برتراں جلد ہی آ پہنچا۔ وہ سومور بھر میں سب سے ہوشیار ڈاکٹر مانا جاتا تھا۔

اُس نے معائنے کے بعد گراں دے سے صاف صاف کہہ دیا کہ مریضہ کی حالت بہت خراب ہے۔ ذرا سی پریشانی اور فکر اس کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ ہلکی غذا، مکمل سکون اور مستقل خبر گیری سے اُس کی زندگی موسم خزاں کے آخر تک بڑھائی جا سکتی ہے۔

"کیا اس بیماری پر بہت خرچ آئے گا؟" صاحب خانہ نے سوال کیا "کیا انہیں بہت سی دواؤں کی ضرورت ہوگی؟"

"دوائی تو زیادہ ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ بڑی احتیاط سے تیمارداری ہونی چاہئے" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ وہ اُس کے سوال پہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"بہرحال۔ موسیو برنزائی۔ آپ ایک معزز آدمی ہیں" گراں دے نے قدرے بے چینی سے کہا۔ میں آپ پر پورا بھروسہ کر سکتا ہوں کیوں ہے نا؟ اگر آپ سمجھیں کہ بہت ہی ضروری ہے تو پھر آپ جتنی دفعہ مناسب سمجھیں انہیں آکر دیکھ جایا کیجیے گا۔ انہیں بچا لیجیے۔ میری اچھی بیوی ——— مجھے اِن سے بڑی محبت ہے۔ گو میں اس کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ میں سب کچھ دل میں رکھتا ہوں اور ہر بات مجھ پہ بڑی جلدی اثر کرتی ہے۔ میں خود مصیبت میں ہوں۔ یہ سب میرے بھائی کے مرنے سے ہوا۔ میں پیرس میں اُفوہ! ان کی خاطر ڈھیروں روپیہ خرچ کر رہا ہوں۔ میرا اپنا دیوالہ نکلا جا رہا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے خرچ کی کبھی انتہا ہی نہ ہوگی۔ اچھا جناب خدا حافظ۔ اگر آپ میری بیوی کو بچا سکیں تو ضرور بچائیے۔ کوئی ڈر نہیں اگر سو دو سو فرانک خرچ ہو جائیں۔"

گراں دے کی پُرخلوص خواہش تھی کہ اُس کی بیوی تندرست ہو جائے کیونکہ

دراثت کا سوال اُس کے لئے اپنی موت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بیٹی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی خواہش ہر ممکن طریقے سے پوری کرنے کی کوشش کرتا اور یوزیتی دل و جان سے ماں کی تیمارداری میں لگی رہتی۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ ظاہر تھا کہ مادام گراں دے کی زندگی تیزی سے خاتمے کی طرف جا رہی ہے۔ وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی اور جیسا کہ ضعیفی میں ہوا کرتا ہے اُس میں اب اتنی طاقت نہ رہی تھی کہ اس جاں گسل بیماری کا مقابلہ کر سکتی۔ اُس کی کیفیت موسم خزاں کے پتوں کی سی تھی۔ اور جس طرح سورج کی چمکتی ہوئی روشنی پتوں کو سنہرا بنا دیتی ہے اسی طرح آسمانی نور نے اُسے ایک ہیلا دے دی تھی۔ اس کی موت اُس کی زندگی کا نہایت موزوں خاتمہ معلوم ہوتی تھی۔ اس میں سرتاپا عیسوی رنگ تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ ایک عظیم الشان موت تھی بیٹی کی محبت، اُس کی سلیم الطبعی، فرشتوں کا سا صبر و شکر، یہ سب خوبیاں کبھی اتنی واضح نہ ہوئی تھیں جتنی کہ اکتوبر ۱۸۱۹ء میں یعنی جس مہینے میں اس کا انتقال ہوا۔ اپنی طویل بیماری کے دوران میں اُس نے کبھی کسی قسم کی شکایت نہ کی اور اُس کی معصوم روح زمین سے جنت کی سمت پرواز کر گئی۔ مرتے وقت اُسے محض اپنی بیٹی کی مفارقت کا غم تھا جس کی محبت بھری دوستی نے اس کی ویران زندگی کو سکون بخشا تھا۔ اور جسے اب وہ سینکڑوں غم اور تکالیف سہنے کے لئے چھوڑے جا رہی تھی۔ وہ اِس بھولی بھالی اور اپنی طرح معصوم بچی کو اس خود غرض دنیا میں تنہا چھوڑنے کے خیال سے ہی کانپ اٹھتی تھی — وہ جانتی تھی کہ یہ دنیا اُس کی دولت کے لئے اس کا پیچھا کرے گی۔

"میری بچی — ایک دن تمہیں پتہ چل جائے گا کہ سوائے دوسری دنیا کے حقیقی خوشی کہیں بھی نہیں ہے!" اُس نے مرنے سے پہلے یہ الفاظ کہے۔

ماں کی موت کے دوسرے ہی روز یوژینی کو ایسا محسوس ہوا کہ اس پرانے گھر سے انسیت کا ایک اور سبب پیدا ہو گیا۔ یہ گھر جہاں وہ پیدا ہوئی تھی اور جہاں ابھی تک پچھلے دنوں اس کی زندگی ایک مصیبت بن کر رہ گئی تھی، اب ماں کے مرنے سے یہ جگہ مقدس بن گئی۔ وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کے ساتھ کھڑکی کے پاس چھوٹے چھوٹے لکڑی کے تختوں پر رکھی ہوئی پرانی کرسی کو دیکھا کرتی جہاں اس کی ماں بیٹھتی تھی۔ اس کا باپ اتنی محبت اور شفقت سے پیش آتا اور اس کا اتنا خیال رکھتا کہ اسے ایسا معلوم ہونے لگا تھا کہ اب تک وہ اپنے باپ کو اچھی طرح سمجھی ہی نہ تھی۔ وہ روز صبح آکر اسے اپنے بازو کا سہارا دے کر ناشتے کے لئے نیچے کھانے کے کمرے میں لے جاتا اور گھنٹوں بیٹھا بڑے پیار سے اس کی جانب دیکھتا رہتا۔ اس کی نگاہوں میں ایک ایسے تفکر کی جھلک ہوتی جیسے سونا دیکھتے وقت اس کی آنکھوں میں آجایا کرتی تھی۔ بڈھا ٹین ساز اپنی بیٹی کے سامنے جاتے ہوئے لرزنے لگتا تھا۔ اور اس کی تمام حرکات اس درجہ غیر معمولی ہو کر رہ گئی تھیں کہ نانوں اور کروشو لوگ اس کی اس کمزوری پر تعجب کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ضعیفی کا تقاضا ہے اور بعض دفعہ تو انہیں یہ گمان ہوتا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہیں رہا۔ صرف موسیو کروشو ہی ایک شخص تھا جسے اپنے مؤکل کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ چنانچہ جس روز ان لوگوں نے سوگ بڑھایا اسے رات کے کھانے پر مدعو کیا گیا اور اس پر سب رازوں کا انکشاف کر دیا گیا۔ گراں دے میز پر سے چیزیں اٹھائے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر بڑی احتیاط سے دروازے بند کر کے بولا۔

"میری پیاری بچی۔ تم اپنی ماں کی سب جائداد کی وارثہ ہو اور اس سلسلے میں ہم دونوں کو چند چھوٹی چھوٹی باتوں کا فیصلہ کرنا ہے۔ کیوں موسیو کروشو۔ ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں"

"ابّا - کیا یہ اتنا ضروری ہے کہ آج ہی اس کا فیصلہ ہونا چاہیئے ؟"

"ہاں - ہاں - بیٹی میرے لیے اس معاملے کی طوالت ناقابلِ برداشت ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم میرے لیئے کسی قسم کی مشکلات پیدا نہیں کرو گی"

"اوہ ! ابّا ـــــــ"

"اچھا تو پھر آج رات ہی تصفیہ ہو جانا چاہیے"

"تو بتا یئے کیا کروں ؟"

"بیٹی، یہ کچھ میرے بتانے کی بات نہیں ہے - موسیو کروشو آپ اسے بتایئے"

"مادموازیل - آپ کے والد جائداد کو بیچنا یا اُس کا بٹوارہ کرنا نہیں چاہتے اور موجودہ رقم پر آپ کی وراثت کے سبب سے کسی قسم کا سخت ٹیکس ادا کرنا پسند کرتے ہیں - اس لیئے اس قسم کی پیچیدگیوں سے بچنے کا حل یہ ہے کہ کوئی نئی دستاویز تیار نہ کی جائے اور فی الحال ساری جائداد ایک ہی جگہ رہے ـــــــ"

"کروشو، امید ہے تم سوچ سمجھ کر بات کر رہے ہو - کیا ایک بچی کے لیئے یہ عجیب سی باتیں نہیں ہیں ؟"

"موسیو گرانڈ ے، مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ کہہ لینے دیجئے"

"اچھا، اچھا، میرے دوست، تم اور میری بیٹی مل کر مجھے تباہ تو کر دو گے نہیں کیوں میری ننھی، تم مجھے برباد تو نہ کرو گی ؟"

"لیکن موسیو کروشو مجھے کرنا کیا ہے ؟" یوژینی نے بے تاب ہو کر پوچھا -

"اچھا!" سرکاری وکیل نے کہا " آپ اس انتقالِ جائداد کی دستاویز پر دستخط

کر دیجئے جس کی رُو سے آپ اپنی والدہ کی جائداد سے دستبردار ہو جائیں گی۔ جائداد آپ کے لئے محفوظ رہے گی لیکن آپ کے والد اپنی زندگی تک اسے استعمال میں لا سکیں گے اور اس طرح بٹوارے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس کا ایک لفظ بھی میرے پلّے نہیں پڑا" یوژینی نے جواب دیا۔ "آپ مجھے دستاویز دیجئے اور بتائیے کہ کہاں دستخط کرنے ہیں۔"

گراں دے کبھی دستاویز کی طرف دیکھتا کبھی بیٹی کی طرف۔ اُس کی بے قراری کا یہ عالم تھا کہ اُس نے کئی بار اپنی پیشانی سے پسینے کے قطرے پونچھے۔

"میری بچی، بہتر ہوتا کہ تم اپنی پیاری ماں کی جائداد سے بالکل ہی دستبردار ہو جاتیں" وہ درمیان میں بول اٹھا "اس دستاویز کو رجسٹر کرانے میں کافی خرچ ہوگا۔ اپنا حق چھوڑ کر آئندہ کے لئے تم مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ میں تمہیں بہت سی رقم دے دیا کروں گا۔۔۔ سو فرانک ہر ماہ تمہیں مل جایا کریں گے۔ اور پھر تم گرجے میں جیسے دوسرے کرتے ہیں دعائیں بھی کروا سکتی ہو۔ تم جس کسی کے لئے چاہو دعا کروا سکو گی۔ ہوں! ہر مہینے ایک سو فرانک؟"

"ابّا، جس طرح آپ کہیں میں اُسی طرح کرنے کو تیار ہوں۔"

"مادموازیل" سرکاری وکیل نے کہا "یہ میرا فرض ہے کہ میں آپ کو آگاہ کر دوں کہ آپ بغیر کسی ضمانت کے اپنے آپ کو لٹوا رہی ہیں۔"

"اونہہ! خدا مالک ہے!" وہ بولی "اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"کروشو، تم چپ رہو۔ چلو اب تصفیہ ہو گیا۔ قطعی فیصلہ!" گراں دے اپنی بیٹی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا "یوژینی، اب تم اپنے الفاظ سے پھر تو نہیں جاؤ گی نا؟ تم بڑی اچھی لڑکی ہو ہے نا!"

"اوہ ابا ___"

خوشی سے گراں دے نے بیٹی کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور اس زور سے بھینچا کہ لوئزینی کا سانس رکنے لگا۔

"دیکھو بیٹی! تم نے اپنے باپ کو نئی زندگی بخشی ہے لیکن جو کچھ اس نے تمہیں دیا تھا وہی تم اسے واپس دے رہی ہو۔ اس لئے ہمارا تمہارا حساب برابر ہو گیا۔ کاروباری معاملات اسی طرح طے ہونے چاہئیں اور زندگی بھی تو ایک کاروباری سلسلہ ہے۔ جیتی رہو! تم بڑی اچھی لڑکی ہو اور واقعی اپنے بوڑھے باپ سے محبت کرتی ہو۔ اب تمہارا جو جی چاہے کرو۔ اچھا گروشو، خدا حافظ۔ کل پھر ملیں گے۔" اس نے حواس باختہ سرکاری وکیل کی طرف پلٹتے ہوئے آخری جملہ کہا "اب تم انتظام کر دینا کہ عدالت میں داخل کرنے کے لئے دستبرداری کی دستاویز مکمل ہو جائے۔"

دوسرے دن دوپہر تک کاغذات تیار ہو گئے تھے۔ اور لوئزینی اپنے ہاتھ سے دستخط کر کے اپنے سارے حقوق سے دستبردار ہو گئی۔ ایک سال بیت گیا لیکن بڈھے باپ نے اب تک اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور لوئزینی کو ماہانہ آمدنی سے جو سب کی سب اسی کی ہوتی، ایک پیسہ بھی نہ ملا۔ اور جب مذاق میں ایک دفعہ لوئزینی نے اس سے ذکر کیا تو وہ کافی شرمندہ ہوا اور جلدی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ لوٹا تو اپنے بھتیجے سے خریدے ہوئے زیوروں کا ایک تہائی حصہ لوئزینی کو دے دیا۔

"یہ لو! بیٹی" اس کی آواز میں طنز کا پہلو تھا "کیا تم اپنے بارہ سو فرانک کے بدلے میں یہ قبول کر لو گی؟"

"اوہ! ابا جان، کیا واقعی آپ یہ مجھے دے دیں گے؟"

"تمہیں اگلے سال پھر اتنا ہی اور مل جائے گا" اُس نے زیور یوشزینی کی گود میں پھینکتے ہوئے کہا "اور تھوڑے سے ہی عرصے میں اُس کے تمام زیورات تمہیں مل جائیں گے" اُس نے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے لقمہ دیا۔ بیٹی کی اِن زیوروں سے محبت کا بھلا ہو۔ گراں دے نے بڑا اچھا سودا کیا تھا اور اس لئے بڑا خوش تھا۔

اگرچہ بڈھا ابھی کافی تندرست اور توانا تھا لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ اُسے اپنی بیٹی کو اپنا رازدار بنانا پڑے گا تاکہ وہ سب کاروبار کا بندوبست کرنا سیکھ جائے۔ چنانچہ اس نظریئے کے تحت وہ سٹور سے کھانے پینے کی چیزیں دیتے وقت اُسے پاس کھڑا رکھتا اور دو سال سے وہ جنس کی صورت میں ادا کئے جانے والے کرائے بھی وصول کر رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اُسے کھیتوں اور انگوروں کی اراضی کے نام بھی یاد ہو گئے۔ گراں دے جب اپنے مزارعین کے پاس جاتا تو اُسے بھی ساتھ لے جاتا۔ چنانچہ تیسرے سال کے اختتام پر اُس نے محسوس کیا کہ یوشزینی کی ابتدائی واقفیت مکمل ہو چکی ہے۔ دراصل وہ باپ کے سب انداز و اطوار سیکھ گئی تھی اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا تو اب اُس کا معمول ہو گیا تھا۔ اب گراں دے کو اس پر کسی قسم کا شک وشبہ نہ رہا تھا۔ اس لئے گودام کی چابیاں اُسی کے حوالے کر دیں اور اس طرح وہ گھر کی مالکہ بن گئی۔

اس طرح پانچ سال گذر گئے اور کوئی واقعہ ایسا پیش نہ آیا جو ان کی زندگی کی یکسانیت میں خلل انداز ہوتا۔ یوشزینی اور اس کا باپ پرانی گھڑی کی طرح ہر کام مقررہ وقت پر کرتے اور اس طرح گھنٹے دنوں اور سالوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ یہ بات ہر ایک کو معلوم تھی کہ مادموازیل گراں دے کی زندگی میں کوئی گہرا غم پنہاں ہے۔ سوموریہ کا ہر طبقہ وار نتھا کی دلی حالت اور اس خفیہ رنج کے بارے میں مختلف خیالات رکھتا

تھا لیکن خود اس نے اس سلسلے میں کبھی کوئی ایسا لفظ اپنی زبان سے نہ نکالا جس سے کچھ سراغ ملتا۔

تینوں کروشو لوگ اور ان کے کچھ دوست گھر میں آتے جاتے رہتے تھے۔ اور ان کے علاوہ یوژینی کسی سے بھی نہ ملتی تھی۔ انہی سے سیکھ کر یوژینی نے تاش کھیلنے میں بڑی مہارت پیدا کر لی تھی۔ اور اس کھیل کے لئے وہ تقریباً ہر شام اس کے یہاں آ پہنچتے تھے۔ سن ۱۸۲۷ء میں اس کے باپ کو بڑھاپے کی نقاہت محسوس ہونے لگی۔ لہٰذا گراں دے کو اسے اپنے اور بھی راز بتانے پڑے۔ اب اسے پوری طرح معلوم ہو گیا تھا کہ باپ کے پاس جائداد کتنی ہے اور جہاں کوئی دقت پیش آتی وہ باپ کے کہنے پر سرکاری وکیل کروشو سے مشورہ کر لیتی، کیونکہ اس کی دیانت پر گراں دے کو پورا اعتماد تھا۔ اس وقت گراں دے کی عمر بیاسی سال کی ہو چکی تھی اور اسی سال کے آخر میں اس پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ پھر سنبھل نہ سکا۔ موسیو برژائن نے بھی امید چھوڑ دی تھی اور یوژینی نے محسوس کیا کہ بہت جلد وہ تنہا رہ جائے گی۔ اس خیال نے اسے باپ کے نزدیک کر دیا۔ اس کی زندگی میں محبت کی یہ آخری کڑی تھی جو اسے ایک دوسری ہستی سے وابستہ کئے ہوئے تھی۔ محبت اس کی کل کائنات تھی جیسے ہر محبت کرنے والی عورت کے لئے ہوتی ہے اور شارل تو اس کی دنیا سے دور جا چکا تھا۔ وہ بڑی تندہی سے باپ کی تیمارداری کرتی۔ بڈھے کی یادداشت کمزور پڑ چکی تھی لیکن روپے کی ہوس جبلت بن کے رہ گئی تھی جو اس کی دوسری صلاحیتوں کے مر جانے کے بعد بھی زندہ تھی۔

گراں دے کی موت بھی کچھ اس طرح واقع ہوئی جیسی اس کی زندگی تھی۔ موت

آہستہ آہستہ نزدیک آ رہی تھی۔ اُس زمانے میں وہ روز صبح اپنی پہیوں والی کرسی گھماتا ہُوا آتشدان کے قریب لے جاتا، جہاں سے اس کی الماری کا دروازہ عین اُس کے سامنے ہوتا۔ دروازے کی دوسری طرف اُس کے سونے کا خزانہ تھا۔ وہ خاموش اور بے حس و حرکت یونہی بیٹھا رہتا لیکن اگر کوئی کمرے میں داخل ہوتا تو وہ بڑی بے چینی سے آنے والے کی طرف دیکھتا اور پھر دروازے پر چڑھی ہوئی موٹی لوہے کی چادر پر اُس کی نظر جم جاتی۔ چاہے آواز کتنی ہی مدھم ہوتی۔ گراں دے فوراً اُس کے بارے میں پوچھتا۔ اور جب بڑے مکان کے پچھلے صحن میں کھونٹے ہوئے کُتّے کی بھی آواز سُن لیتا تو سرکاری وکیل حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ جن دنوں کرایہ وصول کرنا یا انگور والوں کے مزارعوں سے حساب کتاب چکانا ہوتا یا رسیدیں دینے کا موقع آتا تو گراں دے عین وقت پر اپنی بے ہوشی سے چونک پڑتا۔ وہ اپنی پہیوں والی کرسی گھما کر الماری کے دروازے کی جانب موڑ لیتا۔ اپنی بیٹی کو بلا کر اسے کھلواتا اور پیسوں کی تھیلیوں کو بڑی صفائی کے ساتھ اُس میں رکھ دینے کو کہتا۔ جب تک وہ سب تھیلیاں اندر رکھ کے دروازے کو تالا نہ لگا لیتی، گراں دے اُسے دیکھتا رہتا اور جب یوژینی چابی اُس کے ہاتھ میں دے دیتی تو وہ پھر کرسی آہستگی سے موڑتا اور پرانی جگہ پر پہنچ جاتا۔ وہ چابی کو واسکٹ کی جیب میں رکھتا اور وقتاً فوقتاً اسے ٹٹول کر اطمینان کر لیتا۔

اُس کے دوست سرکاری وکیل کو یقین تھا کہ اب چند دن کی بات ہے۔ پھر یوژینی کو مجبوراً میرے بھتیجے مجسٹریٹ سے ہی شادی کرنا پڑے گی، بشرطیکہ شارل گراں دے لوٹ نہ آئے۔ چنانچہ اُس نے اپنی توجہات میں اضافہ کر دیا۔ وہ ہر روز گراں دے سے ہدایات لینے آتا اور اُس کے کہنے پر فروا فوں، باغ اور چراگاہ

کے چکر لگاتا۔ انگوروں کی فصل بیچتا اور جو رقم ملتی وہ اُسے سنہری سکوں میں تبدیل کرا کے لا دیتا جن کی تھیلیاں بڑے خفیہ طریقے سے الماری میں لگی ہوئی تھیلیوں کے ڈھیر پہ جا دی جاتیں۔

آخر کار موت آ پہنچی اور انگوروں کے کاشتکار کا مضبوط جسم موت کے فرشتے کے ساتھ کشمکش میں اُلجھ کر رہ گیا۔ ان دنوں بھی وہ معمول کے مطابق آگ کے قریب الماری کی سمت منہ کئے بیٹھا رہتا۔ جو کمبل اُس کے گرد لپیٹ دیئے جاتے تھے وہ اُنہیں کھینچ کر اُتار لیتا۔ اور انہیں نہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نا نوں سے کہتا "تالہ لگاؤ، تالہ لگاؤ ورنہ لوگ مجھے لوٹ لیں گے۔"

جب تک اُس میں آنکھیں کھولنے کی سکت رہی وہ بار بار نگاہیں کمرے کے دروازے کی طرف پھیرتا جہاں اُس کا خزانہ رکھا ہوا تھا۔ ابھی اس کی آنکھوں میں زندگی کی تھوڑی سی چمک باقی تھی وہ اپنی بیٹی سے بہت ڈری اور لرزتی ہوئی آواز میں کہتا:۔

"وہ سب وہاں ہیں نا؟"

"ہاں! ابا جان۔"

"سونے کا خیال رکھنا! ..... لاؤ مجھے سونا دکھاؤ۔"

یوتریتی اس کے سامنے میز پہ سنہری سکے بکھیر دیتی اور وہ گھنٹوں اُن پر نظریں گاڑے بیٹھا رہتا۔ وہ پلکیں تک نہ جھپکاتا تھا اور اُس کی حالت ایسے بچے کی سی معلوم ہوتی جس نے پہلی بار دیکھنا شروع کیا ہو اور بعض وقت ایک خفیف سی طفلانہ مسکراہٹ اُس کے چہرے پر پھیل جاتی جسے دیکھ کر بے حد تکلیف ہوتی تھی۔ •

"اب مجھے تسلی ہوئی ہے"۔ وہ کئی بار بڑبڑاتا اور پھر اس کا چہرہ پُرسکون ہو جاتا۔

جب پادری چند دینی رسومات ادا کرنے آیا تو کنجوس کی آنکھوں میں زندگی کی کوئی علامت باقی نہ رہی تھی۔ لیکن جب موم بتیوں کی روشنی میں چاندی کی صلیب اور چاندی کے پیالے میں متبرک پانی اس کے سامنے رکھا گیا تو کئی گھنٹوں کے بعد اس کی آنکھوں میں پھر چمک آ گئی۔ اُس کی نظریں قیمتی دھات پر جم کے رہ گئیں اور اُس کا مسّہ آخری بار کسمسایا۔

جونہی پادری نے ملمع چڑھی ہوئی صلیب اُس کے اُوپر اُٹھائی تاکہ حضرت عیسیٰ کی تصویر اُس کے ہونٹوں سے لگ جائے تو گراں دے نے اُسے پکڑ لینے کی ایک خوفناک کوشش کی۔ اس آخری کوشش نے اُس کی جان لی۔ اُس نے یوژینی کو آواز دی جو کچھ نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ گھٹنوں کے بل ایک طرف جھکی اُس کے سرد ہوتے ہوئے ہاتھ کو آنسوؤں سے بھگو رہی تھی۔

"ابّا۔ مجھے دُعا دیجئے" وہ گڑگڑائی۔

"بہت محتاط رہنا!" گراں دے نے کہا "ایک دن تمہیں مجھے ان سب چیزوں کا حساب دینا ہوگا"۔ آخری جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنجوس آدمی کو عیسائی مذہب ہی اختیار کرنا چاہیئے۔

چنانچہ یوژینی گراں دے اب دنیا میں یکہ و تنہا تھی۔ اور اُس کا گھر ویران ہو کر رہ گیا تھا۔ سوائے ناتوں کے کوئی بھی نہ تھا جسے وہ اپنا دکھڑا سناتی۔ کسی کی نگاہوں میں اُسے اپنے لئے ہمدردی کی جھلک نہ دکھائی دیتی تھی۔ صرف ایک ناتوں تھی جو اُسے کسی لالچ کے بغیر چاہتی تھی۔ یوژینی کے لئے ناتوں ایک رحمت تھی۔ وہ خادمہ

نہیں رہی تھی بلکہ اُس کی مخلص دوست بن گئی تھی۔

موسیو کر وشو نے یوژینی کو بتایا کہ سومور اور اُس کے گرد و نواح کی جائداد کی سالانہ آمدنی تین لاکھ لیور ہے۔ اس کے علاوہ ساٹھ لاکھ کی رقم تین فیصدی کے حساب سے جمع کی ہوئی تھی (یہ پیسہ اس وقت جمع کرایا گیا تھا جب سرکاری قرضے کی قیمت ساٹھ فرانک تھی اور آجکل اُن کی قیمت ستّر فرانک تھی)، دو لاکھ سونے کی شکل میں موجود تھے اور اس کے علاوہ ایک لاکھ فرانک کے لگ بھگ چاندی تھی۔ پھر جو لگان ابھی تک وصول نہ ہُوا تھا وہ الگ رہا۔ چنانچہ سب مل ملا کے اُس کی جائداد تقریباً ایک کروڑ ستّر لاکھ فرانک کی تھی۔

"نہ جانے میرا چچا زاد بھائی کہاں ہو گا؟" وہ دل میں سوچا کرتی۔

ایک روز موسیو کروشیو نے اپنی نئی مؤکل کے سامنے سارا حساب پیش کر دیا اور اُسے بتایا کہ اُس کی جائداد پر کسی قسم کا قرضہ نہیں ہے۔ اُس دن یوژینی نانوں سمیت آتشدان کے پاس نشستگاہ میں بیٹھی تھی جو اس وقت خالی خالی اور ساتھ ہی یادوں سے معمور لگ رہی تھی۔ ماں کی لکڑی کے تختوں پر رکھی ہوئی کرسی سے لے کر شیشے کے گلاس تک جس میں ایک دفعہ اُس کے چچا زاد بھائی نے پانی پیا تھا ہر چیز بیتی باتیں یاد دلا رہی تھی۔

"نانوں، میں اور تم اب تنہا رہ گئے ہیں"

"ہاں، بی بی، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ خوبصورت بھائی کہاں ہیں تو پیدل چل کر انہیں ڈھونڈ لاتی"

"ہمارے اور اُن کے درمیان سمندر حائل ہے" یوژینی بولی۔

جس وقت یہ بے چاری اکیلی وارثہ اپنی پرانی فرمانبردار خادمہ کے ساتھ سرد ویران اندھیرے گھر میں جو اس کے لئے کل کائنات تھا بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اُس وقت اورلیاں سے لے کر نانت تک، لوگوں میں مادموازیل گراں دے اور اس کے ایک کروڑ ستر لاکھ فرانک کا ہی چرچا ہو رہا تھا۔ لیوژینی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نانوں کی بارہ سو فرانک پنشن مقرر کر دی۔ نانوں کے پاس چھ سو فرانک اپنے جمع کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اب تو لوگ اس سے شادی کرنے کو ٹوٹ پڑے۔ مہینے بھر کے اندر ہی کارنوآیئے کی منت سماجت سے پسیج کر نانوں نے اس سے شادی کر لی۔ مادموازیل گراں دے نے اُسے ترقی دے کر اپنا کارندہ بنا لیا۔ مادام کارنوآیئے کو اپنی ہم عمر عورتوں پر بڑی فوقیت حاصل تھی۔ اس کے بھدے چہرے پر وقت کا زیادہ اثر نہ پڑا تھا۔ اس لئے بہت سی خوبصورت عورتوں سے اچھی لگتی تھی۔ اس وقت اُس کی عمر انسٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ لیکن دیکھنے میں چالیس برس سے زیادہ کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اور یہ سب راہبانہ باقاعدگی کا نتیجہ تھا کہ اُس کی صحت اور رنگت اتنی اچھی تھی۔ شاید وہ زندگی میں پہلے کبھی اتنی خوبصورت دکھائی نہ دی تھی جتنی شادی کے روز لگ رہی تھی۔ اُس کا بدصورت ہونا اس وقت اُس کے حق میں نعمت ثابت ہوا۔ وہ لمبی تڑنگی، تندرست اور خوب مضبوط تھی، اور اُس کے چہرے سے خوش مزاجی ٹپک رہی تھی۔ بہت سے دیکھنے والے اس وقت کارنوآیئے کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔

"بھئی۔ بڑی پائدار چیز ہے۔" بزاز بولا۔

"اس سے اب بھی اولاد ہو سکتی ہے۔" نمک فروش نے کہا "ابھی تک خوب ہٹی کٹی

ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ شوکیس میں رکھا ہو۔"

"یہ بڑی امیر ہے۔ کارنوائیے کی تو قسمت جاگ اُٹھی"۔ ایک دوسرا ہمسایہ بولا۔

جب نانوں گرجا گھر جاتے ہوئے پرانے مکان سے نکل کر ٹیڑھی گلی میں سے گزری تو راستے بھر مبارک سلامت ہوتی رہی۔ نانوں اپنے پڑوسیوں میں بڑی ہردلعزیز تھی۔ یوژینی نے شادی پر اُسے تین درجن چمچے اور کانٹے تحفے میں دیئے۔ کارنوائیے پر مالکہ کی سخاوت کا اس درجے اثر ہوا کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور اُس نے سوچا کہ ایسی مالکہ کے لئے میں جان پر کھیل جانے سے بھی دریغ نہ کرونگا۔ مادام کارنوائیے اب یوژینی کی خاص معتبر ملازمہ تھی۔ صرف یہی نہیں کہ اُس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اب خاوند والی تھی بلکہ اُس کا وقار بہت بڑھ گیا تھا اور اُس کی خوشی دوچند ہو گئی تھی۔ آخر اب، وہ گودام کی نگراں تھی اور چابیوں کا گچھا اُسی کے پاس رہتا تھا۔ وہ کھانے پینے کا سامان اُسی طرح دیا کرتی جس طرح اُس کا مرحوم مالک نکلوایا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اب دو نوکر اس کے ماتحت کام کرتے تھے۔ یعنی ایک باورچی اور دوسری ایک خادمہ جو گھر کے کپڑوں کا خیال رکھتی اور مادموازیل گراں دے کے لباس تیار کرتی۔ جہاں تک کارنوائیے کا تعلق تھا وہ جنگلات کا محافظ تھا اور ساتھ ساتھ باورچی خانے کے داروغے کی خدمات بھی انجام دیتا تھا۔ یہ بتانے کی تو ضرورت نہیں کہ نانوں کے پسند کردہ باورچی اور خادمہ بہترین ملازم تھے۔ ملازمین کو اپنے پچھلے آقا کے مرنے کا کوئی احساس ہی نہ ہو سکا کیونکہ وہ سخت ترین تربیت حاصل کر چکے تھے اور موسیو اور مادام کارنوائیے کا دور پرانے دور سے کسی حالت میں بھی کم نہ تھا۔

یوژ ینی اب تیس سال کی عورت ہو چکی تھی لیکن اب تک اُس نے زندگی میں کوئی خوشی نہ دیکھی تھی۔ اُس کا بچپن بھی عجب یکسانیت اور افسردگی میں گذرا تھا۔ اُس کی ہر وقت کی ساتھی اُس کی ماں ہی تھی جس نے اپنی حساس طبیعت کے باعث اس سخت قسم کی زندگی میں تکلیفوں کے سوا اور کچھ بھی تو نہ پایا تھا۔ اُس ماں نے نہایت خوشی کے ساتھ موت کو لبیک کہا تھا۔ اور مرتے وقت اُسے بیٹی پر رحم آ رہا تھا کہ اسے ابھی اس دُنیا میں گذر کرنا ہوگی۔ یوژ ینی کو ہر لمحے ماں کی غیر موجودگی کا احساس ہوتا رہتا تھا۔ لیکن ماں کی یاد کے ساتھ کسی قسم کی ندامت یا پشیمانی شامل نہ تھی۔

محبت جو اُس کی زندگی میں پہلی اور آخری بار داخل ہوئی تھی یوژ ینی کے لئے ایک نئے غم کا پیش خیمہ بن گئی تھی۔ اُس نے اپنے محبوب کے ساتھ چند مختصر سے دن گذارے تھے۔ چوری چھپے کے دو بوسوں کے عوض اُس نے اپنا دل اُس کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ اُس سے جدا ہو گئی اور اُن کے درمیان دنیا بھر کے سمندر اور خشکیاں حائل ہو گئیں۔ اس کے باپ نے اس کی محبت کو بد دُعا دی تھی اور اسی محبت کی بدولت اُس کی ماں کی جان گئی تھی۔ اور اُسے غم، تکلیف اور چند موہوم امیدوں کے سوا اور کچھ بھی نہ ملا تھا۔ اُس نے مسرت کی تلاش میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دی تھیں۔ لیکن اب اُس کی محبت نے جواب دے دیا تھا۔ اور اسے کہیں سے بھی سہارا نہ ملا تھا۔

ہماری رُوح صرف اسی طرح زندہ رہ سکتی ہے کہ ہم اوروں کو کچھ دیں اور اُن سے کچھ لیں۔ ہمیں ایک دوسری روح کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سے ہمیں جو کچھ ملتا

ہے ہم اُسے اپنا لیتے ہیں اور اُس سے کہیں زیادہ کر کے لوٹاتے ہیں۔ ہماری روحانی زندگی کے لئے یہ عمل اتنا ہی ضروری ہے جتنا مادی جسم کو زندہ رکھنے کے لئے سانس کا آنا جانا۔ اس چیز کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ ہوا نہ ہو تو دل گھُٹنے لگتا ہے اور اس کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے۔ یوتزینی کو بھی اسی قسم کی مصیبت درپیش تھی۔ اپنی امارت سے اُسے کوئی سُکھ نہ ملا۔ دولت اُس کے لئے کچھ بھی تو نہ کر سکتی تھی۔ اُس کی محبت، اُس کی دینداری اور مستقبل پر اُس کے یقین میں اُس کی ساری زندگی سمائی ہوئی تھی۔ محبت اُسے سکھا رہی تھی کہ حیاتِ ابدی کیا چیز ہے۔ اُس کا اپنا دل اور مذہبی تعلیم اُسے آنے والی زندگی کا سندیسہ سناتے۔ یعنی یہ کہ زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اور محبت بھی کچھ کم ابدی چیز نہیں۔ دن رات وہ انہیں دو کبھی نہ ختم ہونے والے سوالوں میں اُلجھی رہتی۔ شاید یہ دونوں سوالات اُس کی نظر میں ایک ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ اپنے آپ میں جذب ہوتی چلی گئی۔ وہ محبت کرتی تھی اور اُسے کچھ یقین سا تھا کہ اُسے بھی چاہا جا رہا ہے۔

سات سال تک وہ اپنی اس دل سوز محبت میں کھوئی رہی۔

اُسے اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی لاکھوں کی جائداد جو ہر سال بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی قطعی عزیز نہ تھی۔ بلکہ اُس کا کُل خزانہ تو وہ دو تصویریں تھیں جو اُس کے پلنگ کے پاس ٹنگی ہوئی تھیں۔ پھر شارل کا وہ چمڑے کا سنگار دان تھا اور وہ جواہرات جو اُس کے باپ نے خریدے تھے۔ ان کو اب اُس نے بڑے فخر سے روئی میں لپیٹ کر لکڑی کے صندوق کی دراز میں رکھ دیا تھا۔ ان کے علاوہ اس کی چچی کا وہ انگشتانہ تھا جسے مادام گرانڈے نے استعمال کیا تھا۔ ہر روز یوتزینی کڑھائی

لے بیٹھتی۔ یہ کام وہ محض اس لئے شروع کرتی کہ سونے کا انگشتانہ پہن سکے جو بہت سی یادیں وابستہ ہونے کے باعث اُسے بہت پیارا تھا۔

مادموازیل گراں دے ابھی تک ماتمی لباس پہنتی تھی۔ اس لئے اُس کی شادی کا تو سوال پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ اُس کی سچی عبادت گذاری کا حال سب پر روشن تھا۔ چنانچہ کرو شو خاندان کے لوگ اب بڈھے پادری کے کہنے پر وارثہ کی خاطر داری میں لگے رہتے۔ یوژینی کے کھانے کا کمرہ ہر شام ان عقیدت مند کروشو لوگوں سے بھر جاتا جو گھر کی مالکہ کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے۔ یہ لوگ ہر حیثیت سے اُس کی خدمت کرنے کو تیار رہتے۔ یوژینی کو ایک طبیب خاص مل گیا تھا، ایک مدارالمہام، ایک داروغہ، ایک وزیر اعظم، اور اوپر سے ایک مخبر جو اسے ہر بات کی اطلاع پہنچاتا رہتا تھا۔ اگر وہ ان لوگوں سے اپنے جوتے اٹھوانا چاہتی تو وہ اس کے لئے بھی تیار رہتے۔ دراصل اُس کی حیثیت ایک ملکہ کی سی تھی بلکہ ملکہ کی بھی کسی نے اس درجہ خوشامد نہ کی ہوگی۔ بلند نظر آدمی کبھی کسی کی خوشامد نہیں کرتا۔ یہ تو کم ظرف لوگوں کا ہی شیوہ ہے کہ بڑے لوگوں کے دل میں راہ کرنے کے لئے اپنے کو اتنا ذلیل کرلیں۔ خوشامد کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی کو کوئی فائدہ حاصل کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ جو لوگ ہر شام آکر مادموازیل گراں دے کی نشستگاہ میں بیٹھتے (وہ آپس میں اب اُسے مادموازیل دے فروافوں کہتے)۔ وہ نئے نئے انداز میں اپنی میزبان کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے۔ یہ قصیدہ گوئی شروع شروع میں تو ضرور یوژینی کو ناگوار معلوم ہوئی لیکن یہ خوشامد کتنی ہی بھونڈی کیوں نہ سہی۔ اب وہ اپنے حسن کی تعریفوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اگر کوئی نیا آدمی اُسے معمولی شکل وصورت کی بتاتا تو یہ تنقید اسے اتنی زہر لگتی جتنی آٹھ سال پہلے بھی نہ لگی

ہوتی۔ بالآخر اُسے اُن کی یہ مدح خوانی پسند آنے لگی۔ یہ سب تعریفیں وہ اپنے دل ہی دل میں اپنے دیوتا کے قدموں پر نچھاور کر دیا کرتی اور اس طرح آہستہ آہستہ اُس نے اپنے مرتبے کو بھی تسلیم کر لیا اور یہ بھی مان گئی کہ اسے ملکہ سمجھا جائے۔ چنانچہ روز شام کو اس کا دربار لگنے لگا۔

موسیو دیوں فوں اس حلقے کا ہیرو تھا۔ وہ اس کی تعریفیں کرتے، اُسکی صلاحیتوں کے راگ الاپتے، صورت کے گن گاتے۔ تعلیم، لیاقت اور مزاج کی لطافت پر زوردار لفظوں میں تبصرہ کرتے اور اُس کی تعریفوں کا سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہ آتا۔ پھر اُن میں سے کوئی یہ ذکر چھیڑ دیتا کہ پچھلے سات سالوں میں مجسٹریٹ نے اپنی جائداد میں بہت اضافہ کر لیا ہے۔ اب دیوں فوں کی سالانہ آمدنی کم از کم دس ہزار فرانک تھی اور اُس کی جائداد کروشو خاندان کی تمام اراضی کی طرح دارشہ کی وسیع جاگیر کے قریب ہی واقع تھی۔

"مادموازیل، آپ کو پتہ ہے" دوسرا درباری بول اٹھتا کہ کروشو لوگوں کو چالیس ہزار لیورسالانہ ملتے ہیں۔"

"اور پھر یہ لوگ روپے جمع بھی کرتے جا رہے ہیں" مادموازیل دگریو کو رہتی جو کروشو لوگوں کی ایک پرانی دوست تھی۔ "پچھلے دنوں ایک آدمی پیرس سے انہیں وکالت کے سلسلہ میں دولاکھ فرانک کی پیش کش کرنے آیا تھا۔ اگر انہیں وہاں جج کی جگہ مل جائے تو یہ پیش کش انہیں ضرور قبول کر لینی چاہئے۔"

"وہ شخص موسیو دیوں فوں کی جگہ مجسٹریٹ بننا چاہتا ہے اور اسی لئے وہ یہ سب جتن کر رہا ہے" مادام دورسوں وال بولی "پہلے یہ کونسلر بنیں گے اور پھر

عدالت کے صدر مقرر کر دیئے جائیں گے یہ اتنے لائق فائق آدمی ہیں کہ اُن کی کامیابی یقینی ہے"

"واقعی کیپی اور نے کہا " یہ بڑے غضب کے آدمی ہیں۔ کیوں مادموازیل، آپکا کیا خیال ہے"

مجسٹریٹ بھی اپنا رول نبھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی عمر چالیس سال تھی۔ رنگت کالی اور چہرہ بہت بدوضع تھا، جس پر بہت سی جھریاں پڑی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ یہ بات اُس کے ہم پیشہ لوگوں میں اکثر دیکھنے میں آتی ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو نوجوان ظاہر کرتا تھا۔ وہ گہرے کتھئی رنگ کی چھڑی بغل میں دبائے رکھتا۔ پھر مادموازیل گراں دسے کے گھر میں نسوار سونگھنے سے بھی پرہیز کرتا۔ اُس کے ہاں وہ ہمیشہ سفید گلوبند لگائے اور سفید جالیدار قمیض پہن کر جاتا، جس سے وہ اچھا خاصا فیل مرغ معلوم ہونے لگتا۔ وہ اس خوبصورت وارثہ کو "ہماری پیاری یوژینی" کہہ کر پکارتا اور ایسی باتیں کرتا جیسے اس خاندان کا بہت بے تکلف دوست ہے۔ دراصل یہ منظر کچھ اُسی قسم کا تھا جس سے ہماری کہانی کا آغاز ہوا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ لوگوں کی تعداد اب کچھ زیادہ ہو گئی تھی۔ لوڈو کی جگہ وسٹ نے لے لی تھی اور موسیو اور مادام گراں دسے موجود نہ تھے۔

یہ گروہ ابھی تک یوژینی کی دولت کے پیچھے پڑا تھا اب اس گروہ کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی۔ اور اب وہ شکار کو زیادہ باقاعدگی کے ساتھ پھانسنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اگر اس وقت شارل دور دراز انڈیز سے آ پہنچتا تو اُسے وہی پرانے لوگ اور

اُسی قسم کی ذہنیتیں مصروفِ کار نظر آتیں۔ مادام دستے گراسیں کے لئے یوژینی کے دل میں سوائے رحم اور ہمدردی کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ کردشو لوگوں کو دِق کرنے کے لئے ابھی تنگ دہیں تھی۔ اِن گہرے بادلوں کے بیچ میں یوژینی کا چہرہ اب بھی چمک اٹھتا تھا اور شارل نظروں سے دُور سہی لیکن اُس کے دل میں اب بھی براجمان تھا۔

بہرحال بات کچھ آگے ضرور بڑھی تھی۔ یوژینی کی سالگرہ پر پھولوں کا گلدستہ پیش کرنا مجسٹریٹ کو کبھی نہ بھولتا تھا۔ بلکہ اب تو وہ ہر روز شام کو وارثہ کی خدمت میں ایک بہت بڑا اور نہایت نفیس گلدستہ لے کر حاضر ہوا کرتا تھا۔ مادموازیل کا رنوائے محض دکھاوے کے لئے اس پیش کش کو پھولدان میں ڈال لیتی لیکن جونہی مہمان رخصت ہوتے وہ جلدی سے انہیں نکال کر پھینک دیتی۔

موسم بہار کے شروع میں مادام دستے گراسیں نے ایک نئی چال چلی اور کردشو لوگوں کی خوشی میں کھنڈت ڈالنے کی کوشش کی۔ اُس نے یوژینی سے مارکوئیس دے فروافوں کا ذکر چھیڑا جس کی حالت اب بھی سدھر سکتی تھی بشرطیکہ وارثہ اُس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے اُس کی جاگیر اُس کے حوالے کر دے۔ مادام دستے گراسیں نے مارکوئیس اور اُس کے خطاب کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا ڈالے۔ اور یوژینی کی خاموش مسکراہٹ کا مطلب اثبات میں لیتے ہوئے اُس نے اِدھر اُدھر کہنا شروع کر دیا کہ مجسٹریٹ کردشو کی شادی والی بات کچھ ایسی پکی نہیں ہے جیسی لوگوں نے مشہور کر رکھی ہے۔

"موسیو دفروافوں کی عمر پچاس سال کی ہو گی" وہ بولی "لیکن وہ موسیو کردشو کی عمر کے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی بیوی مر چکی ہے اور اُن کے

سپچے بھی ہیں لیکن وہ مارکوئیس ہیں۔ اور پھر آجکل میں ہی وہ فرانس کے اعلیٰ رئیسوں میں شمار کئے جانے لگیں گے۔ اس لحاظ سے یہ رشتہ کچھ ایسا بُرا نہ رہے گا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جب بوڑھے گراں وسے نے اپنی جائداد کو فروآفوں کی زمین میں ملایا تھا تو اُن کا ارادہ یہی تھا کہ تمہارا رشتہ انہی کے ساتھ ہو جائے۔ انہوں نے مجھ سے بھی اس بات کا ذکر کیا تھا۔ اجی! وہ گراں وسے بہت ہی عقلمند اور دُور اندیش تھے۔"

"آہ، ناآنوں"۔ یوژینی نے ایک رات بستر پر سونے کے لئے لیٹتے ہوئے کہا "سات سال گذر گئے۔ انہوں نے مجھے ایک دفعہ بھی خط نہیں لکھا۔ یہ کیا بات ہے؟"

جس وقت سومور میں یہ واقعات پیش آرہے تھے اُس وقت شارل ایسٹ انڈیز میں دولت کمانے میں مصروف تھا۔ اُس کی پہلی مہم بڑی کامیاب رہی تھی۔ اس میں اُس نے جلد ہی چھ ہزار ڈالر کما لئے۔ اپنے ملک کی سرحد پار کر لینے کے بعد اُس کے سب پُرانے تعصبات ختم ہو گئے تھے اور بہت جلد اُس نے دیکھ لیا کہ پیسہ کمانے کا طریقہ ان ملکوں میں بھی وہی ہے جو یورپ میں تھا —— یعنی لوگوں کی خرید و فروخت کا بیوپار۔ وہ افریقہ کے ساحلی علاقوں میں پہنچا اور کچھ حبشی اور ایسا سامان خریدا جس کی دوسرے بازاروں میں مانگ تھی۔ اُس نے اپنی اس تجارت میں تن من دھن کی بازی لگا دی اور اس کے علاوہ اور کوئی خیال اُس کے ذہن میں باقی نہ رہا۔ اُس کا تو صرف یہی مطمحِ نظر تھا کہ وہ پیرس میں اس شان سے داخل ہو کہ وہاں کی دنیا اُس کی دولت دیکھ کر دنگ رہ جائے اور جس رُتبے سے وہ گرا تھا اُس سے بھی بلند درجہ حاصل کر لے۔

مختلف قسم کے لوگوں سے سابقہ پڑنے، بہت سے ملکوں کا سفر کرنے اور طرح

طرح کے رسم و رواج اور مذاہب سے دوچار ہونے پر اُس کے اپنے عقائد کمزور پڑ گئے تھے اور وہ دہریت کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ جس عمل کو ایک ملک میں جُرم گردانا جاتا ہے اُسی کو دوسرے ملک والے قابلِ ستائش خیال کرتے ہیں تو نیکی اور بدی کے متعلق اُس کے تصوّرات کمزور پڑ گئے۔ اُس نے سمجھ لیا کہ ہر ایک اپنی جان کے لئے محنت کرتا ہے اور بے غرضی کی صفت بہت ہی کم دیکھنے میں آتی ہے اور اِس طرح وہ بھی بڑا خود غرض اور تنگ طبیعت کا بن کر رہ گیا۔ گراں دے سے خاندان کی ورثے میں ملی ہوئی تمام کمزوریاں اُس میں اُجاگر ہو گئیں۔ سخت گیری، چالبازی اور فائدے کے لالچ نے اُس کی طبیعت میں گھر کر لیا۔ چینی تلی حبشی غلام، چڑیوں کے گھونسلے، بچے، فنکار غرضکہ ہر چیز جس سے پیسہ مل سکے وہ اُسے بیچ ڈالتا تھا۔ اُس نے بہت زیادہ سُود پر پیسے قرض دینے کا دھندا بھی شروع کر دیا۔ پھر بندرگاہ پر محصول لینے والوں کو طرح طرح سے چکمہ دینے کی عادت نے اُسے دوسرے معاملات میں بھی نڈر بنا دیا۔ وہ سینٹ ٹامس جاتا اور وہاں بحری قزاقوں سے سستے داموں چیزیں خرید کر مہنگے سے مہنگے داموں اُنہیں بیچ ڈالتا تھا۔

پہلے بحری سفر کے دوران میں یوژینی کا معصوم اور پُر وقار چہرہ لوئی اُس کے ساتھ ساتھ رہا جیسے کہ سپین کے جہاز ران اپنی کشتیوں میں سامنے کی طرف کنواری مریم کی تصویر لٹکا لیا کرتے تھے۔ شارل نے اپنی پہلی کامیابی کا سبب یوژینی کی دعاؤں کو ہی سمجھا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا دوسرے ممالک کی رنگ برنگی عورتوں اور طرح طرح کے واقعات نے اُس کے دل سے اُس کی چچا زاد بہن کا خیال بالکل مٹا دیا۔ یہاں تک کہ سومور، وہاں کا پُرانا گھر، بنچ اور ڈیوڑھی والا بوسہ، یہ سب چیزیں

اُس کے ذہن سے اُتر گئیں اُسے محض اتنا یاد رہا تھا کہ اُس چھوٹے سے باغ میں جو شکستہ دیواروں سے گھرا ہوا تھا اُس کو پہلی بار اپنی بدنصیبی کا علم ہوا تھا۔ اس کا اپنے خاندان سے اب اور کسی قسم کا واسطہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا۔ اُس کا چچا ایک بڈھا مکار تھا جس نے اُس کے جواہرات چُرا لئے تھے۔ بوتزینی کے لئے اُس کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ اُس کا تو اسے کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔ لیکن بہی کھاتے میں چھ ہزار فرانک کے قرض خواہ کی حیثیت سے ایک صفحے پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا۔

چنانچہ ان طور طریقوں اور ان خیالات سے شارل گراں دسے کی خاموشی کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ایسٹ انڈیز، سینٹ ٹامس، افریقہ کے سواحل، لسبن اور ریاستہائے متحدہ میں تاجر شارل گراں دسے کارل سیفرڈ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ فرضی نام اُس نے یوں رکھ لیا تھا کہ اصلی نام پر حرف نہ آئے۔

کارل سیفرڈ بڑا محنتی اور بالکل غیر محتاط تھا۔ اپنے فائدے کے سامنے وہ کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ غرضکہ اُس کی مثال ایسے آدمی کی سی تھی جو ہر مناسب اور غیر مناسب طریقے سے روپیہ جمع کرنے کی کوشش میں مصروف رہے اور پھر یہ چاہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس مکاری سے پیچھا چھڑا کر باقی زندگی اطمینان اور عزت کے ساتھ بسر کرے۔

اس قسم کے کاروبار میں بہت جلد شاندار کامیابی ہونا لازمی تھی۔ چنانچہ ۱۸۲۷ء میں وہ بورڈو واپس آ گیا۔ اُس نے ایک نہایت شاندار ماری کارولین نامی جہاز پر سفر کیا تھا جو کسی شاہی کمپنی کی ملکیت تھا۔ اُس کے پاس اُنیس لاکھ فرانک کی قیمت کا سونے کا برادہ تھا جسے اُس نے تین مضبوط کنستروں میں نہایت احتیاط سے بند

کر رکھا تھا وہ اُسے پیرس کی ٹکسال میں جا کے بیچنا چاہتا تھا اور اس طرح اُسے آٹھ فیصدی منافع ملنے کی امید تھی۔

اسی جہاز پر اُس کے ساتھ ایک شخص موسیو دہ برلیوں بھی سفر کر رہا تھا جو شارل دہم کے دربار میں ایک معمولی عہدے پر فائز تھا۔ اس بھلے آدمی نے بے سمجھے بوجھے ایک بڑی شوقین مزاج عورت سے شادی کر لی تھی جس کے پاس جزائر غرب الہند میں ایک جاگیر تھی۔ مادام دہ برلیوں کی فضول خرچی نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ انڈیز جا کر اُس کی جائداد بیچ ڈالے۔ موسیو اور مادام دہ برلیوں اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن انقلاب سے ذرا پہلے اُن کی جائداد اور سپہ سالاری کا منصب چھن گیا تھا اور اب وہ بڑی تنگی میں گذر بسر کر رہے تھے۔ اُن کی آمدنی بمشکل بیس ہزار فرانک تھی۔ اور اُن کی ایک معمولی شکل وصورت کی بیٹی بھی تھی جسے اُس کی ماں نے بلا کسی جہیز کے بیاہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کیونکہ پیرس میں اخراجات بہت تھے اور اُن کے وسائل بڑے محدود ہو کر رہ گئے تھے۔ اور یہ ایسی مہم تھی جسے سر کرنا کسی ہوشیار دنیا دار آدمی کے لئے بھی معمے سے کم نہ تھا اور فیشن پرست ماں کے لئے بھی یہ کچھ آسان کام نہ تھا۔ شاید مادام دہ برلیوں بھی جب اپنی بیٹی کی طرف دیکھتی تو اُس سے چھٹکارا پانے کی امید اُسے بہت کم ہوتی تھی۔ کیونکہ ایسا کون آدمی ہو سکتا تھا جو مہمل قسم کے خطابات کے لالچ میں آکر اُس سے شادی کر لیتا۔

مادموازیل دہ برلیوں لمبی بے ڈھنگی سی لڑکی تھی جیسے کوئی مکوڑا۔ اس کا لب و دہن بڑا مکروہ تھا۔ جس پر ایک موٹی اور لمبی سی ناک چھائی ہوئی تھی۔ عموماً اُس کی ناک کا رنگ زردی مائل ہوتا۔ لیکن کھانا کھانے کے بعد اُس کی رنگت بے حد

سُرخ ہو جاتی۔ اور چونکہ اُس کا چہرہ پھیکا پھیکا اور پیلا سا تھا اس لئے یہ تبدیلی بہت ناگوار گذرتی تھی۔ لیکن چند لحاظ سے دنیا داریاں کے لئے جو اس وقت اٹھتیس سال کی تھی اور جسے اب تک اپنے خوبصورت ہونے کا گمان تھا اس ہیئت کی بیٹی ایک نعمت تھی۔ لیکن معمولی شکل وصورت کی تلافی اس طرح ہو گئی کہ بیٹی میں ماں کا تھوڑا سا وقار آ گیا تھا۔ پھر اُس لڑکی کو شروع سے غذا نہایت سادہ ملی تھی جس کی وجہ سے اُس کی رنگت کم سے کم فی الحال تو نکھر گئی تھی۔ اُس کی ماں نے اُسے لباس پہننا سکھایا تھا۔ اور اسی سے بیٹی نے دلکش ناز و انداز سیکھے تھے۔ وہ چہرے پر ایسی اُداسی طاری کئے رکھتی جو مردوں کو بہت بھلی لگتی ہے اور اُنہیں یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ یہی وہ حور ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔

ماں نے اُسے ایک اور ترکیب بھی سکھائی تھی اور اُس کی باقاعدہ مشق کرا دی تھی۔ یعنی جب اُس کی ناک بہت زیادہ سرخ ہونے لگتی تو وہ پیٹی کوٹ میں سے اپنا پیر باہر نکال دیتی تاکہ لوگ اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ غرض لمبی آستینوں، کلف دار دامنوں، جھالروں اور چُست کپڑوں کی مدد سے ماں نے اُسے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ نسوانیت کے اس نمونے کو عجائب خانے میں رکھنا چاہئے تھا کہ مائیں اُسے دیکھیں اور سبق سیکھیں۔

شارل مادام دوبریدیوں سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا اور یہ خاتون بھی ایک خاص مقصد سے اُسے شہ دے رہی تھی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ بحری سفر کے دوران میں مادام نے شارل جیسے نوجوان کو داماد بنانے کی کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ خیر اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب وہ بوردو پہنچے تو شارل دوبریدیل لوگوں

کے ساتھ ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرا۔ اور پھر وہ سب اکٹھے ہی پیرس گئے۔ دوبریوں کا خاندانی مکان مُدّت سے گروی پڑا تھا۔ چنانچہ اس معاملے میں شارل سے مدد ملنے کی توقع تھی۔ مادام نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ نچلی منزل وہ اپنے داماد اور بیٹی کو رہنے کے لئے دے دے گی۔ موسیو دوبریوں کے نوابی تعصبات اُسے ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ اُس نے شارل گراں دے سے یہ بھی وعدہ کر لیا کہ وہ آسانی کے ساتھ رام ہو جانے والے بادشاہ شارل دہم سے تمام ضروری کاغذات حاصل کرے گی جن کی رُو سے شارل اُن کے خاندانی خطاب اور اعزازی تمغوں کا حقدار بن جائے گا۔ مہاجنوں کا قرض ادا کر کے وہ دوبریوں کی جائداد کا بھی وارث بن سکتا تھا جس کی آمدنی تقریباً چھتیس ۳۶ ہزار لیور سالانہ تھی۔ غرضکہ اس طرح وہ ایک دوسرے کے لئے بڑے کارآمد ثابت ہو سکتے تھے۔ اگر شارل کو دربار میں کوئی جگہ یعنی ملازمت مل جائے اور دونوں خاندان ایک جگہ مل کر رہنے لگیں تو کُل آمدنی ایک لاکھ فرانک سے بھی زیادہ ہو سکتی تھی۔

" اور جب آدمی کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ فرانک ہو، جب نسب بھی اچھا ہو اور دربار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہو تو پھر کسی قسم کی دقّت ہی نہیں رہتی۔ مَیں تمہارا بادشاہ کے خاص مصاحبوں میں تقرّر کرا سکتی ہوں۔ تم جو کچھ بھی بننا چاہو بن سکو گے (وہ شارل کو ہدایات دے رہی تھی) تمہیں مجلسِ قانون ساز میں کوئی عہدہ مل سکتا ہے۔ کسی سفارت خانے میں سکرٹری کی جگہ حاصل کر سکتے اور اگر چاہو تو سفیر بھی مقرر کئے جا سکتے ہو۔ کیونکہ شارل دہم کو موسیو دوبریوں سے بڑا لگاؤ ہے۔ یہ ایک دوسرے کو بچپن سے جانتے ہیں "۔

ایسی خوش آئند تجاویز نے شارل کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ اور ان تمام چکنی چپڑی باتوں کے باعث جو نہایت شفقت سے کہی گئی تھیں، اُس کے دل میں بہت سی اُمیدوں اور ارمانوں نے بسیرا کر لیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کے چچا نے ابا کے سب قرضخواہوں کی رقم چکا دی ہوگی۔ وہ اچانک فوبورسین ژرمین کی سوسائٹی میں جا پہنچا جو سماجی ترقی کی بلند ترین منزل سمجھی جاتی تھی۔ پھر وہ بینجی رنگ کی ناک والی مادموازیل مائیلر کے زیرِ سایہ جلد ہی کاؤنٹ دوبریوں کے لقب سے نوازا جانے والا تھا اور یہ سب باتیں اُسے طلسمات معلوم ہو رہی تھیں۔ برباد شدہ خاندان کے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کر لینے کی اُمید نے اُس کی آنکھیں چُندھیا دی تھیں۔ حالانکہ جب اُس نے پیرس چھوڑا تھا، اُس وقت اُسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اب خاندان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ اُس کے دماغ میں بے شمار سُہانے خواب بیدار ہو چکے تھے، جن کا آغاز سفر کے دوران میں ہوا تھا اور پیرس پہنچنے پر بھی اُنہوں نے اُس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ شہرت کی اُن بلندیوں پر پہنچ کر دم لوں گا جن کی طرف اُس کی خود پرست، ہونے والی ساس نے اشارہ کیا تھا۔ اُس کی چچا زاد بہن اب گذشتہ دور کی دھندلی سی تصویر بن کر رہ گئی تھی۔ اُس کے لئے شارل کے شاندار مستقبل میں کوئی جگہ نہیں تھی اور نہ اب اُس کے خوابوں میں یوژینی کا دخل تھا۔ اب تو وہ آنیت سے ملنے جاتا تھا۔ وہ دنیادار اور تجربہ کار عورت اپنے پُرانے دوست کو نصیحت کیا کرتی کہ اس رشتے کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ اُس نے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ ترقی کی اِس منزل کو طے کرنے کے لئے وہ شارل کی ہر طرح مدد کرے گی۔ اپنے دل میں وہ بے حد خوش تھی کہ ایسی معمولی اور غیر دلچسپ لڑکی

کے لئے شارل جیسا شوہر مل گیا۔ انڈیز کے قیام نے شارل کو بہت وجیہ اور دلکش بنا دیا تھا۔ اُس کی رنگت کچھ گندمی مائل ہوگئی تھی اور اُس میں بڑی خود اعتمادی اور مردانگی آگئی تھی۔ وہ بہت فیصلہ کن اور پختہ انداز میں باتیں کرتا جو کامیاب اور بارعب شخص کی خصوصیت ہے۔ جب شارل گراں دسے کو یہ احساس ہؤا کہ پیرس میں اب اُسے کوئی خاص مہم سرانجام دینی ہے تو وہ فوراً مستعد ہوگیا۔

دسے گراسیں کو جب شارل کی واپسی، اُس کی ہونے والی شادی اور کمائی ہوئی بے شمار دولت کا علم ہؤا تو وہ اسے ملنے آیا۔ اور اُن تین لاکھ فرانک کا بھی ذکر کیا جو اُس کے باپ کے قرض خواہوں کو دینے تھے۔ اُس وقت شارل ایک سُنار کے لائے ہوئے ڈیزائن دیکھ رہا تھا جسے اُس نے مادموازیل دوبریوں کے زیور بنانے کا آرڈر دے رکھا تھا۔ شارل خود انڈیز سے بہت سے بیش قیمت ہیرے لے کر آیا تھا لیکن اُن کو زیورات میں جڑوانے کی لاگت دو لاکھ فرانک سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ پہلے تو اُس نے دسے گراسیں کو پہچانا ہی نہیں اور اس کے ساتھ ایک ایسے فیشن پرست نوجوان کے سے غرور اور سرد مہری سے پیش آیا جسے یہ بھی فخر ہو کہ میں انڈیز میں چار آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں۔ چونکہ موسیو دسے گراسیں تین چار بار پہلے چکر لگا چکا تھا اس لئے محض اخلاقاً وہ اُس سے ملنے کو راضی ہوگیا لیکن ساہوکار نے اُس سے جو کچھ کہا اُس پر شارل نے کوئی بھی توجہ نہ دی۔

"میں اپنے باپ کے قرضے کا ذمہ دار نہیں ہوں،" وہ بڑے روکھے پن سے بولا "جناب میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنی تکلیف اُٹھائی لیکن جہاں تک میرا خیال ہے مجھے اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں نے اپنا خون پسینہ

ایک کرکے یہ دولت کمائی ہے اور اسے میں اپنے والد کے قرض خواہوں کی نذر نہیں کر سکتا۔"

"لیکن فرض کیجئے اگر کچھ دنوں میں آپ کے والد کے دیوالیہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا تو کیا ہوگا؟"

"جناب۔ چند دن بعد تو میں کاؤنٹ دو برلیون بن چکا ہونگا۔ اس لئے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر اس کے علاوہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ جب آدمی کی آمدنی ایک لاکھ لیور ہو تو اس کے باپ کے دیوالیہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اور یہ کہتے ہوئے شارل نے بڑے اخلاق سے نائب دے گراسیں کو دروازے سے باہر کر دیا۔

اسی سال موسم بہار کے ابتدائی دن تھے۔ یوژینی باغ میں چھوٹے بنچ پر بیٹھی تھی جہاں اس کے چچا زاد بھائی نے اس سے ہمیشہ محبت کرتے رہنے کا اقرار کیا تھا اور جہاں بیٹھ کر وہ گرمیوں کے موسم میں اکثر ناشتہ کیا کرتی تھی۔ بے چاری لڑکی چند مختصر سے لمحوں کے لئے خاصی خوش ہو جایا کرتی تھی۔ وہ ان دلسوز حادثات سے پہلے کے محبت بھرے لمحات کی ہر چھوٹی چھوٹی بات یاد کرتی۔ صبح بڑی خوشگوار اور چمکیلی تھی۔ باغ میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی نظر میں کائی اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی دیوار پر منڈلانے لگیں۔ اس دیوار میں اب بہت سے شگاف پڑ گئے تھے اور وہ تقریباً کھنڈر ہو کر رہ گئی تھی لیکن کسی کو اسے چھونے کی اجازت نہ تھی۔ حالانکہ کارنوائیے کئی بار اپنی بیوی سے پیشین گوئی کر چکا تھا کہ کسی روز یہ پوری دیوار گر کر ایک آدھ کو کچل کے رکھ دے گی۔ ڈاکیے نے دروازے پر دستک دی اور مادام کارنوائیے کے ہاتھ میں

ایک خط دے دیا جو باغ میں سے دوڑتی ہوئی آکر چلائی "بی بی! خط! کیا یہ انہیں کا خط ہے؟" اُس نے اپنی مالکہ کو خط دیتے ہوئے کہا۔

باغ کی دیوار اور فصیل میں سے گونجتے ہوئے یہ الفاظ یوتزینی کے دل کے تاروں پر بج اُٹھے۔

"پیرس! . . . . . یہ اُنہی کی تحریر ہے! اس کا مطلب ہے وہ واپس آگئے ہیں"

یوتزینی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اور چند لمحوں تک وہ خط کھولے بغیر گم سم بیٹھی رہی۔ اُس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اس میں ہلنے اور دیکھنے تک کی سکت نہ رہی تھی۔ لمبی ناتوان اپنے کولہوں پر ہاتھ دھرے انتظار میں کھڑی تھی اور اس کے گندمی چہرے کی ہر جھرّی سے خوشی دھوپ کی طرح امنڈی پڑ رہی تھی۔

"بی بی، اسے پڑھئے تو!"

"اوہ! بھلا وہ پیرس کے رستے کیوں واپس ہوئے ناتوان؟ جاتے ہوئے تو وہ سوئٹزرلینڈ کی طرف سے گئے تھے؟"

"خط پڑھئے، اس سے پتہ چلیگا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا"

لفافہ کھولتے وقت یوتزینی کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ مادام دے گراسیں اسے کوریکے سوموز کی نرم کے نام کا ایک چیک اُس میں سے پھڑپھڑاتا ہوا نیچے گر پڑا۔ ناتوان نے اُسے اٹھا لیا۔

"میری پیاری بہن . . . ."

"تو میں اب اُن کے لئے یوتزینی نہیں رہی" اُس نے سوچا اور اُس کا دل سہم کر

رہ گیا۔

"آپ"۔ "وہ مجھے 'تم' کہہ کر پکارا کرتے تھے!" اُس نے اپنے کندھے سکیڑ لئے۔ آگے پڑھنے سے وہ گھبرا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

"کیا ہُوا؟ کیا وہ مر گئے؟" نانوں نے پوچھا۔

"اگر وہ مر گئے ہوتے تو خط کیسے لکھتے" لوتزینی نے کہا اور پُورا خط پڑھنے لگی۔ جس کا مضمون یہ تھا:۔

"میری پیاری بہن —— مجھے اُمید ہے میری مہم کی کامیابی کی خبر سُن کر آپکو خوشی ہو گی۔ میں فرانس میں دولت مند بن کر لوٹا ہوں جیسی کہ میرے چچا کی نصیحت تھی۔ آپ کے پیسے میں بڑی برکت تھی۔ موسیو دتنے گراسیں سے ابھی ابھی چچا اور چچی کے انتقال کی خبر ملی۔ قدرت کا اصُول ہی یہ ہے کہ ہمارے والدین کا انتقال ہو اور پھر ایک دن ہماری بھی باری آئے گی۔ مجھے امید ہے کہ اس وقت تک آپ کو صبر آ چکا ہو گا۔ میں تجربے کی بنا پر جانتا ہوں کہ وقت سب رنج بھُلا دیتا ہے۔ اور ہاں، میری پیاری بہن، اب میرے لئے وہ دن ختم ہوئے کہ جب میں وہم و گمان کی دنیا میں گُم رہتا تھا۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ میں نے دنیا بھر کی خاک چھانی ہے اور بہت کچھ دیکھا ہے۔ اس لئے میں نے زندگی پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا سیکھ لیا ہے۔ اپنی روانگی کے وقت میں محض بچہ تھا لیکن اب ذمہ دار مرد ہوں اور مجھے اتنی بہت سی باتوں کے بارے میں سوچ بچار کرنا پڑتا ہے جو پہلے کبھی میرے خواب میں بھی نہ آئی تھیں۔ میری بہن، آپ بھی اب تک آزاد ہیں اور میں بھی۔ ویسے اپنے لڑکپن کی امیدوں اور توقعات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے

میں بظاہر کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ لیکن میں بہت صاف گو انسان ہوں۔ اس لئے اپنے موجودہ حالات کو آپ سے پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتا۔ میں کسی لمحے بھی آپ سے اپنی وابستگی کو فراموش نہیں کر سکا۔ ملکوں ملکوں پھرتے ہوئے بھی مجھے وہ چھوٹا سا بنچ ہمیشہ یاد رہا ہے . . . . "

یوتھ رینی ایسے اُچھل پڑی جیسے اُس کے نیچے کوئلے سُلگ رہے ہوں۔ پھر وہ صحن میں پڑے ہوئے ٹوٹے پھوٹے پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

"وہ چھوٹا سا لکڑی کا بنچ جہاں ہم نے ایک دوسرے سے ہمیشہ محبت کرتے رہنے کا اقرار کیا تھا۔ وہ ڈیوڑھی، وہ سرمئی نشستگاہ، میرا کمرہ اور وہ رات بھی جب آپ نے اپنی دُور اندیشی اور ہوشیاری سے میرے مستقبل کو میرے لئے آنا آسان بنا دیا۔ ہاں، یہ سب یادیں میرے لئے بڑی حوصلہ افزا رہی ہیں اور اس وقت کو بھی میں اپنے ذہن سے فراموش نہیں کر سکا جب ہم نے ایک دوسرے کو یاد کرنے کا عہد کیا تھا۔ مَیں ٹھیک اُسی وقت اپنے دل میں سوچا کرتا تھا کہ آپ ضرور مجھے یاد کر رہی ہونگی۔ آپ عین نَو بجے باہر اندھیرے میں جھانکا کرتی تھیں نا؟ ہاں، مجھے یقین ہے کہ آپ ضرور ایسا کرتی رہی ہونگی۔ ایسی مقدس دوستی کے ہوتے ہوئے میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں آپ کے ساتھ خلوص نہ برتوں۔"

"میری شادی کے لئے ایک رشتہ آیا ہے جو مجھے ہر طرح تسلی بخش معلوم ہوتا ہے۔ شادی کے معاملے میں محبت کا ذکر محض رومانی لغویت ہے۔ تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ شادی کرتے ہوئے ہمیں سماجی قوانین اور روائتی تصورات کی پابندی کرنی

چاہیئے۔ میری اور آپ کی عمر میں بھی کچھ فرق ہے، جو مجھ سے زیادہ آپ کے مستقبل پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ پھر اس کے علاوہ اور بھی اختلافات ہیں جن کے بارے میں مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی پرورش، آپ کا طرزِ زندگی اور آپ کا مذاق پیرس کی زندگی کے لئے مناسب نہیں اور نہ وہ اُس مستقبل سے مطابقت کر سکے گا جو میں نے اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ مثلاً میرا ارادہ ہے کہ ایک بہت بڑا اور شاندار مکان لوں اور بہت اُونچی سوسائٹی میں گھوم پھر سکوں اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میرے خیال میں تو آپ نہایت گھریلو قسم کی خاموش اور پُرسکون زندگی کو اس پر ترجیح دیں گی۔ نہیں، میں آپ سے اور زیادہ صاف لفظوں میں بات کرتا ہوں۔ پھر آپ جو بھی فیصلہ کریں گی میں اُس پہ عمل کروں گا۔ بہر حال پہلے میں سب واقعات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ آسانی سے اپنی رائے دے سکیں۔

"میری آمدنی اس وقت اسّی ہزار لیور ہے۔ اور اس دولت کے بل پر میں دیبرکیوں خاندان میں شادی کر سکتا ہوں۔ اُن کی انیس[19] سالہ اکلوتی بیٹی سے شادی کر لوں تو میں اُن کے خطاب کو بھی اپنا سکوں گا اور اس کے علاوہ سوسائٹی میں بھی میری قدر بہت بڑھ جائے گی۔ پھر مجھے بادشاہ کے مصاحبِ خاص کا عہدہ بھی مل جائے گا۔ میری عزیز بہن، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مادموازیل دیبرکیوں کے لئے میرے دل میں ذرا بھی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اس رشتے سے میں اپنے بچوں کے لئے سوسائٹی میں ایک اعلیٰ جگہ حاصل کر سکوں گا جو آئندہ کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہوگی۔ شاہ پرستانہ اصولوں کو دن بدن بڑی مقبولیت حاصل

ہوتی جا رہی ہے اور چند سال بعد میرے بیٹے مارکوئس وڈیریوتن کے پاس بہت بڑی جائداد اور چالیس ہزار لیور سالانہ کی آمدنی ہوگی۔ چنانچہ ان فوائد کے باعث وہ جتنی بھی ترقی کر جائے کم ہے۔ دراصل ہمیں اپنے بچوں کی بہتری کے لئے ہی زندہ رہنا چاہیئے۔

"بہن، آپ دیکھتے ہیں کتنی راست گوئی سے اپنی تمام دلی کیفیات، توقعات اور امیدیں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ سات سال کی جدائی میں آپ خود بھی اپنی لڑکپن کی محبت کو بھول چکی ہوں۔ لیکن میں کبھی آپ کی نیکی اور اپنے وعدے کو فراموش نہیں کر سکا۔ ہو سکتا ہے کوئی غیر حساس نا سمجھ اور غیر ذمہ دار شخص ان سب باتوں کو اتنی اہمیت نہ دے لیکن میرے لئے ہر وعدہ جو خواہ مذاق میں ہی کیا گیا ہو مقدس حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا میرا آپ کو صاف صاف یہ بتانا کہ یہ شادی صرف ایک ولشے کی خاطر جا رہی ہے اور میں اپنی نوجوانی کی چاہت کو بھولا نہیں ہوں اور آپ کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق دے دینا بھی تو میری اسی ذمہ داری کے احساس کی ہی دلیل ہے نا؟ اور پھر اس کا مقصد تو یہی ہے کہ اگر مجھے سماجی برتری حاصل کرنے کی خواہش کو ترک کرنا پڑا تو پھر میں بخوشی اس سادہ اور معصوم خوشی کو قبول کر لونگا جو آپ کا خیال آنے ہی ہمیشہ میرے دل میں پیدا ہوتی ہے ــــــــ"

"تارا۔لا۔لا۔تاں۔تا۔تی!" شارل گراں دے نے بڑی بے پروائی سے گنگناتے ہوئے دستخط کر کے خط ختم کر دیا۔

آپ کا جاں نثار بھائی ــــ شارل"

"خدا کی قسم! یہ بڑی اچھی ترکیب رہی" اُس نے دل میں سوچا۔ اُس نے پاس پڑے ہوئے چیک کو اُٹھا کر لفافے میں ڈال دیا اور ساتھ ہی یہ نوٹ بڑھا دیا۔

"میں مادام دستے گراسیں کے نام ایک چیک بھیج رہا ہوں۔ یہ آٹھ ہزار فرانک آپ کے حکم پر آپ کو سونے کی صورت میں ادا کر دیئے جائیں گے۔ یہ رقم معہ سُود اور اصل کے شکریے کے ساتھ واپس کر رہا ہوں جو آپ نے مہربانی کر کے مجھے عنایت فرمائی تھی۔ مجھے بوردو سے ایک بکس کا انتظار ہے جس میں آپ کے لیئے چند چیزیں ہیں جو میں آپ کو اپنی ابدی احسان مندی کی نشانی کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرا اسٹنگار دان سفری گاڑی کے ذریعے اونل دو برلیوں کے پتّے پر ارسال فرما دیں"

"سفری گاڑی کے ذریعے" یوژینی چلائی "اِس کی خاطر تو مَیں نے نہ جانے کتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

اُس کی امیدوں کی کشتی پاش پاش ہو چکی تھی اور ڈوب رہی تھی۔ اس وسیع سمندر میں تنکے کا بھی تو سہارا باقی نہ رہا تھا۔ بعض عورتوں کے محبوب جب اُن سے بے وفائی کرتے ہیں تو وہ اُنہیں اپنی رقیب کی آغوش سے گھسیٹ لاتی ہیں اور اس حریف کو جان سے مار کے پناہ لینے کی خاطر دنیا کے دوسرے کونے تک جا پہنچتی ہیں، پھانسی پر چڑھ جاتی ہیں یا قبر میں جا سوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس طرزِ عمل میں بھی ایک انوکھی شان جھلکتی ہے۔ اِس جرم کے پیچھے ایسا عظیم الشان غصّہ کارفرما ہوتا ہے کہ اس کے آگے بشری انصاف بھی سہم کر خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اذیت برداشت کرتی ہیں اور چپ چاپ سر جھکا لیتی ہیں۔

وہ اس شکستہ دلی اور غم واندوہ کے باوجود صبر سے زندگی کے دن پورے کر لیتی ہیں اور اسی طرح روتی دھوتی اپنے محبوب کے لیئے دعائیں مانگتی ہوئی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بھی محبت کی ایک قسم ہے جسے فرشتے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ وہ محبت ہے جو بڑے فخر سے مصیبت برداشت کرتی ہے اور اسی آگ میں بھسم ہو کر رہ جاتی ہے۔ یوژینی کی محبت کا بھی خط پڑھ لینے کے بعد کچھ ایسا ہی انجام ہونے والا تھا۔

اُس نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھائیں اور اُسے اپنی ماں کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو اُس نے مرتے وقت کہے تھے۔ شاید بعض اوقات مرنے والے کو مستقبل کے متعلق صحیح علم ہو جاتا ہے۔ جب اُس نے اپنی ماں کی زندگی اور موت کے بارے میں سوچا تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسی کے مستقبل کی کہانی کہہ دی ہے۔ اب اُس کے لئے سوائے اس کے اور کوئی بھی چارہ نہ رہا تھا کہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن عبادت میں صرف کرے اور اُس دن کا انتظار کرے جب اُس کی رُوح جنت کی طرف پرواز کر جائے گی۔

"میری ماں نے ٹھیک کہا تھا کہ مصیبتیں جھیلو اور مر جاؤ۔" اُس نے روتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ آہستہ باغ سے اُٹھ کر گھر میں چلی آئی اور اُس نے ڈیوڑھی سے بچ کر نکلنے کی خاص کوشش کی۔ لیکن جب وہ سُرمئی رنگ کی نشستگاہ میں داخل ہوئی تو وہاں اپنے چچازاد بھائی کی یادیں بکھری ملیں۔ آتشدان کے اوپر ایک چینی کی طشتری تھی جسے وہ ہر صبح استعمال کرتی تھی اور پھر ملوہ کا شکردان بھی وہیں پڑا تھا۔

یوژینی کے لئے یہ دن بڑا اہم ثابت ہونے والا تھا۔ نانون نے اُس علاقے کے پادری کی آمد کا اعلان کیا۔ یہ کروشو لوگوں کا عزیز تھا، اس لئے مجسٹریٹ کے معاملے میں

بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ کچھ دنوں سے بڑا پادری کروشوا اس آدمی کے سر تھا کہ وہ مادموازیل گرائی دسے کو سنجیدگی سے سمجھائے کہ مذہبی نقطۂ نظر سے اس کے درجے کی عورت کے لئے شادی کرنا فرض ہے۔ یونینی نے جب اُسے دیکھا تو وہ سمجھی کہ شاید یہ ہزار فرانک لینے آیا ہے جو وہ ہر ماہ اُس کو گاؤں کے غریبوں کے لئے دیا کرتی تھی۔ اُس نے نانون کو پیسے لے کر آنے کا حکم دیا۔ لیکن وہ مسکراتے ہوئے بولا:۔

"مادموازیل، آج میں آپ سے ایک ایسی غریب لڑکی کے بارے میں مشورہ طلب کرنے آیا ہوں جس سے سومور بھر کو دلچسپی ہے۔ لیکن جو اپنے حق میں اتنی بے انصافی برتتی ہے کہ شرع عیسوی کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتی"۔

"پادری صاحب، خدا کی قسم، اس وقت تو میں سوائے اپنے اور کسی کو اتنا مصیبت زدہ نہیں سمجھتی۔ میرے لئے سوائے گرجا کے اور کہیں پناہ نہیں ہے۔ وہ گرجا جس کی فراخ دلی تمام انسانی رنج و غم کو اپنے اندر جذب کر لینے کی اہلیت رکھتی ہے اور جس کی محبت کا یہ عالم ہے کہ اس کا سرچشمہ کبھی خشک نہیں ہوتا"۔

"اچھا تو مادموازیل، جب ہم اس لڑکی کے بارے میں باتیں کریں تو آپ یہی سمجھئے گا کہ آپ کے متعلق باتیں ہو رہی ہیں۔ سنئیے! اگر آپ کو نجات حاصل کرنے کی خواہش ہے تو اس کے صرف دو راستے آپ کے سامنے ہیں یا تو آپ دنیا سے قطع تعلق کر لیجئے۔ یا پھر اس میں رہئے اور اس کے قواعد کی پابندی کیجیے۔ آپ کو ان دونوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہی ہوگا"۔

"آہ! اس وقت تو آپ نے میری دکھتی رگ پکڑ لی ہے۔ آپ کو خدا نے ہی میرے پاس مدد کو بھیجا ہے اور میں اُس کی خاطر دنیا تیاگ کر اُس کی عبادت میں تنہائی کی

زندگی گزار دوں گی۔"

"لیکن میری بچی، یہ زبردست قدم اُٹھانے سے پہلے تمہیں اچھی طرح سوچ سمجھ لینا چاہیئے۔ شادی ہی زندگی ہے اور را ہبانہ زندگی گزارنا موت کے مترادف ہے۔"

"ہاں، مجھے موت چاہیئے۔ آہ! پادری صاحب، کاش موت اتنی ہی جلدی آجائے۔" اُس نے بڑی بے قراری سے کہا۔

"موت؟ لیکن ماد موازیل، تمہیں تو ابھی سماج کی بہت سی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ غریبوں کا ایک پورا خاندان ہے جنہیں تم گرمیوں میں کام دلاتی ہو اور سردیوں میں اُن کے لیئے کپڑوں اور آگ کا انتظام کرتی ہو۔ تمہاری یہ کثیر دولت ایک ترفعہ ہے جس کا تمہیں ایک دن حساب دینا ہوگا اور تم نے ہمیشہ اسے مقدس امانت ہی سمجھا ہے۔ اگر تم نے خانقاہ میں پناہ لے لی تو یہ تمہاری خود غرضی ہوگی اور پھر تمہیں اس دنیا میں اکیلے نہیں رہنا چاہیئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم بھلا اتنی دولت کا بوجھ اکیلے کیسے برداشت کر سکو گی؟ ممکن ہے تم اسے ضائع کر دو۔ تم پر مستقل مقدمے چلتے رہیں گے اور اسی طرح کئی قسم کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے چھٹکارا پانا تمہارے لیئے ناممکن ہو جائے گا۔ تم میرا کہا یاد رکھو۔ خاوند بڑے کام کا ہوتا ہے اور جو چیز خدا نے تمہارے لیئے بنائی ہو اُس سے تمہیں محروم نہیں رہنا چاہیئے۔ خدا نے جن لوگوں کی ہدایت میرے سپرد کی ہے تم اُن میں سے ایک ہو اور میں تم سے اُسی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ تم خدا کو اتنے سچے دل سے چاہتی ہو کہ دنیاوی نجات حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آسکتی۔ تم دنیا کی زینت ہو۔ اس لیئے تمہیں پاکیزگی کی مثال بن کر دنیا میں رہنا چاہیئے۔"

اتنے میں مادام دے گراسیں آ پہنچیں۔ سابو کار کی بیوی کو کسی سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس لئے وہ انتقام لینے کے لئے مری جارہی تھی۔

"مادموازیل۔۔۔" وہ بولی "اوہو! پادری صاحب یہاں تشریف فرما ہیں۔ اچھا پھر میں کچھ نہیں کہتی۔ میں اس وقت کاروبار کے سلسلے میں بات چیت کرنے آئی تھی۔ لیکن آپ بے حد مصروف ہیں۔"

"مادام" پادری نے کہا "میں چلا جاتا ہوں۔"

"اوہ! پادری صاحب، مہربانی کر کے پھر ضرور آئیے گا۔ مجھے ابھی آپ کی مدد کی بے حد ضرورت ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بیٹی!" مادام دے گراسیں بول اٹھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" یوژنی اور پادری نے ایک ساتھ پوچھا۔

"کیا تمہارا خیال ہے میں نے یہ خبر نہیں سنی کہ تمہارا چچا زاد بھائی واپس آگیا ہے اور اب مادموازیل دوبریوں سے شادی کرنے والا ہے؟ میں نے کیا عقل بیچ کھائی ہے۔"

یوژنی خاموش رہی۔ اُس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی تھی لیکن فوراً ہی اُس نے تہیہ کیا کہ آئندہ وہ کسی کو اس سلسلے میں کچھ بھی نہ بتائے گی۔ چنانچہ وہ اپنے باپ کی طرح بے حس بن گئی اور اُس کے چہرے سے کسی قسم کے جذبات کا پتہ نہ چل سکا۔

"اچھا، مادام" اُس نے اپنی آواز میں نفرت کی جھلک پیدا کرتے ہوئے کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے تو اپنی عقل ضرور بیچ کھائی ہے کیونکہ میں آپ کا

ذرا بھی مطلب نہیں سمجھ سکی۔ ذرا کھُل کر بات کیجیے۔ آپ پادری صاحب کے سامنے بے تکلف سب کچھ کہہ سکتی ہیں کیونکہ آپ جانتی ہیں یہ میرے مُرشد ہیں "

"اچھا تو مادموازیل، آپ خود ہی دیکھ لیجیے کہ موسیو دستے گراسین کیا لکھتے ہیں۔ یہ ہے اُن کا خط "

"میری پیاری بیوی۔ شارل گراں دستے انڈیز سے واپس آگیا ہے اور پیرس میں آئے ہوئے اُسے کوئی دو مہینے ہو گئے ہیں "

"دو مہینے"! یوژینی نے دل میں سوچا اور اس کا ہاتھ نیچے گر گیا۔ ایک لمحے بعد وہ پھر پڑھنے لگی:۔۔

"مجھے کئی دفعہ اُس کے گھر جانا پڑا۔ تب کہیں جا کر ہونے والے کاؤنٹ دوبریون نے مجھے شرفِ باریابی بخشا۔ پیرس بھر میں اُس کی شادی کا چرچا ہے اور اعلان چھپ چکا ہے "

"اور اُس کے بعد اُس نے مجھے خط لکھا"! یوژینی نے اپنے دل میں کہا۔ اُس نے پیرس والیوں کی طرح یہ فقرہ نہیں کہا کہ "لعنت ہو اُس پر"! بہرحال چاہا ہے اُس نے اظہار نہ کیا ہو لیکن اُس کی نفرت کچھ اُن سے کم نہ تھی۔

"لیکن اُس کی شادی ہونے میں ابھی کافی وقت لگے گا۔ کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ مارکوئس دوبریون شراب کے ایک دیوالیے تاجر کے بیٹے سے اپنی بیٹی بیاہ دے۔ میں جا کر شارل سے ملا تھا۔ اور قرض خواہوں کو اب تک خاموش رکھنے کے لئے جن چالبازیوں سے اُس کے چچا اور میں نے کام لیا اُس کا بھی میں نے ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اس معاملے میں ہمیں کتنی دقتیں پیش آئیں۔ لیکن جانتی ہو اس کمینے کتے

نے کس بے حیائی کے ساتھ مجھ سے کہا — مجھ سے۔ جو پانچ سال سے دن رات محنت کر کے اُس کی عزت بچانے کی کوشش میں مارا مارا پھرا۔ وہ کہنے لگا "میں اپنے باپ کے معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوں"، اگر میری جگہ کوئی وکیل ہوتا تو پورے قرضے پر ایک فیصدی کے حساب سے تین^3 چالیس^4 ہزار فرانک بطور فیس رکھوا لیتا! خیر کوئی بات نہیں۔ وہ مقروض ہے۔ قانون اُسے یہ ایک لاکھ بیس^4 ہزار کا قرضہ چکا دینے پر مجبور کر دے گا۔ اور پھر میں اپنا بدلہ یوں لونگا کہ اُس کے باپ کے دیوالیئے ہونے کا اعلان کر دوں گا۔ میں نے تو اُس بڈھے مکار گراں دے سے کے کہنے میں آکر یہ مصیبت مول لے لی۔ میں نے اپنے خاندان کی قسم کھا کر اُس سے وعدہ کر لیا تھا۔ کاؤنٹ دوبریوں کو ممکن ہے اپنی عزت کا اتنا خیال نہ ہو لیکن مجھے تو اپنی عزت کا بہت پاس ہے! چنانچہ میں قرض خواہوں کو سب حالات سے آگاہ کر دونگا۔ بہر حال میں مادموازیل یوژینی کی اب بھی بہت عزت کرتا ہوں (جن سے ایک زمانے میں ہم ایک اور قریبی رشتہ قائم کرنا چاہتے تھے) اور چاہتا ہوں کہ جب تک تم اُن بارے میں اُن سے بات نہ کر لو۔ میں کوئی قدم نہ اُٹھاؤں۔"

یہاں پہنچ کر یوژینی رُک گئی اور خاموشی سے خط واپس کر دیا۔

"میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں"۔ وہ مادام دے سے گراسیں سے بولی "ہم دیکھیں گے کہ . . . ."

"تمہاری آواز اس وقت بالکل تمہارے والد کی طرح معلوم ہوتی ہے" مادام دے سے گراسیں بول اُٹھی۔

"مادام" نانوں نے شارل کا چیک بڑھاتے ہوئے کہا "آپ کو آٹھ ہزار فرانک ہمیں دینے ہیں۔"

"اچھا، مادام کارلا دیبئے۔ تم مہربانی کر کے میرے ساتھ چلی چلو۔"

"پادری صاحب" یوژینی کو ایک ایسی ترکیب سوجھی جس کے خیال نے ہی اس کے چہرے کو پُرسکون بنا دیا تھا۔ وہ بولی "اگر میں شادی کے بعد بھی اپنے کنوارپنے کو برقرار رکھنا چاہوں تو اس میں گناہ تو نہ ہوگا؟"

"یہ تو اپنے ایمان پر منحصر ہے اور اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے البتہ اگر تم چاہو تو میں کل تمہیں بتا دوں گا کہ مشہور عالم سانتشے نے اپنی کتاب "شادی" میں کیا لکھا ہے۔"

پادری رخصت ہو گیا۔ مادموازیل گراں دے اوپر اپنے باپ کے کمرے میں چلی گئی اور تمام دن وہیں تنہائی میں گزار دیا۔ وہ کھانے کے لئے بھی نیچے نہ اُتری حالانکہ نانوں نے بہت منت سماجت بھی کی اور بُرا بھلا بھی کہا۔ جب شام کو دوست اکٹھے ہونا شروع ہوئے تو ٹھیک اُس وقت وہ نیچے آ گئی۔ گراں دے کے گھر کی اس سرمئی نشستگاہ میں کبھی اتنے آدمی جمع نہ ہوئے تھے جتنے آج رات کو آئے۔ شہر میں ہر ایک نے شارل کی واپسی، اُس کی بے وفائی اور ناشکری کا قصہ سُن لیا تھا۔ لیکن لوگوں کا تجسس ابھی کم نہ ہوا تھا۔ یوژینی کو آنے میں ذرا دیر ہو گئی تھی۔ لیکن اُس کے چہرے پر کسی قسم کا اضطراب نہیں تھا۔ لوگوں نے جب اُس کی طرف بڑے ہمدردانہ انداز میں دیکھ کر حال پوچھا تو اس نے بڑی ملائمت سے جواب دیا۔ اس نرمی کی آڑ میں اُس نے اپنا سارا دکھ چھپا رکھا تھا۔ •

کوئی نو بجے کے قریب تاش کھیلنے والوں نے بازی ختم کی۔ پیسے ادا کیئے اور کھیل کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرتے رہے۔ جب سب لوگ جانے کے لیئے تیار ہوئے تو خلاف امید ایک ایسی بات ہوئی جس کا سوموراور آس پاس کے گاؤں میں عرصے تک چرچا رہا۔

"مجسٹریٹ صاحب، مہربانی کرکے آپ ذرا ٹھہریئے"۔

کمرے میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو یہ الفاظ سُن کر چونکا نہ ہو گیا ہو۔ موسیو ونبوں فوں جو اپنی چھڑی سنبھالنے ہی والا تھا یہ سن کر اُس کی رنگت سفید پڑ گئی اور وہ پھر بیٹھ گیا۔

مجسٹریٹ صاحب کو اب لاکھوں کی دولت ملنے والی ہے" مادموازیل دگریپو کورنے کہا۔

"یہ تو ظاہر ہے کہ مجسٹریٹ صاحب کی شادی مادموازیل گراں مے سے ہوگی"۔ مادام دورسونوال زور سے بولی۔

"اس کھیل میں یہ چال سب سے اچھی رہی!" پادری نے رائے زنی کی۔

"واقعی زوردار چال ہے"۔ سرکاری وکیل نے اضافہ کیا۔

ہر ایک نے فقرے بازی کی اور جو سمجھ میں آیا کہا۔ یہ لاکھوں کی وارثہ انہیں کوئی دیوی معلوم ہو رہی تھی۔ آج اُن کی آنکھوں کے سامنے اُس ڈرامے کی تکمیل ہو رہی تھی جو نوسال پہلے شروع ہوا تھا۔ تمام سوموروالوں کے سامنے مجسٹریٹ کو ٹھہرنے کے لیئے کہہ دینا یقیناً اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اُس سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ چھوٹے قصبوں میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت خیال کیا جاتا ہے۔ اور پھر ایسی حرکت تو بالکل شادی کے وعدے کے مترادف تھی۔

"مجسٹریٹ صاحب" جب وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو یوزینی کانپتی ہوئی آواز میں بولی "میں خوب جانتی ہوں کہ آپ کو میری کس چیز کی قدر ہے۔ آپ قسم کھایئے کہ زندگی بھر مجھے آزاد ہی رہنے دینگے اور شادی کے بعد آپ کے مجھ پہ جو حق ہونگے اُنہیں آپ استعمال کرنے سے گریز کریں گے۔ اِن شرائط پر میں آپ سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ اوہ!" اُس نے مجسٹریٹ کو گھٹنوں کے بل جھکتے ہوئے دیکھ کر کہا "میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی۔ میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتی ہوں کہ میرے دل میں چند ایسی یادیں محفوظ ہیں جو مٹائی نہیں جا سکتیں اور میرے پاس اپنے خاوند کو دینے کے لیئے سوائے دوستی کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نہ تو اُسے دھوکہ دینا چاہتی ہوں اور نہ اپنے دل سے غداری کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن آپ کو مجھے اپنانے میری دولت کا مالک بننے کے لیئے میرا ایک بہت بڑا کام انجام دینا پڑیگا۔"

"میں آپ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں۔" مجسٹریٹ نے کہا۔

"یہ پندرہ لاکھ فرانک ہیں۔ مجسٹریٹ صاحب" اُس نے بنک آف فرانس کے سو حصوں کا ایک سرٹیفکیٹ اپنی انگیہ میں سے نکال کر کہا "آپ پیرس چلے جائیں گے نا؟ آپ کو صبح ہونے کا بھی انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ فوراً آج ہی رات روانہ ہو جایئے۔ آپ سیدھے موسیو دے گراسیں کے پاس جایئے اور اُن سے میرے چچا کے قرض خواہوں کی فہرست مانگ لیجئے۔ اور پھر اُن سب کو بُلا کر گیوم گراں دے کا پورا قرضہ چکا دیجئے۔ اور جس دن قرضہ لیا گیا تھا تب سے لے کر قرضہ چکا دینے کے وقت تک، پانچ فیصدی کے حساب سے سُود بھی ادا کر دیجئے۔ ہر ایک سے آپ باقاعدہ رسید لیجئے گا۔ آپ مجسٹریٹ ہیں اور صرف آپ ہی ایسے آدمی ہیں جس کو میں یہ کام سونپ سکتی ہوں۔

آپ شریف اور معزز انسان ہیں۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کر لیا ہے اور آپ کے نام کا سہارا لے کر میں زندگی کا خطرناک سفر طے کر لوں گی۔ ہم ایک دوسرے کا اچھی طرح خیال رکھ سکیں گے کیونکہ ہماری واقفیت اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے پریشان نہیں کریں گے۔"
مجسٹریٹ خوشی سے پاگل ہو کر اس امیدوارثہ کے قدموں پر جھک گیا۔

"میں آپ کا غلام بن کر رہوں گا" وہ بولا۔

"جناب، جب آپ کو سب رسید یں مل جائیں" وہ اطمینان سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہتی گئی "تو آپ انہیں بلوں سمیت لے کر میرے چچا زاد بھائی کے پاس چلے جائیں اور اس خط کے ساتھ انہیں دے دیں، جب آپ لوٹیں گے تو میں اپنا وعدہ پورا کروں گی۔"

مجسٹریٹ سب حالات بخوبی سمجھ گیا وہ یہ نتیجے رنجش کے باعث قبول کر رہی ہے۔ اس نے سوچا۔ پھر وہ مادموازیل کو ان دستے کے حکم کی تعمیل کے لیے جتنی جلدی ہو سکا وہاں سے چل دیا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں دونوں جانے والوں میں صلح نہ ہو جائے۔

مومیلو دیوں فوں کے رخصت ہوتے ہی یوتھینی کرسی پہ گر کر زار وقطار رونے لگی۔ سب کچھ ختم ہو چکا تھا اور یہ اس کہانی کا انجام تھا۔

مجسٹریٹ ڈاک گاڑی سے پیرس روانہ ہوا اور دوسری شام اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اگلے دن صبح کو وہ دستے گراسیں کے پاس گیا اور تمام قرضخواہوں کو اس سرکاری وکیل کے دفتر میں آنے کو کہا جہاں ان کے بل جمع تھے۔ ان میں سے ہر آدمی ٹھیک وقت پر پہنچ گیا۔ قرضخواہوں کو بھی ذہانت کی خوبیوں پر داد دینی ہی چاہیے۔

موسیو دیلوں فوں نے مادموازیل گراں دے کی طرف سے اصل اور سُود سمیت تمام رقم ادا کر دی۔ اُن کو سُود بھی دیا گیا تھا! پیرس کی کاروباری زندگی میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا جب یہ سب کام پُورا ہو گیا۔ اور لوئزینی کی خواہش کے مطابق دستے گراسیں کو بھی اُس کی خدمات کے عوض پچاس ہزار فرانک ادا کر دیئے گئے تو پھر مجسٹریٹ اونل دوبریوں پہنچا۔ خوش قسمتی سے شارل اس وقت گھر پر موجود تھا اور اُس کا ہونے والا خسر اس سے بہت ناراض تھا۔ بڈھے مارکوئس نے اُس سے تھوڑی دیر پہلے ہی کہا تھا کہ جب تک گیوم گراں دے کے قرضخواہوں کا حساب بے باق نہ ہو جائے وہ اُس کی بیٹی سے شادی کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔ چنانچہ ایسی افسردہ حالی میں شارل کو مجسٹریٹ نے وہ خط دیا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"عزیز بھائی۔ میرے چچا کی جائداد پر جو قرضہ تھا اُس کے تصفیے کا کام موسیو دیلوں فوں نے انجام دیا ہے اور وہ خود یہ تمام رسیدیں آپ تک پہنچانے آئے ہیں۔ ساتھ ہی میں نے یہ خط بھی دیا ہے تاکہ مجھے اس کے احتیاط سے آپ کے پاس پہنچ جانے کا یقین ہو سکے۔ مجھے دیوالیے کا اعلان ہونے کی خبر ملی تھی۔ اور مجھے خیال ہُوا کہ ممکن ہے اُس کی وجہ سے آپ کی مادموازیل دوبریوں کے ساتھ شادی ہونے میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو۔ ہاں، بھائی! آپ نے میری عادات واطوار اور مذاق کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے میں اب تک دُنیا سے اس قدر کنارہ کش رہی ہوں کہ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے اور مجھ جیسی ہستی کی مصاحبت یقیناً آپ کو وہ خوشی نہ دے سکتی جس کی آپ کو اونچی سوسائٹی سے توقع ہے۔ امید ہے سماجی روایات کے مطابق آپ کو وہ خوشی ضرور حاصل ہوگی جس کی خاطر آپ نے اپنی پہلی محبت کو قربان

کر دیا ہے۔ آپ۔ کی خوشی کو مکمل کرنے کے لئے میرے بس میں صرف یہی ایک بات تھی کہ میں آپ کے والد کو بدنامی سے بچا لوں۔ خدا حافظ۔ آپ اپنی اس چچازاد بہن کو ہمیشہ اپنا ہمدرد پائیں گے۔"
"یوتھ زینی"

جب اس کی نظریں رسیدوں پر پڑیں تو اس سماجی ترقی کے متوالے کے منہ سے بے اختیار تعریفی کلمات نکل پڑے۔ مجسٹریٹ یہ سن کر مسکرایا اور بولا:۔

"ہم دونوں اب شادی کا اعلان کر سکتے ہیں۔"

"اوہو! تو کیا آپ یوتھ زینی سے شادی کرنے والے ہیں؟ اچھا۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔ وہ بڑی نیک دل لڑکی ہے۔ ارے ہاں"! اچانک ایک خیال اس کے دل میں بجلی کی طرح کوند گیا۔ "وہ تو بہت امیر ہو گی؟"

"چار دن پہلے اُن کے پاس ایک کروڑ نوے لاکھ کی رقم تھی لیکن آج صرف ایک کروڑ ستر لاکھ رہ گیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے مجسٹریٹ کی آنکھوں میں کینہ جھلک آیا۔ شارکل سکتے میں رہ گیا۔ وہ مجسٹریٹ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔

"ایک کروڑ ستر۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں جناب۔ ایک کروڑ ستر لاکھ۔ جب ہماری شادی ہو جائے گی تو ہم دونوں سات لاکھ پچاس ہزار لیوہ سالانہ کی بچت کیا کریں گے۔"

"میری پیاری بہن"! شارکل نے اپنے آپ پر کچھ قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک دوسرے کی دولت بڑھاتے رہیں گے۔"

"بے شک" مجسٹریٹ نے کہا۔ "آپ کے لئے ایک اور چیز بھی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ڈبہ ہے جو مجھے صرف آپ ہی کے ہاتھ میں دینے کا حکم ملا تھا۔" یہ کہتے ہوئے

اُس نے ایک بکس میز پر رکھ دیا جس میں سنگار دان تھا۔

اتنے میں دروازہ کھلا اور مادام دو بریوئل اندر آ گئی۔ یہ خاتون مجسٹریٹ کے وہاں موجود ہونے سے قطعی بے خبر معلوم ہوتی تھی۔

"سنو، میرے پیارے بیٹے" وہ بولی "موسیو دو بریوئل جو تم سے اُلٹی سیدھی باتیں کرتے رہتے ہیں تم اُن کا کچھ خیال نہ کرنا۔ ڈچیز دو شولیو نے تو اُن کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ مَیں پھر کہتی ہوں کہ تمہاری شادی میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں۔ ۔ ۔"

"نہیں، مادام" شارل نے جواب دیا "میرے والد پر جو تیس لاکھ کا قرضہ تھا وہ کل ادا کر دیا گیا ہے۔"

"پیسے بھر دیئے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔

"جی ہاں، معہ اصل اور سُود کے۔ میں اُن کے نام پر حرف نہ آنے دوں گا۔"

"کیا فضول بک رہے ہو۔" اُس کی ساس چلائی۔ "یہ آدمی کون ہے؟" اُس نے پہلی بار کروشو کو دیکھا اور شارل کے کان میں پوچھا۔

"یہ میرا کارندہ ہے۔" اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

مادام نے حقارت کے انداز میں موسیو دبوں فوں کو سلام کیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

"ہم نے ابھی سے ایک دوسرے کی دولت بڑھانی شروع کر دی ہے۔" مجسٹریٹ مُسکراتے ہوئے بولا۔ اُس نے اپنی ٹوپی اُٹھائی اور چلتے ہوئے کہا "اچھا خدا حافظ۔ بھائی۔"

"یہ سومور کا بڈھا طوطا میرا مذاق اُڑا رہا ہے۔ جی چاہتا ہے اس کے تلوار

بھونک دوں۔" شارل نے سوچا۔

لیکن مجسٹریٹ جا چکا تھا۔

تین دن بعد موسیو دبوں فوں سومور لوٹ آیا اور یوژینی سے اپنی شادی کا اعلان کر دیا۔ چھ ماہ بعد اُسے آں ژرسے کی عدالت میں کونسلر کی جگہ مل گئی اور وہ دونوں وہاں چلے گئے۔ لیکن سومور چھوڑنے سے پہلے یوژینی نے وہ زیورات جو اُس کے لئے اتنے قیمتی اور مقدس رہ چکے تھے پگھلا کر اُن آٹھ ہزار فرانک سمیت جو اُس کے چچازاد بھائی نے اُسے بھیجے تھے اُس گرجے کی قربانگاہ پر پردہ ڈالنے کے لئے دے دیئے جہاں جا کر وہ شارل کے لئے دُعا مانگا کرتی تھی۔ اب وہ کچھ دن آں ژرسے میں گزارتی اور پھر کچھ دن کے لئے سومور آ جاتی۔ ایک دفعہ سیاسی بحران کے زمانے میں دبوں فوں نے سرکار کی بہت طرفداری کی تھی جس کے عوض پہلے اُسے پریذیڈنٹ آف دی چیمبر کا عہدہ دے دیا گیا اور بالآخر فرسٹ پریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ پھر وہ بڑی بے صبری سے عام رائے شماری کے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ وہ وزیر بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اُسے نوابی کے خطاب کی توقع تھی اور پھر اس کے بعد... "تب تو شاید وہ بادشاہ کو بھی بھتیجا کہنے لگیں گے!" نانوں نے کہا۔ لمبی تڑنگی نانوں اب مادام کارنواۓ اور سومور کے ایک رئیس کی بیوی بن چکی تھی۔ اُس کی مالکہ اُس وقت اپنے شوہر کے اعلیٰ مدارج اور اُس کے روز افزوں حوصلوں کا ذکر کر رہی تھی۔

لیکن بالآخر اُس کے اتنے سارے خوابوں میں سے کوئی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اور موسیو دبوں فوں کے نام میں اور کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی (اُس نے اپنا خاندانی نام کروشو بالکل چھوڑ دیا تھا۔) سومور میں ڈپٹی کے عہدے پر مقرر ہونے کے آٹھ

دن بعد ہی اُس کا انتقال ہو گیا۔ خدا جو سب کے دلوں کی حالت سے واقف ہے کبھی بلا سبب سزا نہیں دیتا۔ اسے بھی یقیناً اپنی مکاری کی سزا ملی تھی۔ اُس نے بڑی چالاکی سے شادی کے معاہدے کی یہ شرائط رکھی تھیں:۔

"اگر کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر یا بیوی میں سے جو کوئی پہلے مرے اُس کی ساری جائداد دوسرے کو ملے گی۔ ایسے حالات میں جائداد کی کوئی فہرست بھی نہ بنائی جائے گی اور اس شرط سے کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہ ہو گی۔"

چنانچہ اس معاہدے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ مجسٹریٹ اپنی بیوی کے الگ رہنے کی خواہش کا اس درجہ احترام کیوں کرتا تھا۔ عورتیں مجسٹریٹ کو بہت شریف اور حد درجے کا حق شناس تصور کرتی تھیں۔ اس لئے انہیں اُس سے پوری ہمدردی تھی۔ اور وہ اکثر لوئیزی کو موردِ الزام ٹھہراتیں جو اب تک اپنے غم اور اپنی محبت میں اُلجھی ہوئی تھی۔ ہمدردی کے جوش میں وہ حسبِ عادت مجسٹریٹ کی بیوی پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت سے دلخراش فقرے بھی کہہ جاتیں۔

"معلوم ہوتا ہے بے چاری مادام دیبوں فوں کی صحت بہت خراب ہے ورنہ وہ کبھی میاں سے اس طرح الگ نہ رہتی۔ خدا جانے اب وہ اچھی بھی ہو گی یا نہیں؟ آخر اسے تکلیف کیا ہے؟ کہیں اُس کے پیٹ میں ورم یا زخم تو نہیں؟ یا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ وہ پیرس جا کر کسی بڑے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتی؟ بہت دن سے اس کی رنگت بھی زرد پڑی ہوئی ہے۔ آخر اُسے بچے کی خواہش کیوں نہیں ہے؟ سنا ہے اُسے اپنا شوہر بہت پسند ہے۔ تو پھر اُس کی جائداد کا وارث بھی تو پیدا کرنا چاہیئے جو اُس کی جگہ لے سکے؟ ذرا سوچو تو کتنی عجیب بات ہے! اگر اُس کے دماغ میں کوئی الٹی سیدھی بات سما گئی ہے

تو اُس کو کسی حالت میں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ بے چارہ مجسٹریٹ!

تنہائی اور عبادت کی زندگی کی بدولت انسان میں نئی بصیرت آ جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے چند سالوں کی با اصول زندگی، رنج و غم اور تنہائی نے یوژینی میں بھی ان تنگ نظر لوگوں کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ مجسٹریٹ کو اس کی موت کا انتظار ہے تاکہ وہ اُس کی زبردست جائداد کا واحد مالک بن جائے۔ اب اس جائداد میں پادری اور سرکاری وکیل کی موت سے اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اُن دونوں کو خدا تعالیٰ نے اعمال کی دُنیا سے جزا کی دنیا میں بلا لینا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ بے چاری بھولی عورت یہ سب کچھ سمجھتی تھی اور اُسے مجسٹریٹ پر ترس آتا تھا۔ خود غرضی اور لالچ کے باعث ہی وہ یوژینی کی ناکام محبت کا اتنا احترام کرتا تھا۔ بچے کی پیدائش مجسٹریٹ کی ہوس و آز کی موت کے مترادف ہوتی۔ آخر اُس کا انجام یہ ہوا! اور یوژینی جسے دولت کی ذرہ برابر بھی پروا نہیں تھی وہ اُس کے انبار تلے اس قید خانے میں دبی رہ گئی۔ اُسے زندہ رہنا پڑ رہا تھا۔ دوسری دنیا کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ اپنے ساتھیوں کے لئے اُس کے دل میں ہمدردانہ جذبات موجزن رہتے۔ وہ حاجتمند لوگوں کی خفیہ طور سے امداد کیا کرتی۔ مادام دی بون فون شادی کے تین سال بعد بیوہ ہو گئی۔ اس وقت اُس کی آمدنی آٹھ لاکھ لیور سالانہ تھی۔

وہ اب بھی اتنی ہی خوبصورت ہے جتنی کوئی بھی چالیس سالہ عورت ہو سکتی ہے۔ اُس کا چہرہ اب بہت ہی زرد اور سنجیدہ ہو گیا ہے اور اُس کی دھیمی آواز میں غم کی جھلک ہے۔ اُس کی عادات بہت سیدھی سادی ہیں۔ اُس کے اندر ایسا وقار ہے جو بڑے بڑے غم اُٹھانے کے بعد پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اور اُس کی روحانی پاکیزگی

کو دنیا ذرا بھی داغدار نہیں کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس میں بڑھیوں کی سی خبطی بھی ہے اور نصیبے والوں کی تنگ نظری اور کنجوسی بھی۔

حالانکہ اب اُس کی آمدنی آٹھ لاکھ لیور سالانہ ہے لیکن وہ اب بھی اُسی طرح زندگی بسر کرتی ہے جیسے اُس زمانے میں جب وہ کنواری تھی اور کھانے کا سامان اور جلانے کی لکڑی ناپ تول کے ملتی تھی۔ نشستگاہ کے آتشدان میں آگ صرف انہیں دنوں میں جلائی جاتی ہے جن دنوں میں اُس کے باپ کے زمانے میں جلائی جاتی تھی۔ جو قاعدے قانون اُس کے لڑکپن میں رائج تھے وہی آج بھی رائج ہیں۔ وہ لباس بھی اپنی ماں کا سا پہننے لگی ہے۔ اُس کا سرد، اندھیرا اور ویران سا گھر جیسے چاروں طرف سے کالی فصیل نے گھیر رکھا ہے بالکل اُسی طرح کا ہے جیسی اُس کی زندگی ہے۔

وہ اپنے سب کاموں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتی ہے اور اُس کی دولت ہر سال بڑھتی چلی جا رہی ہے جسے وہ خدا کی راہ میں بڑی فراخدلی سے خرچ کرتی ہے ورنہ اُسے کنجوس کا خطاب ملے بغیر نہ رہتا۔ بہت سے مذہبی اور خیراتی اداروں، محتاج گھروں، یتیم خانوں، عام کتب خانوں اور سومور کے بہت سے گرجاؤں کو وہ چندہ دیا کرتی ہے۔ اگر کچھ لوگ اُسے لالچی کہتے ہیں تو یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔

بعض اوقات لوگ اُسے مذاق میں "مادموازیل" کہا کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مادام دبوں فوں کا لوگوں پر بھاری رعب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اِس ہر کسی سے ہمدردی کرنے والی عورت کی قسمت ہی میں لکھا ہے کہ لوگ اُسے اپنے فائدے کے لئے ہمیشہ تختۂ مشق بناتے رہیں۔ اس سے بدگمانی برتیں اور اُس کی گرمجوشی کا بدلہ سوائے ناشکری کے اور کچھ بھی نہ ملے۔

وہ بعض دفعہ نانون سے کہتی ہے "تمہارے سوا مجھ سے کوئی بھی محبت نہیں کرتا"
ان سب باتوں کے باوجود وہ ہر کسی کی مصیبت میں کام آتی ہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتی۔ اُس کی زندگی بھلائی کے کاموں میں ہی کٹ رہی ہے۔ اُس کی ابتدائی زندگی کے مُضر اثرات پر اب اُس کی روحانی عظمت غالب آگئی ہے اور یہ ہے اُس عورت کی داستانِ حیات جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی اُس سے دُور ہے۔ وہ عورت جس میں بیوی اور ماں بننے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن جس کا نہ کوئی خاوند ہے نہ بچّے اور نہ کوئی عزیز۔

کچھ دن سے لوگوں میں اُس کی دُوسری شادی کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ اخلا مارکوئس دفروانوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ اب اُس کے خاندان نے امیر بیوہ کو بالکل اُسی طرح گھیر رکھا ہے جیسے کروشو خاندان ایک زمانے میں یوژینی کے گرد جمع ہوتا تھا۔ کہتے ہیں نانون اور رکارنواییٹے بھی مارکوئس کی حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اس خبر میں کوئی سچائی نہیں ہو سکتی کیونکہ لمبی نانون اور رکارنواییٹے دونوں میں سے کسی کو بھی اتنی عقل نہیں کہ وہ دنیا کی بداعمالیوں میں پڑ سکیں۔